UQAABI

اللہ کا سپاہی

(غازی صلاح الدین ایوّبی

اور تیسری صلیبی جنگ)

عقابی

مترجم:

محمد شاکر علی خاں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کا سپاہی

(غازی صلاح الدین ایوبی

اور تیسری صلیبی جنگ)

☆☆☆

☆☆

☆

مصنف

جیمس روسٹن جونیئر

☆☆

☆

ترجمہ

محمد شاکر علی خان

نام کتاب............ اللہ کا سپاہی غازی صلاح الدین ایوبی
اور تیسری صلیبی جنگ

مصنف............ جیمس روسٹن جونیئر

مترجم............ محمد شاکر علی خان

ناشر............ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کراچی

سال اشاعت............ دسمبر ۲۰۰۶ء

تعداد............ پانچ سو

قیمت............ 250 روپے

طابع............ خواجہ پرنٹرز اینڈ پبلشرز۔ کراچی
فون: ۲۶۸۴۳۶۳۔ ۲۶۰۶۷۷۶

ملنے کے مراکز

۱۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اولڈ بوائز ایسوسی ایشن ایم آر کیانی روڈ کراچی۔ فون: ۵۲۱۰۰۰۴
۲۔ خواجہ پرنٹرز اینڈ پبلشرز۔ کراچی فون: ۲۶۸۴۳۶۳۔ ۲۶۰۶۷۷۶
۳۔ کراچی کے تمام اہم کتب فروش

پیش لفظ

''اللہ کا سپاہی''

غازی صلاح الدین ایوبی اسلام کا وہ مردِ مجاہد ہے جس کا نام اُس کی سرفروشانہ خدمات کے سبب تاریخ کے صفحات پر سنہری حروف سے درج ہے۔ یہ وہ اسلامی سپہ سالار ہے جس کی ہیبت سے آج بھی یورپ کے ایوان لرز اٹھتے ہیں۔ اس عظیم شخصیت نے معرکتہ الآرا صلیبی جنگوں میں دشمنوں کے دانت کھٹے کیئے اور رچرڈ اوّل جیسے جنگجو سپہ سالار کو شکستِ فاش سے دوچار کیا یروشلم پر اسلامی پرچم لہرایا اور دین اسلام کو ارضِ مقدس پر نافذ کر کے اعدائے اسلام سے اس سرزمین کو پاک کیا۔

زیرِ نظر کتاب اس مردِ مجاہد کے حالات و واقعات اور ان کارناموں پر مشتمل ہے جو اس نے تیسری صلیبی جنگ میں (جسے صلیبی جنگوں کے سلسلے کی سب سے اہم جنگ قرار دیا جاتا ہے) اپنی خداداد شجاعت و مومنانہ فراست سے رقم کیئے۔ یہ کتاب "Warriors of God" کے نام سے معروف امریکن مورخ James Rostonjr نے بزبانِ انگریزی تصنیف کی ہے۔ جبکہ محمد شاکر علی خان نے جو گزشتہ تیس برسوں سے جرمنی میں مقیم ہیں، بڑی خوش اسلوبی سے سلیس و دلآویز اردو ترجمہ پیش کیا ہے یہ کتاب اس لحاظ سے زیادہ قابلِ قدر ہے کہ ایک امریکن غیر مسلم مؤرخ کی تحقیقی کاوش ہونے کے ساتھ ہر قسم کے متعصبانہ رویوں سے پاک ہے کیونکہ اس میں حقائق کو قطعاً توڑ مروڑ کر پیش نہیں کیا گیا اور تمام احتیاطوں سے کام لے کر جنگی معرکوں کے واقعات کو نہایت دیانت داری کے ساتھ اس کی اصل روح کے مطابق قلمبند کیا گیا ہے۔ مزید برآں مؤرخ کا اندازِ تحریر بھی قابل ستائش ہے جس نے کتاب کو دلچسپ بنا دیا ہے۔

محمد شاکر علی خان کے تراجم کا یہ سلسلہ ''غازی صلاح الدین اور تیسری صلیبی جنگ'' کے عنوان سے ستمبر ۲۰۰۲ء تا اگست ۲۰۰۶ء ماہ بہ ماہ ماہنامہ ''تہذیب'' کے صفحات کی زینت بنتا رہا ہے جسے قارئینِ تہذیب نے بے حد سراہا اور اس داستانِ حریت کی افادیت و اہمیت کے پیشِ نظر ادارہ

تہذیب کو ایسے خطوط بھی لکھے کہ اس سلسلے کو کتابی شکل دے دی جائے تاکہ اردو ادب میں اسلامی ہیروز پر ایک گراں قدر مبنی برحقائق اور تعصب سے پاک کتاب کا اضافہ ہو سکے اور زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے مستفید ہو سکیں۔ یقیناً غازی صلاح الدین کی یہ سرگزشت ہے بھی ایسی کہ اسے کم از کم اسلامی تاریخ سے لگاؤ رکھنے والے ہر فرد کے گھر اور اہم لائبریریوں میں ہونا چاہیے تاکہ گومگو کے ماحول میں پروردہ نسلِ نو کو یہ اندازہ ہو سکے کہ اب سے کم و بیش ساڑھے نو سو سال پہلے ایک عظیم مردِ مجاہد نے اپنی سرفروشانہ کارروائیوں اور اللہ کی نصرت و مدد سے کس طرح غیر معمولی فتوحات حاصل کیں۔ چنانچہ علی گڑھ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن آف پاکستان نے قارئینِ تہذیب اور دیگر علم دوست احباب کی خواہشات کا احترام کرتے ہوئے کتاب کی اشاعت کی ٹھانی تو مترجم نے یہ درخواست کی کہ کارِ ثواب میں ہونے والے جملہ مصارف کا اعزاز انہیں دیا جائے چنانچہ یہ انمول تاریخی سوغات ''اللہ کا سپاہی'' آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اس سے قبل بھی محمد شاکر علی خان اطالوی زبان سے جرمن زبان میں منتقل ہونے والی کتاب ''محمد یورپ میں'' جسے چار اطالوی مصنفین فران چسکو گاربریلی، جاکوموامی کوریٹو، کلاڈیولو کو جانو اور الرٹویں تورانے مل جل کر تحریر کیا تھا، کا اردو ترجمہ کر کے ''یورپ میں اسلام کی آمد'' کے نام سے شائع کر چکے ہیں۔ جس کو علمی حلقوں میں سراہا گیا۔ یقینِ کامل ہے کہ موجودہ پیشکش ''اللہ کا سپاہی'' موضوع کی اہمیت کے باعث قرار واقعی پذیرائی حاصل کرے گی۔ اگر نوادر کتب کے تراجم کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا تو انشاءاللہ اردو لٹریچر کا دامن مبنی برحقائق تاریخ سے مزید مالا مال ہوتا رہے گا جس سے تاریخِ اسلامی میں دلچسپی رکھنے والے بالعموم اور ریسرچ اسکالر بالخصوص مستفید ہوتے رہیں گے۔

میں برادرم محمد شاکر علی خان کو اس لائقِ تحسین کتاب کی اشاعت پر نہ صرف ادارۂ تہذیب کی جانب سے بلکہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اولڈ بوائز ایسوسی ایشن آف پاکستان کراچی کی طرف سے ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہوئے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ صحت و سلامتی کے ساتھ ان کی زندگی میں اضافہ کرے اور جذبۂ اسلام سے سرشار رہتے ہوئے ان کے قلم کی روانی برقرار رہے تاکہ پاکیزہ علمی لٹریچر معاشرے میں پھیلتا رہے۔ آمین۔

محمد ذاکر علی خان

حروفِ تشکر

سب سے پہلے تو میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاتا ہوں جس نے مجھے توفیق عطا فرمائی کہ میں ایسی معرکتہ الآرا تصنیف کا اردو میں ترجمہ کر سکا اس کے بعد میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اظہار ممنونیت کروں علیگڑھ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کراچی اور ادارۂ تہذیب کہ جنہوں نے اپنے موقر جریدے ''ماہنامہ تہذیب'' میں میرے ان تراجم کو ماہ بماہ شائع کیا اور تعاونِ مزید فرما کر نہ صرف اپنے بینر تلے انہیں کتابی شکل عطا فرمائی بلکہ مصارف سے متعلق میری پیش کش قبول کی جو میرے لئے باعثِ اعزاز ہے۔

محمد شاکر علی خاں

یوں تو اس تاریخی کتاب کا عنوان Warriors of God ہے لیکن چونکہ یہ تیسری صلیبی جنگ کی داستان ہے جس کا سب سے اہم اور مرکزی کردار غازی صلاح الدین ایوبی کی ذات ہے اس لئے میں نے اسی مناسبت سے اسے مذکور بالا عنوان میں تبدیل کرنے کی جسارت کی ہے۔ کچھ عرصہ پہلے انگلستان کے معروف رسالہ Economist نے اپنے Book Reveiw میں اس کتاب پر تفصیلی طور پر تبصرہ کیا تھا جس میں اس کے مصنف (یا مورخ) James Reston jr کی پیشہ ورانہ دیانتداری اور تاریخی حقائق کو غیر جانبدارانہ طور پر پیش کرنے کو بہت سراہا تھا۔ واقعی مصنف کا انداز بیان نہایت سیدھا سادہ ہے اور ہر طرح کی متعصبانہ حاشیہ آرائی سے پاک ہے۔ میں نے بھی یہی کوشش کی ہے کہ اس کا بے کم و کاست اور جوں کا توں ترجمہ کروں۔ البتہ بعض جگہ عبارت کی روانی کو برقرار رکھنے کے لئے یا صحیح مفہوم کو صاف طور پر پیش کرنے کے لئے آزادانہ ترجمہ بھی کرنا پڑا ہے۔ صرف ایک یا دو جگہ قدیم عیسائی مورخین کا حوالہ دیا گیا ہے جو حضور نبی کریمؐ کی ذات مبارک کے بارے میں ہے۔ اگرچہ وہ ہر چند گستاخانہ نہیں لیکن پھر بھی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شایان شان نہیں ہے اس لئے میں نے اسے نظر انداز کر دیا ہے۔

علی خان

ایش بورن ۔ جرمنی

دیباچہ: (منجانب مصنف)

صلیبی جنگوں کا سلسلہ دو سو سال تک جاری رہا جنھوں نے نفرت اور دہشت کا ایسا جنون پھیلایا کہ جو دور حاضرہ کے تباہ کن ہتھیاروں کی ایجاد اور ہٹلر کے ہلاکت خیز عذاب کے برپا ہونے سے قبل بے مثال تھا۔ اس دیوانگی کی ابتداء عیسائی کیتھولک چرچ کے ایک پوپ نے جس کا لقب Urban II تھا ۱۰۹۵ء میں کی۔ اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ یورپ کے حکمرانوں کو جو مسلسل باہمی جنگوں میں مبتلا تھے، اس خوں ریزی سے ان کی توجہ ہٹا کر ان کی جنگی صلاحیتوں کو ایک مقدس اور باعزت مہم کی طرف لگایا جائے۔ یعنی ارض مقدس کو کافروں سے آزاد کرا کر پاک کیا جائے۔ لیکن اس جن کو ایک دفعہ آزاد کرنے کے بعد اس پر قابو نہیں پایا جا سکا۔ اس دہشت گردی کا شکار پہلے تو یہودی بنے پھر مسلمانوں کا ان کے اپنے ملک میں ہی قتل عام ہوا۔ یورپ کا سرمایہ برباد ہوا اور اس تحریک کا اختتام جانبین کے لئے ناقابل قیاس باعث کشت و خون بنا۔ دوسری جنگ کا بہت بڑا پروپیگنڈسٹ Bernard of Clairvaux اس طرح ماتم کرتا ہے کہ "یورپ کی سات بیوہ عورتوں کی تسلی کے لئے صرف ایک مرد رہ گیا تھا۔" پانچ اہم صلیبی جنگیں ہوئی ہیں ویسے ان کے علاوہ کئی اور چھوٹی بڑی جھڑپیں بھی ہوئیں جن کی بنیاد یہی جذبات و تاثرات کہے جا سکتے ہیں۔ ان سب میں صرف پہلی جنگ ہی کامیاب کہی جا سکتی ہے چونکہ اس میں یروشلم فتح ہو سکا جس کے نتیجہ میں اس قدیم شہر کی گلیاں مسلمانوں اور یہودیوں کے خون سے گھٹنوں تک ڈوب گئی تھیں۔ یہ جنگ بھی محض عرب حکمرانوں کی خانہ جنگیوں کی وجہ سے کامیاب ہو سکی۔ تیسری جنگ کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اس وقت مصر اور شام نے مل کر ایک متحدہ عربی سلطنت قائم کر لی تھی جسے شکست دینے میں عیسائی فوجیں ناکام رہیں۔ پانچویں جنگ میں جرمنی کا قیصر فریڈرک دوم (Fredrich II) مختلف خفیہ معاہدوں کے ذریعہ اس مقدس شہر میں داخل ہونے میں تو کامیاب ہو سکا لیکن چند ہی ہفتوں میں اسے فلسطین چھوڑنا پڑا جس کے دوران میں خود اس کے ساتھیوں نے اس پر گوبر اور

گندگی کی بوچھاڑ کی۔ باقی اور سب جنگیں ناکام رہیں جن کا نصب العین "سرزمین مقدس کافروں سے پاک کرانا تھا۔" ان تمام صلیبی جنگوں میں تیسری جنگ ہی سب سے زیادہ اہم اور قابل ذکر ہے۔ یہ مشرقی وسطیٰ کی سب سے سخت اور بڑی جنگی مہم گزری ہے۔ غالباً اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اس جنگ میں دو ایسی باکمال اور دیو قامت شخصیتیں ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوئیں جن کی مثال ہزار سال میں بھی نہیں ملتی۔ ان غیر معمولی جانبازوں کے حملوں کی گونج آج بھی سنی جاتی ہے اور خصوصاً دور حاضرہ کی مشرق وسطیٰ کی سیاست پر آج بھی اس کا گہرا اثر ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ دنیا میں جہاں بھی عیسائیوں اور مسلمانوں میں جھگڑا ہو چاہے وہ بوسنیا، چیچنیا، لبنان، ملائیشیا یا انڈونیشیا ہو ہر جگہ وہی پرانے جذبات ابھر آتے ہیں۔ آج تک صلاح الدین دنیائے اسلام کا مجاہد اعظم ہے۔ یہ وہ شخص تھا جس نے معرکۃ آلارا جنگوں میں صلیبی مجاہدین کو شکست دی، یروشلم پھر فتح کیا اور غیر ملکی یورپ کے حملوں آوروں کو سرزمین عرب سے نکال پھینکا۔ آج بھی عربوں کی فلسطین کو اپنے دائرہ اثر میں لانے کی نہ ختم ہونے والی شدید جدوجہد اسی صلاح الدین کے جذبۂ آزادی کا مظاہرہ کرتی ہے۔ ان کے لئے آج بھی صلاح الدین زندہ ہے اور اس کی ذات ان کی امید اور آزادی کے حصول کے لئے ایک مشعل راہ ہے۔ آج دمشق، قاہرہ یا مشرقی یروشلم میں بڑی آسانی سے صلاح الدین کے بارے میں طویل مباحثات کئے جاسکتے ہیں۔ قدیم داستانیں عربوں کی تحریک آزادی کا ایک اہم اور مرکزی جزو ہیں۔ یروشلم کا قدیم شہر کہ جہاں صلاح الدین اپنی شاندار فتوحات کے بعد بڑی سادگی اور انکساری سے رہا کرتا تھا وہاں کے نیم روشن قہوہ خانوں کے در و دیوار پر آج بھی مندرجہ ذیل الفاظ کندہ کئے ہوئے ملتے ہیں:۔ "اللہ محمدؐ، صلاح الدین" یہ ہے مسلمانوں کے دل میں صلاح الدین کا مقام۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عرب دنیا دائمی طور پر صلاح الدین کی آمد کی منتظر ہے۔ قاہرہ اور بغداد میں بعد نماز جمعہ ایسی دعا سننا خلاف معمول نہیں کہ "اے اللہ صلاح الدین کی طرح پھر ایسا مجاہد پیدا کردے کہ جو فلسطین آزاد کرا سکے۔" Hattin کی اہم جنگ میں صلیبی مجاہدین کے خلاف اس کی فتح آج عربوں کے

لئے مغربی ممالک کی مداخلت کے خلاف ایک دائمی نمونہ اور نشانی ہے۔ لیکن صلاح الدین محض اپنی شجاعت اور جنگی صلاحیت ہی کی وجہ سے قابل تعظیم نہیں ہے۔ اُسے اس کی انکساری، ہمدردی، صوفیانہ خصلت، دین داری اور خود پر قابو رکھنے کی وجہ سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ دمشق کی شاہراہ سوق الحمادیہ کے داخلہ کے پاس گھوڑے پر سوار صلاح الدین کا ایک شاندار مجسمہ نصب ہے جو اس شہر کے مرکزی چوک کی زینت ہے۔ جب کبھی احتجاجی جلسے ہوتے ہیں جیسے کہ حال ہی میں اسرائیل سے مذاکرات کے خلاف ہوئے، قوم کے اجتماع کا مرکز یہی صلاح الدین کا مجسمہ ہوتا ہے۔ شام کے صدر حافظ الاسد کے دفتر میں دیوار پر Hattin کی مشہور جنگ کی ایک بڑی تصویر آویزاں ہے جسے مرحوم بڑے شوق سے اپنے مغربی مہمانوں کو دکھایا کرتے تھے۔ گویا وہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ ایک دن پھر ایک اور صلاح الدین آئے گا اور ایک دن پھر Hattin کی جنگ ہوگی۔ جون ۲۰۰۰ء میں اسد کے انتقال کے موقع پر ہزاروں آدمی دمشق کی گلیوں میں جمع ہوئے کہ جو ایک بہت ہلکا عکس اس جم غفیر کا تھا کہ جو مارچ ۱۱۹۳ء میں غازی صلاح الدین کے جنازہ کی تعظیم کے لئے نکلا۔ تیسری صلیبی جنگ ۱۱۸۷ء سے ۱۱۹۲ء تک جاری رہی۔

انگلستان کے رچرڈ اوّل (Richard I) کی شخصیت بھی کچھ کم نہیں لیکن اس کی شہرت اور نوعیت کی ہے۔ انگلستان کی تاریخ میں اس کی شخصیت سب سے زیادہ ڈرامائی کشش رکھتی ہے جس کی وجہ لاتعداد ناول اور ہالی ؒ ڈ کی فلمیں ہیں جن میں King Arthur اور King Richard کی ولولہ خیز جنگوں کو معہ ان کے آہن پوش Knights اور دلکش خواتین کے ایسے بے مثال اور بلند معیار سے پیش کیا گیا ہے جن کی نظیر انسانی تاریخ میں کہیں اور نہیں ملتی۔ The Lion in اور Vanhoe King Richard and the Crusades Winter ان کی چند مثالیں ہیں۔ لیکن King Richard تاریخی اعتبار سے اس پیش کردہ بلند معیار کو نہیں پہنچتا۔ وہ ایک نہایت چالاک جنگی دماغ کا مالک تھا اور ایک قابل خوف سپہ سالار تھا۔ وہ ایک لشکر جرار کی تنظیم وقیادت اور جنگی تدابیر و چالوں میں اپنے دور سے بہت آگے

تھا۔اس کی مہم خواہ کامیاب ہو یا ناکام، ناقابل یقین حد تک سر کی جاتی تھی اور فی الحقیقت ارض مقدس سے اس کی ناکام واپسی اور پھر آسٹریا میں گرفتاری بھی Homer (ایک قدیم یونانی فلسفی اور مصنف) کی Odesseus (یونانی المیہ) ہی کے رنگ میں ہے۔ رچرڈ کی شہرت اس کی چالاکی، ڈرامائی انداز میں شجاعت کا اظہار اور دریادلی کی وجہ سے ہے نہ کہ رحم دلی، مصلحت یا خود کو قابو میں رکھنے کی وجہ سے۔ تیسری صلیبی جنگ کی داستان میں کچھ اور درخشاں ستارے بھی ہیں جو دونوں حریفوں کی صفوں میں پائے جاتے ہیں جیسے White Knight James d'Avesnes یا غیر معمولی جانباز الطویل جنہوں نے اپنے عقائد کے لئے اس عہد کے اعلیٰ معیار کے مطابق بے لوث قربانیاں دیں اور بے مثال شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کہانی میں بعض شرمناک ہستیاں بھی ہیں جیسے Kerak کا حاکم Reginald of Chatillon جو تمام ابتری اور خباثت کا موجب تھا یا آسٹریا کا Duke Leopold جس نے عہد خداوندی کو توڑ کر رچرڈ کو گرفتار کیا جبکہ وہ اپنے وطن کو واپس ہو رہا تھا روم کی مقدس سلطنت کا شہنشاہ Henry VI جس نے رچرڈ کی آزادی کے لئے اس قدر گراں رقم کا مطالبہ کیا کہ جس سے انگلستان کا تقریباً دیوالہ ہی نکل گیا۔ یا پھر رشید الدین سنان جو حشیشین تحریک کا بانی تھا اور جس نے صلاح الدین سمیت ہر شخص کے دل میں اپنا خوف بٹھایا تھا۔ خود رچرڈ کا بھائی Earl John بھی ان ہی بدمعاشوں میں سے تھا۔ جس نے Robin Hood کی فلمی داستان کے لئے مواد پیش کیا اور جس نے اپنے بھائی کی غیر حاضری میں اس کی سلطنت چرانے کی کوشش کی۔ اس تاریخی داستان میں رچرڈ کی ماں Eleanor of Aquitaine کا بھی ذکر ہے جو فرانس اور انگلستان دونوں ملکوں کے بادشاہوں کی ملکہ رہ چکی تھی اور جو آزادئ نسواں کی سب سے پہلی علم بردار تھی جس کے Poitier میں شاندار دربار میں صنف نازک کی برتری کے گیت گائے جاتے تھے۔ فرانس کا پٹہ باز حاکم Philip Augustus جو عشق اور جنگ میں رچرڈ کا ساتھی تھا اور جس نے اس متحدہ جنگ میں اپنے عاشق سے ناراض ہو کر اس کے ساتھ دغا

بازی کی اور پھر اسی Ph Augustus کی نیم بہن Alais تھی کہ جو یورپ کے بادشاہوں کی شاہی بساط پر ایک مُہرہ تھی۔ پہلے رچرڈ کے باپ ہنری دوم (Henry II) کی داشتہ تھی پھر رچرڈ کی منگیتر ہوئی اس کے بعد اس کی ماں Eleanor کی قید میں گرفتار ہوئی۔ اس عظیم داستان کی اسٹیج ارض مقدس ہے۔ صلاح الدین اور رچرڈ کے ہمراہ تصوراتی طور پر سفر کرنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور محمد الرسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کرنے سے بہت مختلف ہوگا۔ اس کہانی کا آغاز تو صحرائے Moab سے ہوتا ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس برس بطور یرغمال قید میں رکھے گئے۔ پھر وہاں سے یہ Hattin کے میدان جنگ کی طرف جاتی ہے۔ یہ وہ پہاڑ ہیں جن کے بارے میں بہت سے لوگوں کا اعتقاد ہے کہ حضرت سلیمان علیہ اسلام نے وہیں اپنا مشہور وعظ دیا تھا۔ اس کے بعد یہ یروشلم پہنچتی ہے۔ یہ وہ شہر ہے جسے صلاح الدین نے فتح کیا اور پھر اس کا دفاع کیا اور جہاں مسجد اقصیٰ سے حضور نبی کریم ﷺ نے رات کے وقت معراج کا سفر کیا۔

یہ تصور کرنا کچھ مشکل نہیں ہے کہ ایک عام صلیبی سپاہی کے جذبات میں اس وقت کیا جوش ہوگا کہ جب اس نے پہلی دفعہ اس سرزمین پر قدم رکھا جہاں عیسیٰ علیہ السلام خود Jaffa, Caesarea یا Emmaus میں گھومے پھرے تھے اور اسی طرح یہ تصور بھی کرنا مشکل نہیں کہ اس وقت مسلمان سپاہیوں نے اپنے وطن کے لئے کیسی جدوجہد کی ہوگی۔ یروشلم اسلام، عیسائیت اور یہودیت کی ایک کسوٹی ہے۔ آج بھی وہاں کلیسا کے گھنٹوں کی آواز، موذن کی اذانوں اور یہودیوں کے گانوں سے ملتی ہے۔ جہاں مسجد عمرؓ، روضۂ مقدس کے گرجا گھر سے اینٹوں اور سیمنٹ سے ملا دی گئی ہے اور جہاں سے مغربی دیوار بھی کچھ دور نہیں ہے۔ (نوٹ:۔ Holy Sepulcher یا روضۂ مقدس عیسائیوں کے لئے مقدس ترین مقام ہے جہاں ان کے عقیدہ کے مطابق حضرت عیسیٰ دفن کئے گئے تھے۔ ''مغربی دیوار'' یا "Wailing Wall" اہل یہود کا مقدس ترین مقام ہے) یہ مقدس شہر سب کے خوابوں اور تصورات میں آباد ہے۔ لہٰذا اس شہر کو فتح

کرنے کی جذباتی شدت ہی اس جنگ کی آگ کو بھڑکا دیتی ہے ہے اور ان جذبات کی شدت آج بھی کم نہیں ہوئی ہے۔ شام، اُردن اور مشرقی فلسطین میں عرب علماء سے مذاکرات کے دوران میں مجھے یہ احساس ہوا کہ عربوں کے نقطۂ نظر سے صلیبی جنگوں کا دور کسی قدر مختلف ہے۔ وہاں بارہویں تیرہویں صدی کی صلیبی جنگیں جداگانہ جنگیں نہیں ہیں بلکہ یہ اس عہد کی ایک مسلسل جدوجہد سمجھی جاتی ہے جو اپنے ملک وقوم کو بیرونی طاقتوں کے جارحانہ حملوں سے مدافعت کرنے کے لئے کی گئی۔ عربوں کے نقطۂ نظر سے اس دور کے صرف تین حصے ہیں نہ کہ پانچ۔ پہلا دور وہ تھا جس میں پہلی صلیبی جنگ نے غیر متحد اسلامی حکومت کا خاتمہ کیا۔ دوسرے دور میں عرب کے مختلف قبائل، فرقوں اور حاکموں کو اہل یورپ کے حملوں کے خلاف متحد کرنے کی جدوجہد کی گئی اور پھر تیسرے دور میں بالآخر یہ جدوجہد کامیاب ہوئی اور یروشلم فتح ہوسکا۔ یہ صلاح الدین کا دور تھا۔ اسی تیسری صلیبی جنگ کا پرچم آج بھی دور حاضر کی تاریخ اور مشرق وسطیٰ کی سیاسیات پر لہرا رہا ہے۔ ۱۱ر دسمبر ۱۹۱۷ء کو جب جنرل Allenby نے Jaffa Gate سے داخل ہوکر ترکوں کی چار سو سالہ حکمرانی کی شکست کو قبول کیا تو اخبارات نے یورپ کی اس آخری فتح کا بہت شور و غل مچایا۔ پھر جولائی ۱۹۲۰ء میں جب فرانسیسی جنرل Henri Gouraud دمشق فتح کرکے گھوڑے پر سوار ہوکر صلاح الدین کے مقبرہ پر پہنچا کہ جو دمشق کی جامع مسجد سے متصل ہے تو اس نے وہاں نعرہ مارا کہ اے صلاح الدین ہم واپس آگئے ہیں اور میری یہاں موجودگی ہلال پر صلیب کی فتح کو مقدس بناتی ہے۔ اس طرح وہ عربوں کی نفرت اور لعنت کا دائمی طور پر شکار ہوا۔ آج صدیوں بعد بھی Beaufort میں صلیبی مجاہدین کا قلعہ مشرق وسطیٰ میں مخالفین کے لئے ایک اہم مورچہ ہے جو بار بار ہاتھ بدل چکا ہے۔ ۱۹۸۱ء میں جنرل Sharon نے اسے اسی طرح فتح کیا کہ جیسے اس سے نو سو سال پہلے صلاح الدین نے اسے فتح کیا تھا۔ مئی ۲۰۰۰ء میں اسرائیل نے اسے چھوڑ دیا جیسے کہ Sidon کے حاکم Reynauld نے ۱۱۸۷ء میں کیا تھا۔ فلسطینیوں نے پھر اس پر قبضہ کرلیا۔ Ramalla اور یروشلم کے درمیان شاہراہ نمبر ۱ ہے جسے

باب الواد کہا جاتا ہے اور جو جودیہ کی پہاڑیوں سے ہو کر گزرتی ہے۔ رچرڈ نے یروشلم پر حملہ کے لئے یہی راستہ اختیار کیا تھا۔ آج عربی ادب میں یہودی دور حاضرہ کے صلیبی حملہ آور سمجھے جاتے ہیں۔ بالخصوص اہل یورپ جنہوں نے عربی ممالک فتح کئے اور ان پر قبضہ کیا جس طرح اس زمانہ میں مٹھی بھر صلیبی حملہ آوروں نے اپنے قلعوں کا جال بچھا کر اور عرب شہروں پر سخت نظام مسلط کر کے عربوں کی کثیر تعداد کو قابو میں رکھا اسی طرح بقول عرب دانشوروں کے آج اسرائیلی امریکی فوجی پشت پناہی سے عرب آبادیوں کو خاردار تاروں سے مقید کر کے عرب اکثریت کو قابو میں کئے ہوئے ہیں۔ عربوں کا یہ ایمان ہے کہ اسرائیلی بھی صلیبی ظالموں کی طرح تاریخ کی آہستہ رو اور پُر اسرار طاقت سے مجبور ہو کر ایک دن فلسطین چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ عرب تاریخ کو بہت دور بینی سے دیکھتے ہیں۔ آخر صلاح الدین اور اس سے پہلے نور الدین زنگی کو صلیبیوں کو باہر نکالنے میں اسی سال لگے تھے۔ اسرائیل کی ریاست تو صرف پچاس سال سے کچھ ہی زیادہ ہے۔

بارہویں صدی کی طرح آج بھی عربوں کا مسئلہ ان کے اختلافات اور انتشار ہیں۔ اگر آج ہزاروں عربی قبائل کو متحد کرنے کے لئے ایک صلاح الدین درکار ہے تو اس کردار کے لئے متعدد عرب رہنما بڑے جوش و خروش سے خود کو پیش کرتے ہیں۔ ۱۹۵۰ء میں جمال عبدالناصر نے ایک متحدہ عرب جمہوری ریاست قائم کرنے اور انگریزوں اور فرانسیسیوں کو سینائی اور نہر سوئز سے نکالنے کے لئے متواتر صلاح الدین کے نعرے لگائے۔ پھر جنگ خلیج میں صدام حسین نے بھی باوجود اپنے عرب ہم وطنوں کے مذاق اُڑانے کے جو اس کے بجائے Nato کے ساتھی تھے صلاح الدین کا ہی دامن پکڑا اور اس حقیقت کو بہت بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی کوشش کی کہ وہ اور صلاح الدین دونوں کردستان کے شہر Thkreet میں پیدا ہوئے تھے۔ اس کے بعد ۲۰۰۰ء کی گرمیوں میں جب یاسر عرفات مشرق وسطیٰ کے مذاکرات ناکام ہونے کے بعد واپس ہوئے تو ان کے ہم وطنوں نے بڑی دھوم دھام اور شاندار جھنڈوں سے ان کا استقبال کیا اور انہیں فلسطین کا صلاح الدین بتایا۔ اس موقع پر ایک اسرائیلی صحافی Amos Oz نے نیویارک ٹائمز میں لکھا

کہ صلاح الدین کا خوفناک سایہ ایک بار پھر مشرق وسطیٰ پر چھایا ہوا ہے اور بالآخر اکتوبر ۲۰۰۰ء میں ایریل شیرون نے جب Temple Mount کا دورہ کیا جس کے نتیجہ میں اسرائیل میں فساد پھیلا تو مشرقی یروشلم کی تنگ گلیوں میں فلسطینی نوجوانوں نے خود کو صلاح الدین بریگیڈ کا لقب دیا اور خوب تباہی و بربادی کی۔ تیسری صلیبی جنگ سب سے زیادہ زہریلی تھی اور واقعی اس مقدس جنگ میں بہت سی باتیں غیر مقدس اور غیر مذہبی کی گئیں۔ مثلاً یہودیوں کے خلاف مظالم، لوٹ مار کا شوق، لالچ کی انتہا اور ذاتی مفاد کی خاطر قتل و غارت۔ یہ سب پاکبازی اور دینداری کے نام سے روا رکھا گیا۔ ابتداء سے ہی یہ تو ایک تاریخی حقیقت ہے کہ یہ سب عیسائیوں کی مذہبی جنگیں تھیں جن کا جواب اور ردِ عمل جہاد تھا۔ جہاد بذاتِ خود ایک مدافعتی تخیل ہے جو کفار کے ظلم و تشدد کے جواب میں جائز ہے۔ قرآن اہل ایمان سے کہتا ہے کہ ''اللہ کی راہ میں ان سے لڑو کہ جو تم سے لڑیں لیکن زیادتی مت کرو۔ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔'' (۲:۱۹۰)۔ اس مقدس اور مدافعتی جنگ کے بدلے میں بڑے آسمانی انعامات کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اس لئے یہ تاریخ کی ستم ظریفی ہے کہ آج لفظ جہاد مغربی لوگوں اور مغربی حکومتوں کے دلوں میں خوف پیدا کرتا ہے جو اسے دہشت گردی اور اسلامی جنون سے ملا دیتے ہیں۔ لیکن اسلامی تاریخ میں کوئی بھی ایسی مثال نہیں کہ جو بارہویں صدی کی عیسائی صلیبی دہشت گردی اور جنون کے ہم پلہ ہو۔ اب ۲۰۰۰ء کے اوائل میں یہ صلیبی جنگیں ایک بار پھر خبروں میں گرما گرم ہوگئیں۔ پوپ جان پال دوم نے ارض مقدس کا اپنا تاریخی سفر شروع کرنے سے پہلے اپنے اتوار کے وعظ میں ان تمام گناہوں کی مجموعی طور پر معافی مانگی کہ جو رومن چرچ نے دو ہزار سال میں مذہب کے نام سے کئے ہیں جسے ''یاد داشت اور صلح'' (Memory & Reconciliation) کے نام سے موسوم کیا گیا۔ یہ چرچ کی اس معافی کی بازگشت تھی جو Galileo کے خلاف ۱۹۹۲ء میں بدسلوکی کی وجہ سے کی گئی تھی۔ یہ چرچ کی دو ہزار سالہ تاریخ میں ان تاریک دھبوں کی صفائی کا سلسلہ ہے جسے چرچ ''تاریخی طہارت'' کہتا ہے۔ یہودیوں، مسلمانوں، عورتوں اور اقلیتوں کے خلاف جو مظالم کئے

گئے ہیں ان میں ان صلیبی جنگوں کا خاص طور پر ذکر ہے۔ مشرق وسطیٰ میں مسلمانوں کے لئے پوپ کا یہ بیان قابل مسرت تھا کیونکہ مذہبی معافیوں کے سلسلے میں صلیبی جنگوں نے بالآخر Holocaust کا درجہ حاصل کر لیا تھا۔ لیکن وہاں پہنچ کر جان پال نے اس کی مطلق کوئی مزید وضاحت نہیں کی۔ یہ بات یروشلم کے مفتی اعظم کے لئے کسی طرح باعث مسرت نہیں بنی۔ مسلمانوں کے اس بلند پایہ عالم نے کہا کہ دنیا میں بہت سے قتل عام ہوئے ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ Holocaust ہی اتنا زیادہ اہم اور مشہور ہے۔ چاہے صلیبی حملہ آوروں کے ہاتھوں مسلمانوں کا قتل ہو یا آج اسرائیلیوں کے ہاتھوں فلسطینیوں کا، اس کی طرف کسی کی توجہ نہیں اور ہم بار بار کا شور مچا کر دنیا کو یہ نہیں بتاتے کہ اس کی ہمارے لئے کیا ذمہ داریاں ہیں۔

پوپ کے یروشلم سے رخصت ہونے کے چند ہفتے بعد ہی میں پھر وہاں پہنچا۔ Good Friday تھا جو حضرت عیسیٰ کے دوبارہ زندہ ہو جانے کی وجہ سے عیسائیوں کے لئے نہایت مقدس ہے اور یہ نماز جمعہ کی وجہ سے مسلمانوں کے لئے بھی مقدس ہے اور یہ دن یہودیوں کا Passover بھی ہے۔ Holy Sepulcher (یا مرقدِ مقدس جہاں عیسائیوں کے اعتقاد کے مطابق حضرت عیسیٰ دفن کئے گئے تھے۔) کے روبرو جمِ غفیر میں، میں بھی کھڑا تھا لیکن میں وہاں زیارت کرنے نہیں گیا تھا بلکہ بحیثیت ایک صحافی کے موجود تھا۔ میں تو وہاں Godfrey Boullion کی اس قدیم تلوار کو دیکھنا چاہتا تھا کہ جو عیسائی دنیا کے اس مقدس ترین مقام پر رکھی گئی ہے جس کی موجودگی اس تقدس مآب ماحول میں نہ تو قابل شرم اور نہ ہی قابل فخر کہی جا سکتی ہے۔ اس مشکوک یادگار کو Mark Twain بھی دیکھنا چاہتا تھا جیسا کہ اس نے ۱۸۶۷ء میں اپنے مضمون Innocent Abroad میں لکھا ہے:۔ ''میں نے Godfrey کی اس شمشیر کو ایک مسلمان پر آزمایا (غالباً تصور میں) اور اسے آٹے کے پیڑے کی طرح ملائم اور گول مول کر دیا۔ مجھ پر ایک جنون سا طاری ہو گیا اور اگر اس وقت میرے پاس ایک قبرستان ہوتا تو میں اسے ان کافروں سے پُر کر دیتا۔ میں نے اس قدیم تلوار سے خون صاف کر کے اُسے مجاور کو

واپس کر دیا۔ میں مزید خون بہا کر اس تلوار کے ان مقدس دھبوں کو مٹانا نہیں چاہتا تھا جنہوں نے سترہ سو سال پہلے اسے چمکایا تھا۔" Confessional Booth (وہ مقام جہاں پادری کے حضور میں عیسائی اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں اور معافی کی دعا مانگتے ہیں) کے پاس سفید بالوں والا ایک پستہ قد مگر چوڑا چکلا پادری بیٹھا تھا۔ معلوم ہوا کہ یہ Franciscan گروہ کا رُکن تھا جو اپنی کتھئی وردی میں کسی قدر تنہا اور غمگین نظر آتا تھا اور یہ کسی گناہوں کے اعتراف کرنے والوں کے انتظار میں وہاں بیٹھا تھا۔ اس کا نام برادر Matthew تھا اور یہ Pittsburgh کا رہنے والا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ خوش ہوا کہ کم سے کم کوئی بات کرنے والا تو ملا میں نے اس سے پوچھا کہ اس انتہائی جشن کے زمانہ میں کس طرح روحانی خوشی میں حصہ لیا جا سکتا ہے اور کن عبادتوں میں شامل ہونا چاہئے؟ صلیب مقدس کے جلوس کا کیا ہوا؟ اور سب سے زیادہ رنگین و شاندار جلوس کہاں دیکھا جا سکتا ہے؟ اور حضرت عیسیٰ کا دوبارہ اُٹھنا کہاں سب سے زیادہ حسین طور پر منایا جاتا ہے؟ میری نادانی پر وہ کسی قدر مسکرایا اور میرے کندھے پر شفقت سے ہاتھ رکھ کر کہا" ارے بھائی یہ پیرس نہیں ہے، ہمارے یہاں ایسے شاندار گرجا گھر نہیں ہیں۔ یہاں تو سب سے زیادہ اہم وہ بات ہے کہ جو انسان کے دل میں ہو۔" یہ کہہ کر وہ بڑی خوشی سے مجھے قدیم تلوار دکھانے پر راضی ہو گیا۔ وہ اُٹھا اور اس نے الماری میں بھری ہوئی پادریوں کی وردیوں کو ہٹایا تا کہ مجھے وہ تلوار دکھا سکے۔ (James Reston Jr Dec 2000)

ایک سلطان کی پیدائش: بارہویں صدی کے اوائل میں Georgia کے پاس شمالی Armenia کے شہر Tovin میں ایک معزز کرد خاندان آباد تھا جس کا سربراہ نجم الدین تھا جس کے معنی ''بہترین شہزادہ'' یا ''مذہب کا ستارہ'' ہیں۔ نجم الدین کا ایک جگری دوست تھا جس کا نام بہروز تھا۔ یہ شخص نہایت ذہین اور خوشگوار طبیعت کا مالک تھا لیکن ان خصوصیات کے ساتھ اس کے کردار میں اتنا ہی شرارت کو بھی دخل تھا۔ بد قسمتی سے یہ بہروز ایک دفعہ ایک مقامی سردار کی بیوی کے ساتھ عالم وصل میں پکڑا گیا جس کے نتیجہ میں اس سردار نے بہروز کو خصی کرا کر اپنے علاقہ سے باہر نکال دیا۔ اپنے دوست کی اس بے عزتی کے بعد نجم الدین بھی اس کے پاس بغداد چلا گیا۔ یہ خلافت عباسیہ کا دار الخلافہ تھا جہاں اس وقت Muqtafi Le-Amrillah (اللہ کا فرمانبردار بندہ) مشرقی بحروم کے مسلمانوں کا حاکم اعلیٰ تھا۔ عراق کے سلطان نے ان دونوں کی صلاحیتوں کو خوب پہچان لیا چونکہ اس دور میں خواجہ سراؤں کی بحیثیت معلم اور منصرم کے قدر کی جاتی تھی اس لئے اس نے بہروز کو اپنے لڑکوں کا معلم بنایا۔ اس کے ساتھ ہی بہروز سلطان کا شطرنج اور چوسر کھیلنے کا ساتھی بھی بن گیا۔ اس نے طاقت اور اثرات کے حصول میں بڑی تیزی کی اور جلد ہی ملک میں بعض عظیم الشان عمارات کی تعمیر کا ذمہ دار بنا۔ سلطان نے اس کی خدمات کے انعام میں منجملہ اور چیزوں کے کوا سے Takreet کا قلعہ بھی عطا کیا۔ یہ قلعہ دریائے دجلہ کے کنارے واقع تھا۔ بہروز نے اس کا پورا اختیار اور انتظام اپنے دوست نجم الدین کے سپرد کر دیا۔ اس قلعہ میں نجم الدین کا بھائی شیرہ کوہ کہ جو اس سے بھی زیادہ اولوالعزم تھا اس کے پاس آ گیا۔ شمالی علاقوں کے رہنے والے یہ دونوں کرد آئندہ ترقی کا نشان بنے۔ عرب دنیا اس وقت نہایت تشویش ناک مقام کو پہنچ گئی تھی۔ اس سے چالیس سال پہلے ۱۰۹۸ء میں یورپ والوں نے فلسطین میں گھس کر یروشلم فتح کر لیا تھا جسے فرنگیوں (Franks) نے ''صلیبی جہاد'' (Crusade) کا نام دیا تھا۔ انہوں نے ''سلطنت یروشلم'' کے نام سے ایک طاقتور ریاست

قائم کرلی تھی جو شمال میں Antioch سے لے کر بحر احمر کے شہر Elat تک پھیلی ہوئی تھی۔ ان غیر ملکیوں نے اپنی سلطنت کے دفاع کے لئے تمام مقامی پہاڑوں اور ساحلی علاقوں پر جا بجا مضبوط قلعے بنائے ہوئے تھے اور اس طرح دنیائے اسلام شکستہ، تباہ اور مقبوضہ علاقہ بن گئی تھی۔ ۵۳۲ھ (۱۱۳۷ء) کی رات میں نجم الدین کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام یوسف رکھا گیا اور جس کی تقدیر میں بھی یوسف علیہ السلام ہی کی طرح نشیب و فراز تھے۔ حضرت یوسف کی طرح اُسے بھی ساری زندگی لالچ و دروغ گوئی اور رحم دلی و حق پرستی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کی پیدائش کے حالات بھی اسی طرح کی پیش گوئی کرتے تھے۔ جس رات یوسف پیدا ہوا اس کے چچا شیر کوہ کا قلعہ کے دروازہ کے افسر (Isfah Salar) سے جھگڑا ہوا۔ اس افسر نے ایک عورت کی بہت بے عزتی کی تھی جو روتی ہوئی شیر کوہ کے پاس فریاد کرنے گئی تھی شیر کوہ اس افسر کے پاس اس معاملے کی تحقیق کے لئے گیا جس نے نہایت بدتمیزی کا مظاہرہ کیا۔ شیر کوہ نے طیش میں آ کر اس کا خنجر چھین کر اپنی تلوار سے اُسے وہیں قتل کر دیا۔ جب بغداد میں ان کے محسن خواجہ سرا کو یہ اطلاع ملی تو اس نے غصہ میں آ کر دونوں بھائیوں کو بڑی بے عزتی سے قلعہ سے باہر نکال دیا۔ چونکہ یہ حادثہ خاص یوسف کی پیدائش کے وقت پیش آیا تھا اس لئے اُسے سخت بدشگونی قرار دیا گیا لیکن بعد میں یہ کہا جائے گا کہ "توقع کے خلاف کبھی برے واقعات سے بھی بہتری نمودار ہو جاتی ہے جیسے کہ یوسف علیہ السلام کے ساتھ ہوا۔" پھر یہ دونوں بھائی Takreet سے شمالی Mesopotamia کے شہر Mosul ہجرت کر گئے۔ اس وقت فلسطین پر قابض یورپ والوں کے خلاف موصل (Mosul) میں زنگی نامی ایک طاقتور عرب رہنما تھا جو دنیائے اسلام کے دور دراز علاقوں میں پھیلے ہوئے مسلمانوں کو متحد کرنے کی کامیاب کوشش کر رہا تھا۔ یہ وہ علاقہ تھا جہاں روایتی طور پر Mesopotamia شام کے خلاف تھا جہاں Aleppo Antioch سے طرابلس Homs (Tripoli) سے اور یروشلم دمشق سے جھگڑے کر رہے تھے اور جہاں سنی فرقہ شیعہ فرقہ سے نبرد آزما تھا۔ اسلامی دنیا کی اس خانہ جنگی پر قابو پانے کے لئے

زنگی نے ان کرد بھائیوں کی خدمات طلب کیں۔ نجم الدین کو تو اس نے وادیٔ Baka'a میں اپنے Baalbek کے قلعہ کا حاکم بنادیا اور شیرکوہ وزیر کی طاقت ور فوج کا سالار بنادیا گیا۔ نومبر ۱۱۴۴ء میں زنگی کی افواج نے شمالی Mesopotamia میں Edessa فتح کرلیا اور اس طرح صلیبی حکومت کا پہلا نوساختہ صوبہ شکست کھا گیا۔ دراصل فرانس کے Cistercian فرقہ کے راہب Bernard Clairvaux کی چرب زبانی اور جوشیلی تقریروں نے دوسری صلیبی جنگ کی مہم کا آغاز کیا اور سب سے پہلے اس راہب کی پکار پر فرانس کے بادشاہ Louis VII اور اس کی ملکہ Eleanor of Aquitaine نے لبیک کہا۔ ۱۱۴۶ء میں صلیبی افواج کے ارض مقدس پر قدم رکھنے سے پہلے ہی زنگی کا انتقال ہوگیا۔ اس کا جانشین نورالدین ہوا جو اس سے بھی زیادہ طاقتور تھا۔ دو سال بعد ہی صلیبی لشکر دمشق کی فصیل کے باہر چل دیئے گئے۔ اس طرح یہ دوسری صلیبی جنگ مکمل طور پر تباہ ہوگئی جس سے فلسطین کو پھر آزاد کرانے کے لئے مسلمانوں کے حوصلے اور بڑھ گئے۔ یہ لڑکا یوسف Baalbek اور دمشق میں بڑھا پلا۔ حالانکہ وہ قد وقامت میں کسی قدر نحیف تھا لیکن اس کی ذہانت، مردانگی، فیاضی، رحم دلی اور انکساری دمشق کے محلات میں قابل توجہ بن گئی تھی۔ اپنے بعض ہم عمروں کی طرح وہ بھی سن بلوغت میں شراب اور صنف نازک کی صحبت سے رغبت رکھتا تھا لیکن تاریخی حالات کی سنگینی کے پیش نظر اس نے ان عیاشیوں سے توبہ کرلی۔ بعد میں کہا جائے گا کہ یوسف نے (جو مستقبل میں صلاح الدین کے نام سے مشہور ہوا) اپنے سردار نورالدین کے زیر تعلیم راہ راست پر چلنا سیکھا۔ اس نے پاکبازی سیکھی اور کافروں کے مقابلہ میں دل وجان سے جنگ کرنا سیکھا۔ دمشق کے دربار میں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے پر بڑا زور دیا جاتا تھا اور نوجوانوں کے دلوں میں قرآن مجید کے یہ احکامات ہوتے تھے:۔

''جو لوگ ہماری خاطر جہاد کریں گے ہم یقیناً انہیں سیدھا راستہ دکھائیں گے چونکہ بے شک اللہ ان کا ساتھ دیتا ہے کہ جو حق پر ہوں۔'' ۱۱۶۳ء میں نورالدین کو یورپ والوں کے قبضہ کے خلاف اہل عرب کو متحد کرنے کے لئے دوسرا قدم اُٹھانے کا موقع ملا۔ اس وقت مصر میں فاطمی خلافت تھی

یہ لوگ بجائے سنی ہونے کے شیعہ فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اس وقت یہ حکومت زبردست پریشان حالی کا شکار تھی جس نے شام کے حاکم کو انہیں نشانہ بنانے کا ایک اچھا موقع فراہم کیا۔ چنانچہ نورالدین نے صلاح الدین کے چچا شیر کوہ کو ان جنوبی علاقوں پر پے در پے حملے کرنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی صلاح الدین کو بھی اس کے ساتھ جانے کا حکم دیا۔ نوجوان صلاح الدین کی عمر اس وقت چھبیس (۲۶) سال تھی۔ صلاح الدین نے بادل نخواستہ اس حکم کی تعمیل کی۔

صلاح الدین اور اس کا چچا شیر کوہ تو حکم کے مطابق جنوب کی طرف روانہ ہوئے لیکن نور الدین نے بذات خود صلیبیوں کے سب سے زیادہ مضبوط قلعہ Kraak de Chevaliers کا محاصرہ کیا۔ یہ قلعہ مرکزی شام میں واقع تھا اور ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا۔ مسلمان افواج کو پسپا ہونا پڑا۔ دراصل ابھی وہ وقت نہیں آیا تھا کہ صلیبی طاقت پر روبرو حملہ کیا جا سکے۔ ۱۱۶۴ء میں شیر کوہ نے قاہرہ فتح کر لیا۔ اس کے لشکر کے ہراول کی کمان صلاح الدین کے ہاتھ میں تھی۔ لیکن جلد ہی صلیبی افواج قاہرہ کی مدد کو پہنچیں تو شیر کوہ کو قاہرہ چھوڑنا پڑا۔ اس کے تین سال بعد مصر پر دوبارہ حملہ ناکام رہا جس کی وجہ بھی صلیبی حکومت کی کمک تھی۔ چونکہ صلیبی حکومت شام اور مصر کا کسی قیمت پر بھی متحد ہونا گوارا نہیں کر سکتی تھی۔ صلیبی حکومت اس بحران سے اس قدر گھبرا گئی تھی کہ جو عیسائی سردار بھی اس کے بلانے پر تیار نہ ہوتا تو اس کے حصہ میں سے دس فیصد کاٹ دیا جاتا۔ اس کے بعد اسلامی لشکر کے دو اور حملے ناکام ہوئے تا آنکہ ۸ر جنوری ۱۱۶۹ء میں پانچویں کوشش میں شیر کوہ قاہرہ میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہو سکا۔ اس نے بڑی شان سے خود کو شاہ مصر ہونے کا اعلان کیا۔ لیکن دو ماہ کے اندر ہی دفعتاً اس کا انتقال ہو گیا۔ شک کیا جاتا ہے کہ اسے زہر دیا گیا۔ حالات کی ابتری پر غور کرتے ہوئے نور الدین نے صلاح الدین کو اس کا جانشین بنانے کا فیصلہ کیا۔ یہ جوان العمر سپاہی طاقت کے بجائے اپنی نوعمری اور ناتجربہ کاری کی بناء پر منتخب کیا گیا تھا چونکہ نورالدین یہ نہیں چاہتا تھا کہ مصر میں ایک طاقتور حاکم اس کا مدمقابل بنے۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اس خوش اخلاق اور سادہ مزاج کو بآسانی قابو میں رکھ سکے گا۔ اس کا یہ خیال غلط تھا۔ ابتداء میں صلاح الدین مطیع اور فرمانبردار رہا اور نورالدین کے

احکام کے مطابق شیعوں کو اہم جگہوں سے بے دردی سے ہٹا کر ان کی جگہوں پر سینوں کو تعینات کرتا رہا۔ پھر اس نے اپنے آقا نور الدین سے درخواست کی کہ اس کے والد نجم الدین کو بھی مصر آنے کی اجازت دی جائے "تا کہ میری مہم بھی حضرت یوسف کی طرح تکمیل کو پہنچے۔" نور الدین نے اس کی یہ درخواست منظور کر لی۔ ۱۱۷۰ء کے اوائل میں جب نجم الدین مصر پہنچا تو اس کے لڑکے نے بڑے تزک واحتشام سے اس کا استقبال کیا۔ یہاں تک کہ اس نے اپنے باپ کو مصر کی حکومت کی بھی پیش کش کی۔ لیکن نجم الدین نے جواب دیا "میرے بیٹے اگر تم اس عہدہ کے اہل نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس کے لئے منتخب نہیں کرتا۔ یہ مناسب نہیں ہے کہ تقدیر الٰہی کے احسانات میں تبدیلی کی جائے۔" اس کے دو سال بعد باب النصر کے پاس گھوڑے سے گر کر نجم الدین کا انتقال ہو گیا۔ ۱۱۶۹ء سے ۱۱۷۴ء تک جبکہ صلیبی حکومت نے مصر پر دمشق کی گرفت کو توڑنے کی پے در پے ناکام کوششیں کیں نور الدین اور صلاح الدین کے باہمی تعلقات کشیدہ ہوتے گئے۔ اس کشیدگی کی وجہ یہ تھی کہ صلاح الدین دمشق کے احکامات کی تعمیل میں پس وپیش کرتا رہا۔ بالآخر ۱۱۷۴ء میں اس بدتمیزی پر نور الدین کے صبر کا پیمانہ چھلک گیا اور اس نے تنگ آ کر صلاح الدین کے مصر پر حملہ کرنے کے لئے ایک فوج تیار کی۔ لیکن ان تیاریوں کے دوران میں ہی اسی سال ۱۵ ر مئی کو نور الدین کا انتقال ہو گیا۔ اس کی وفات کے بعد اس کا گیارہ سالہ لڑکا اس کا جانشین بنایا گیا جو نہایت مضحکہ خیز بات تھی اس کے ایک سال بعد ہی صلاح الدین مصر سے ایک فوج لے کر نکلا اور ملک شام فتح کر لیا۔ اسے مصر وشام کا سلطان مان لیا گیا اور اس طرح اب صلیبی سلطنت دونوں جانب سے اس کے شکنجہ میں پھنس گئی۔ پہلی صلیبی جنگ کی کامیابی محض اسلامی دنیا کی باہمی تفریق تھی۔ اس وقت مقامی سردار برسرپیکار تھے۔ شیعہ، سنی فسادات برپا تھے اور مصر وشام اور ترکی خلافت کی خانہ جنگیوں میں مبتلا تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ ایسی آہستگی سے کہ جو منشاء ایزدی معلوم ہوتی تھی کہ جس کا سدباب ناممکن نظر آتا تھا یورپ والوں کے جارحانہ قبضہ کے مقابلہ میں عرب متحد ہو گئے۔ عربوں نے Edessa پھر فتح کر لیا جو ایک ابتدائی نازک قدم تھا اور دوسری صلیبی جنگ کی شکست سے مسلمانوں کی خود اعتمادی اتنی بڑھ گئی کہ

انہیں یقین ہو گیا کہ وہ ان عیسائیوں کو سمندر میں پھینک سکیں گے۔ تین طاقتور رہنماؤں نے عربوں کے اس اتحاد کو طاقت بخشی۔ پہلے تو نہایت لائق سردار زنگی تھا جس نے Edessa فتح کیا اور ۱۱۴۶ء میں اپنی موت تک حکومت کی۔ اس کے بعد نور الدین تھا جو نہایت طاقتور سردار تھا جس نے تمام ملک شام Mesipotamia کو سنی حکومت کے تحت متحد کیا اور مصر کو مغلوب کیا اور اب یہ صلاح الدین تھا جب اس نے ۳۸ رسال کی عمر میں مصر و شام کے ملکوں پر حکومت قائم کی تو صدیوں سال پرانی دشمنی اور تفریق یکدم غائب ہو گئی۔ مصر کی فاطمی خلافت کا خاتمہ ہوا اور اس کے نتیجہ میں شمالی علاقوں کے سنی دریائے نیل کی وادی میں شیعوں کے پہلو بہ پہلو آباد ہوئے۔ ۱۱۷۵ء میں مسلمانوں کے سب سے بڑے (نام نہاد) حاکم خلیفۂ بغداد نے صلاح الدین کو شام کا بادشاہ اور شام و مصر کا شہنشاہ تسلیم کیا۔ اس وقت صلاح الدین نے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھے مصر عطا کیا تو مجھے یقین ہو گیا کہ وہ مجھے فلسطین بھی عطا کرے گا۔ بالآخر عیسائیوں کے خلاف ایک متحدہ محاذ کا خواب سچ بن گیا۔ لاطینی سلطنت نے ۹۰ سال تک بڑے چالاک معاہدوں، پے در پے حملوں اور جا بجا مضبوط قلعے بنا کر دشمن کے توازن کو برقرار نہیں ہونے دیا تھا۔ لیکن اب اس لاطینی سلطنت کی بقاء کا دارومدار صرف اس کی اندرونی تنظیم اور فوجی صلاحیت پر ہی تھا۔ بہرحال اس آخری مہم سے پہلے سلطان کو اپنی سلطنت میں ایک اور مسئلے سے نپٹنا باقی تھا اس کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ باقی ماندہ خودمختار علاقوں کو بھی پوری طرح قابو میں کرنے ۱۱۸۳ء میں ایک شاہی بچہ کے انتقال کے بعد اس نے Aleppo فتح کیا۔ یہ اسلامی ماہ صفر (جون) تھا۔ فوجی اہمیت کے علاوہ نفسیاتی طور پر بھی یہ شہر ایک اہم نشانی کا علم بردار تھا۔ شہر Gray Castle, Aleppo کے نام سے مشہور تھا اور اس کے متعلق وہاں کے عوام میں ایک کہاوت مشہور تھی کہ جو آئندہ فتوحات کی پیشن گوئی کرتی تھی۔ کہا جاتا تھا کہ اگر Gray Castle صفر میں قبضہ میں آ جائے تو فلسطین بھی رجب میں فتح ہو جائے گا۔ ۱۱۸۶ء میں سلطان نے Mosul بھی فتح کر لیا۔ بس اب ماہ رجب آنے ہی والا تھا۔

یروشلم کی لاطینی سلطنت ۸۹ سال پہلے پہلی صلیبی جنگ کے نتیجہ میں قائم ہو چکی تھی۔

۱۰۹۸ء میں God Frey of Bouillon نے اس مقدس شہر کے حصار کو مسمار کر کے اس کے ہزاروں مسلمان مدافعین کی قتل و غارت کی اور یروشلم کی پتھریلی گلیاں خون سے بھر گئیں جن سے صلیبی فاتحین نے بمشکل گزر کر مرقد مقدس (Holy Sepulcher) کے روبرو دو زانو ہو کر خدا کا شکر ادا کیا۔ اس کے تیس سال بعد ہی چھوٹی ریاست اپنی طاقت کی معراج کو پہنچ گئی۔ عیسائی شہسواروں نے اس کی سرحدوں کو اس طرح بڑھایا گویا کہ اسلامی دنیا کے سامنے پروں سے بھرے ہوئے تکئے تھے۔ یہ سلطنت دشمنوں کی باہمی تفریق کی بناء پر مستفید ہوتی رہی۔ عرب میں ہزار ہا قبائل تھے اور ہر چھوٹا بڑا قبیلہ اپنا ایک سردار رکھتا تھا۔ یہ چھوٹے بڑے غیر اہم امیر اور وزیر یا تو بغداد فلسطین یا قاہرہ کے خلیفہ کے ماننے والے تھے اور اس طرح سنّی اور شیعہ مسلسل خانہ جنگی میں مبتلا تھے۔ ۱۱۳۱ء تک صلیبی سلطنت فلسطین اور شام کے ساحلی علاقوں کے بڑے حصہ پر قابض ہو گئی۔ یورپ کے حملہ آور جو عموماً ''فرنگی'' (Frank) کہلاتے تھے، ساحل کے تمام اہم مقامات Tyre, Beirut, Tripoli, Latakia, Haifa, Caesaria, Acre اور Ascalon پر قابض ہو چکے تھے اور اس کے علاوہ وہ اندرون ملک میں Tiberias, Antich اور Edessa کو بھی لے چکے تھے اور سب سے زیادہ اہم شہر یروشلم پر بھی ان کا قبضہ تھا۔ صرف دیہاتی علاقے مقامی آبادی کے لئے چھوڑ دیئے گئے تھے جن کی تعداد ان سے پانچ گنا زیادہ تھی۔ ان لوگوں کو اپنی مقامی وادیوں میں پُر امن طریقہ سے کاشت کرنے کی اجازت تھی جس کی پیداوار کا آدھا حصہ وہ بخوشی ان غیر ملکی حاکموں کو ادا کیا کرتے تھے۔ اس طرح یہ لوگ اپنے علاقوں میں خود مختار تھے۔ اس لاطینی سلطنت کی کل آبادی تقریباً دو لاکھ پچاس ہزار تھی۔ اس کے خاص شہر یروشلم اور Acre تھے جن کی آبادی کوئی پچاس ہزار تھی۔ یروشلم کے قتل عام کے بعد وہاں کی کم ہی گلیاں آباد تھیں اور فتح کے بعد بہت سے جنگجو وطن واپس ہو گئے تھے اس لئے صلیبی حکمران آس پاس کے علاقوں سے بھرتی کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اس سلطنت کے شمال میں دو نام نہاد آزاد ریاستیں تھیں ایک Antich اور دوسری Edessa

اور Tripoli کے علاقے۔ ان دونوں ریاستوں کے حاکم یروشلم کے بادشاہ کے باج گزار تھے جو ان کے جنوب میں تھا۔ صلیبی سلطنت کی تمام اہم شخصیتیں (صرف چند کے علاوہ) یورپ کی معمولی ہستیاں تھیں۔ یہ سب عموماً غیر اہم خاندانوں کے لڑکے تھے ان کے لئے یورپ میں کوئی خاص مستقبل نہیں تھا اور جو دولت اور حادثہ پسندی کی تلاش میں مشرق کا رخ کرتے تھے۔ مسلمانوں کی بظاہر نا قابل شمار آبادی کے مقابلہ میں صلیبی حکمرانوں نے نہایت زبردست اور مضبوط قلعوں کا جال بچھایا ہوا تھا۔ یہ قلعے پہاڑیوں کی چوٹیوں پر ایک دوسرے کی حد نظر میں باقاعدہ فاصلوں پر تعمیر کئے گئے تھے۔ جن کی بدولت فاصلوں کی دوری کے باوجود دھویں کی علامات کو دیکھا جا سکتا تھا۔ مثال کے طور پر اُردن میں Kerak کا زبردست قلعہ ۷۰ میل کے فاصلے سے رات کو یروشلم سے رابطہ قائم کر سکتا تھا۔ اس عیسائی حکومت کی ریڑھ کی ہڈی جنگجو راہب Templars اور Hospitalers تھے۔ یہ مذہبی جوشیلے یورپ کے سرداروں میں سے تھے جنہوں نے یورپ میں قلعے، جواہرات اور بیگمات کو خیر باد کہہ کے ارض مقدس کے دفاع کا سنگین حلف اُٹھایا تھا۔ ایک عیسائی راہب کے ہتھیار بند ہونے سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مذہبی جنگ نے چرچ کی بنیادی تخیل کو کس قدر تبدیل کر دیا تھا۔ اس صلح پسند کٹر عیسائی نظریہ کو چوتھی صدی میں St Martin نے یوں پیش کیا تھا: ''میں حضرت عیسیٰ کا سپاہی ہوں اس لئے مجھے کسی سے جنگ نہیں کرنی چاہئے۔'' اس کی رو سے دوران جنگ میں بھی خون بہانا گناہ تھا اور ایک مذہبی انسان کسی حالت میں بھی کسی مادی جھگڑے میں حصہ نہیں لے سکتا۔ چرچ نے نہ صرف جنگ کی ممانعت کی تھی بلکہ ہتھیار رکھنے تک کو منع کیا تھا۔ لیکن اس کے کچھ دنوں بعد ہی St. Augustine نے St. Martin کے اس نظریہ کی مخالفت کی۔ ان کی رائے میں بعض حالات میں جنگ کرنا نہ صرف جائز بلکہ ضروری تھا۔ البتہ یہ جنگ مدافعتی ہو جس میں عیسائی سپاہی حضرت عیسیٰ اور عیسائی ملک کی مدافعت کے لئے ہتھیار اُٹھائیں۔ بس یہ نظریہ ارض مقدس کی جنگ پر پوری طرح راس آیا۔ St. Augustine نے مزید لکھا کہ اس کے علاوہ بھی جنگ

جائز ہے بشرطیکہ وہ منشاءِ ایزدی سے ہو اور لڑنے والے اللہ کے سپاہی ہوں۔ چنانچہ ان نظریات نے عیسائی مذہبی جنگوں کو جائز قرار دیا۔ Charlemagne نے نویں صدی میں اسلامی اسپین کو فتح کر کے اسی نظریہ کو عملی جامہ پہنچایا اور اس طرح اس نے روم کی مقدس سلطنت قائم کی۔ نئے جنگجو طبقہ نے اس سلسلہ میں انجیل اور درویشوں (Saints) کے اقوال کی مزید کھوج لگائی اور بالآخر انہوں نے 2 Timothy 2:3-4 میں اس کی تائید پائی "اس لئے تو عیسیٰ مسیح کے ایک لائق سپاہی کی طرح مشکلات برداشت کرے گا۔ ہر وہ شخص جو جنگ کرتا ہے وہ دنیاوی جھگڑوں میں نہیں الجھتا تاکہ وہ اس ذات کی خوشنودی حاصل کرے جس نے اسے اپنا سپاہی منتخب کیا ہے۔" لہٰذا اب St. Martin کی جگہ St. Micharl نے لے لی چونکہ Book of Revelation کے مطابق St. Michael نے ہی شیطانی Dragon کو قتل کیا تھا اور انگلستان کے مربی St. George نے بھی اسی طرح شیطانی Dragon کو مارا تھا۔ سینٹ جارج بادشاہ کا خاص الخاص سپاہی تھا۔ لہٰذا اب سینٹ مائیکل کی عبادت کا نغمہ جنگی ترانہ بن گیا جسے ہر اہم جنگ سے پہلے بڑی عقیدت سے گایا جانے لگا۔ حالانکہ گیارہویں صدی میں تو پادریوں تک پر بھی ہتھیار لگانے کی ممانعت کم ہوتی جا رہی تھی۔ اب تو چرچ کو صلح پسندوں کی بجائے بہادروں اور شہسواروں کی ضرورت تھی۔ گو کہ اس جدید جنگی ذہنیت کا پروپیگنڈا کرنے والے کھلے الفاظ میں یہ نہیں کہتے تھے لیکن درحقیقت انہوں نے Iceland کی قدیم جنگی داستانوں کو عیسائی جنگوں کے لئے اپنا لیا تھا۔ اب Walhalla فردوس اور Woden عیسیٰ مسیح بن چکے تھے اور عیسائی سپاہی Neibelungen وغیرہ کے ہیرو بن گئے تھے۔ اب عیسائیت مظلومیت سے بدل کر جنگجو ہو گئی تھی۔ جس کو کبھی کبھی سمجھنے میں ایک عام سپاہی کو الجھن ہوتی تھی۔ پہلی صلیبی جنگ کے ایک سپاہی نے اپنی سرگزشت میں یوں لکھا ہے "اس تضاد سے اکثر اس کا دل جلتا تھا چونکہ جنگ میں لڑنا آقا کے فرمان کے خلاف تھا جس کے مطابق اگر کوئی ایک گال پر طمانچہ مارے تو اسے دوسرا گال بھی پیش کرنا چاہئے۔ ان متضاد خیالات نے اس کی ہمت

پست کردی مگر جب پوپ نے ان تمام عیسائیوں کے گناہ معاف کر دیئے کہ جو مسلمانوں سے لڑ رہے تھے تو آخر کار اس کی خوابیدہ طاقت پھر جاگ اُٹھی۔''

۱۰۹۹ء کی پہلی صلیبی جنگ میں سرزمین مقدس کے فتح ہونے سے پہلے یروشلم میں غریبوں اور بیماروں کی امداد کے لئے شفاخانہ کی تنظیم قائم کی گئی جسے Order of Hospital کا نام دیا گیا۔ ۱۱۱۳ء میں پوپ کے ایک فرمان کے مطابق اس تنظیم کو براہ راست پوپ کے ماتحت کیا گیا جس کی وجہ سے یہ مقامی حکام کی قید و بند سے آزاد قرار دی گئی۔ ۱۱۳۶ء میں پوپ نے اس تنظیم کے افراد و اراکین کو باضابطہ طور پر مذہبی جنگوں میں شریک ہونے کی اجازت دی۔ اس طرح یہ Hospitalers ۱۱۴۷ء میں Eleanor کی دوسری صلیبی جنگ میں حصہ لے سکے۔ ۱۱۱۹ء میں Hospitalers کے ساتھ ہی متوازی طور پر ایک اور تنظیم کی بنیاد ڈالی گئی جس کا نام Order of The Temple رکھا گیا۔ یہ لوگ ۱۱۲۸ء میں پوپ کے فرمان کے مطابق مشرق وسطی کے خطرناک علاقوں سے گزرنے پر عیسائی زائرین کی حفاظت اور نگہداشت پر مامور کئے گئے۔ اس تنظیم کی بنیاد St Bernard of Clairvaux کے مذہبی تخیل پر تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے لئے مارنا قتل نہیں ہے بلکہ ایک کافر کے قتل سے عزت و شان حاصل ہوتی ہے چونکہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان اور بڑھاتی ہے۔ اس طرح عیسائی دنیا کے اس نئے معیار شجاعت میں ایک اور شہسوار کی تخلیق کی گئی۔ عام راہبوں کی طرح ان جنگی راہبوں نے بھی مفلسی، اطاعت شعاری اور زندگی بھر مجرد رہنے کا حلف اٹھایا۔ جب انہوں نے کافروں کے مقابلہ میں ہتھیار باندھے تو یہ عہد کیا کہ وہ سب سے پہلے حملہ کریں گے اور سب سے آخر میں پسپا ہوں گے۔ ۱۱۲۸ء میں ان Templars کو سفید وردیاں دی گئیں جو ان کی معصومیت کی علامت مانی گئیں۔ اُنیس سال بعد دوسری صلیبی جنگ میں ان سفید وردیوں پر صلیبی نشان پیوست کیا گیا۔ میدان جنگ میں ان کا نشان پرچم سیاہ و سفید تھا۔ اس جھنڈے کو Beauceant کا نام دیا گیا۔ اس کا سفید و سیاہ رنگ دوست کے لئے رحم دلی اور دشمن کے

لئے دہشت کا اظہار مقصود تھا۔ درحقیقت ان دونوں فرقوں Hospitalers اور Templars نے مقدس اور برحق جنگ کے معیار کو برقرار رکھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یہ جانباز سپاہی اپنے Grand Masters کے ذریعہ براہ راست پوپ سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ دونوں فرقے عام سپاہیوں کی طرح دہشت گردی اور قتل وغارت سے پاک تھے اور مادی لالچ اور غیر ضروری قتل عام سے بچے ہوئے تھے۔ اس وقت یہ اپنی طاقت وشہرت کی چوٹی کو پہنچ چکے تھے۔ اب پہاڑوں کی چوٹیوں اور دشوار وادیوں میں تعمیر کردہ سنگین قلعوں کے برجوں اور فصیلوں سے یہ جنگجو راہب دور دراز ریگستانوں اور پہاڑیوں میں پھیلی ہوئی مسلمانوں کی زمینوں اور آبادیوں پر نگاہیں جمائے ہوئے تھے۔ ان کی مدد کے لئے مقامی مخلوط النسل سپاہیوں کے دستے تھے جو ترک وپول (Turco. Poles) کہلاتے تھے۔ یہ لوگ عرب گھڑسوار تیر اندازوں کے مقابلے میں سالہا سال سے بہت بااثر ثابت ہوئے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ان ہمہ تن مسلح اور آہن پوش شہسواروں نے میدان جنگ میں عیسائی لشکروں کو ناقابل تسخیر بنا دیا تھا۔ پھر بھی روبرو میدانی جنگیں شاذ ونادر ہی ہوا کرتی تھیں چونکہ یہ صلیبی جانباز ان سے عموماً بچاؤ ہی کرتے تھے۔ ان کو تو اپنے شاندار سنگین قلعوں پر ہی زیادہ بھروسہ تھا۔ متعدد نسلوں کے بعد یورپ کے رسم و رواج نے مشرقی عیش وعشرت کو جگہ دی۔ مختصر طوفانی سردیاں اور طویل شدید گرمیاں اور غذا ان کے طرز زندگی پر اثر انداز ہوئے۔ ان فرنگیوں نے اونی لباس ترک کرکے قمیص دستار اپنائے اور بوٹوں کی جگہ ملائم سلیپر پہننا شروع کئے۔ لکڑی کی قلت کی وجہ سے یورپ کا فرنیچر چھوڑ کر فرش پر قالینوں اور گاؤ تکیوں کا استعمال شروع کیا۔ اپنے محلوں کو ریشم اور ململ سے سجایا اور خواتین کو عطر کی خوشبو سے مہکایا بلکہ انہیں نقاب پوش کرکے اپنے ہمراہ بازاروں میں گھومنے پھرنے لگے۔ انہوں نے اپنے کمروں کو اگر اور لبان سے معطر کیا اور ٹب میں نہا کر عیش غسل سیکھا۔ باغیچوں میں رنگ برنگ کے پھول لگائے اور خوب عربی بولنا سیکھی۔ چاولوں میں زعفران اور چائے میں لیمن ملانا سیکھا۔ کھانے کے بعد تربوز، خربوزہ اور خربے کھانا شروع کئے اور عربی موسیقی اور رقاصہ سے خوب

دل بہلائے۔ غرض اس عیاشانہ ماحول میں ان کی زندگی اچھی گزر رہی تھی۔ جیسا کہ Acre کے ایک رہنے والے نے کہا "اللہ میاں نے اس صحرا کو بھی خوب موٹا کیا۔ جہاں کبھی صرف سانپ اور Dragon بستے تھے وہاں آج ہرے بھرے بید اور نرکل بہار دکھا رہے ہیں۔" تھوڑے ہی دنوں میں ان مغربی حضرات نے شام، آرمینیہ اور بائی زن ٹائن کی عورتوں سے شادیاں کیں۔ اس طرح ان میں ایک اور مخلوط نژاد طبقہ پیدا ہوا جسے عام زبان میں "پولان" (Poulains) کہا گیا جس کا ترجمہ "بچے" کیا جاسکتا ہے۔ دوسری اور تیسری نسل کے یورپین بھی خود کو فلسطینی یا گلیلی سمجھنے لگے نہ کہ رومن یا فرانسیسی۔ وہ خود کو Tyre یا Antioch کا باشندہ کہنے لگے نہ کہ Rheims یا Toulouse کا۔ ان تمام باتوں کے باوجود گو کہ انہوں نے مقامی لوگوں کے لباس اپنا لئے تھے اور بڑے آرام سے شوروغل سے بھرپور گلیوں کی تفریح کرنے لگے تھے بلکہ کسی حد تک رواداری کا مظاہرہ بھی کرنے لگے تھے لیکن درحقیقت ان یورپ والوں کا اجنبی اور پردیسی ہونے کا احساس نہیں مٹ سکا۔ وہ اس ماحول کے عادی تو ہو گئے مگر اسے دل سے قبول نہیں کیا۔ وہ یہاں آباد نہیں ہوئے تھے بلکہ اس ملک پر جبراً قابض تھے۔ اس لئے اُنہیں اپنی اس غیر محفوظ اور عارضی موجودگی کا پورا احساس تھا۔ گویا کہ وہ غیر شعوری طور پر کوشاں تھے کہ اس عیش و عشرت کی دنیا میں اپنی قوم کی آخری نسل نہ بنیں۔ بارہویں صدی کے آخر میں یورپ کے بعض سیاح اپنے ان دور افتادہ چچازاد بھائیوں کی پست اخلاقی، عیاشانہ اور گھناؤنے طرز زندگی کو دیکھ کر بہت صدمہ کرتے تھے۔ اس زمانہ کے Acre کے ایک Bishop نے اس حال زار کو بیان کیا ہے" Poulains میں شاید ہزاروں میں ایک ہی ازدواجی زندگی سنجیدگی سے گزارتا ہو۔ یہ لوگ زنا کاری کو گناہ کبیرہ نہیں سمجھتے اور کلام الٰہی سننے کے تو یہ عادی ہی نہیں اس لئے اسے کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ تقریباً رات دن لوگ خفیہ اور علانیہ قتل کئے جاتے ہیں۔ اگر بیویاں پسند نہ ہوں تو رات کو شوہر ان کا گلا گھونٹ دیتے ہیں اور بیویاں پرانے طریقہ کے مطابق شوہروں کو زہر دے دیتی ہیں تاکہ کسی اور سے شادی کریں۔ شہر میں کھلے عام خوانچہ فروش زہر بیچتے پھرتے ہیں۔ لہٰذا

کسی کو کسی پر اعتبار نہیں۔ پورا شہر چکلوں سے بھرا ہوا ہے چونکہ رنڈیاں زیادہ کرایہ ادا کرتی ہیں اس لئے پادری بلکہ راہب بھی اپنے مکانوں کو رنڈی خانوں کے لئے کرایہ پر اٹھا دیتے ہیں۔'' اس طرح پہلی صلیبی جنگ کی اس اولاد نے یورپ کی تنظیم اور اقدار ضائع کردیں اور وہ ایک غیر دوستانہ ملک میں دائمی اجنبی بن کر رہ گئے۔ اس نوے سال کی مدت میں جس میں ۱۱۴۷ء کی دوسری صلیبی جنگ بھی شامل ہے، وہ متواتر عربوں سے برسرپیکار رہے۔ شام کے باشندوں کے لئے تو ان میں خاصی نفرت پیدا ہوگئی۔ ایک بشپ یوں لکھتا ہے ''یہ لوگ بدترین طور پر ناقابل بھروسہ، دوغلے، یونانیوں سے زیادہ لومڑی کی طرح چالاک، جھوٹے، رنگ بدلنے والے، کامیابی کے لالچی اور دغاباز جنہیں تھوڑی سی رشوت سے خریدا جاسکتا ہیں۔ یہ کہتے کچھ اور ہیں اور ان کا مطلب کچھ اور ہوتا ہے۔ چوری ڈکیتی کو یہ کچھ برا نہیں سمجھتے۔ بہت تھوڑی سی رقم کے لئے یہ جاسوسی کرکے عیسائیوں کے راز عربوں کو بتا دیتے ہیں جن کے یہاں یہ پلے بڑھے ہیں، جن کی بولی یہ بولتے ہیں اور جن کی خباثت کی یہ نقل کرتے ہیں۔'' یہودیوں کے لئے ایک اور ہی قصیدہ مخصوص کیا گیا۔ اس سلسلے میں ایک تقدس مآب بشپ یوں لکھتا ہے'' اللہ میاں ان کو ایک خاص مدت کیلئے جنگل کی لکڑی کی طرح محفوظ رکھتا ہے تاکہ یہ جاڑوں میں جلانے کے کام آئے۔ یہ انگور کی اس بیل کی طرح ہیں جس سے صرف کھٹے انگور ہی نکلتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ہمیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت یاد دلاتے ہیں۔''

۱۱۸۷ء تک عربوں کے تہذیب یافتہ طبقہ میں بھی یورپ کے حملہ آوروں کے خلاف برابر کی نفرت پھیل گئی تھی۔ ان سفید فام پردیسیوں نے مشرق وسطیٰ کی تہذیب و معاشرت کو کوئی ترقی نہیں دی تھی۔ اس دور میں نہ تو اعلیٰ تعلیم کے ادارے قائم کئے گئے تھے اور نہ ہی موسیقی یا دیگر فنون لطیفہ کو کوئی ترقی حاصل ہوئی تھی۔ انہوں نے تو صرف غم واندوہ اور خونریزی ہی میں اضافہ کیا تھا۔ شمالی شام کے ایک اہم شہزادہ نے ان کے بارے میں یوں لکھا ہے: ''فرنگیوں میں (خدا انہیں غارت کرے) باہمت ہونے کے علاوہ کوئی اور قابل تعریف بات نہیں۔ یہ لوگ اپنے سواروں کے

ا وہ کسی کی وقعت نہیں کرتے ۔ انہیں صرف اپنے سواروں پر ہی اعتماد ہے جن کا یہ ہر حکم مانتے ہیں۔'' تاہم اس سردار نے پہلی صلیبی جنگ کے مجاہدین اور elkerak کے خبیث اور بدقماش حاکم Reginald of Chatillon جیسے سرداروں میں امتیاز کیا ہے۔ وہ کہتا ہے ''وہ فرنگی جو پہلے آئے اور یہاں آباد ہو کر ہم سے گھل مل گئے وہ ان بعد میں آنے والوں سے بہتر ہیں۔ یہ نووارد نسبتاً کہیں زیادہ غیر انسانی اور بہیمانہ حرکات کے عادی ہیں۔'' ان ہی نوواردوں میں سے یروشلم کا بادشاہ Guy de Lusignan بھی تھا۔ یہ شخص Aquitaine کے ایک اعلیٰ خاندان کا فرد تھا جس کے بارے میں یہ مضحکہ خیز کہانی مشہور تھی کہ وہ Melusine نامی ایک سانپن کی اولاد تھا۔ صرف چند سال پہلے ہی یہ شخص عجیب حالات میں فرانس سے مشرق وسطیٰ پہنچا تھا۔ اسے اس کے آبائی وطن Poitou سے دربدر کر دیا گیا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے Earl of Salisbury کو قتل کیا جبکہ وہ دیندار شخص Santigo de compostela کی زیارت کر کے واپس آ رہا تھا۔ تیسری صلیبی جنگ کی یہ بھی ستم ظریفی تھی کہ جس شخص نے اس کے دربدر ہونے کے حکم پر دستخط کئے وہ خود Richard of Poitou تھا جو بعد میں انگلستان کا رچرڈ اول بنا اور شیر دل کے نام سے مشہور ہوا۔ اپنی ذلت و رسوائی کو عزت و شہرت میں تبدیل کرنے کے لئے Guy نے بڑے شوق سے صلیب تھامی اور ارض مقدس کا رُخ کیا اس نے بھی Chatillon کی طرح چال بازی، شیخی خوری اور ایک اونچے خاندان کی عورت سے شادی کر کے فلسطین میں اپنا مقام حاصل کیا۔ لیکن ایک جنگجو سپاہی ہونے کے بجائے وہ عشق و عاشقی کے میدان میں زیادہ کامیاب تھا۔ Guy نہایت خوبرو اور بیباک تھا۔ اس نے جلد ہی یروشلم کے بادشاہ کی بیوہ بہن سبیلا (Sibylla) کا دل موہ لیا۔ اور وہ اپنے خاندان والوں کی مخالفت اور چرچ کی پند و نصیحت کے باوجود اس سے شادی کرنے پر مصر ہوئی۔ چنانچہ جلد ہی بغیر دھوم دھام کے Easter کے زمانہ میں جبکہ بالعموم شادی بیاہ کی ممانعت تھی اس کی شادی ایک ایسے شخص سے کر دی گئی کہ جو معاشرتی اعتبار سے ہر لحاظ سے اس سے کمتر تھا۔ اور اس

طرح یہ اپنے ملک سے نکالا ہوا چالباز یروشلم کے تخت کا وارث بن گیا۔ اس شادی کی بناء پر اسے جاگیر بھی ملی اور اب Guy de Lusignan کہ جو ساتھن کی اولاد کہا جاتا تھا، جسے اس کے وطن Poitou سے نکال دیا گیا تھا، جو قانون سے مفرور تھا اور جو دھوکہ بازی سے روزی کماتا تھا، دفعتہً Jaffa اور Ascalon کا حاکم بن گیا۔ لاطینی سلطنت کے ایک بڑے مورخ Wm of Tyre نے اس بارے میں کچھ پدرلنہ طور پر یوں لکھا ہے کہ شاہی خاندان میں شامل ہونے کے لئے اس کا ایک معزز خاندان کا فرد ہونا ہی کافی تھا۔ لیکن اس شادی سے Sibylla کے علاوہ کوئی اور خوش نہیں ہوا۔ شادی ہوتے ہی اس کی قسمت ہی بدل گئی یروشلم کا بادشاہ Baldwin IV ایک سمجھدار اور لائق حاکم تھا لیکن بدقسمتی سے وہ کوڑھ (Leprosy) کے مرض کا شکار ہو گیا جس نے اس کی ہیئت مسخ کردی، وہ اندھا ہو گیا اور لامحالہ اولاد پیدا کرنے کے بھی قابل نہ رہا۔ جب Guy رونما ہوا تو اس زمانے میں بادشاہ کی حالت سال بہ سال خراب ہوتی جا رہی تھی۔ اس کا ولی عہد ایک شیر خوار اور بیمار بچہ تھا جو اس کا بھتیجا تھا۔ لہٰذا بادشاہ کے دور علالت اور اس کے وارث کے سن بلوغت کو پہنچنے تک Guy کو حکمرانی کے لئے قائم مقام بنا دیا گیا اور ۱۱۸۴ء میں اسے جملہ امور حکومت کا اختیار دے دیا گیا۔ اس تقرری سے قانونی طور پر اس کی حیثیت مستحکم ہو گئی اور اس کا اقتدار اور بڑھ گیا۔ لیکن اس غیر ہر دلعزیز اور بن بلائے مہمان کی آمد سے مقامی سرداروں میں اس کے خلاف سخت نفرت ہو گئی جس سے تمام فوج کے مفلوج ہو جانے کا خطرہ ہو گیا۔ جب مسلمانوں کے خلاف Tubania کی جنگ میں Guy نے بزدلی دکھائی تو اسے اس اہم عہدے سے برطرف کر دیا گیا۔ تاہم اس سے اس کی جانشینی کے نمبر پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ آخر کار کوڑھی بادشاہ ۱۱۸۵ء میں فوت ہو گیا اور اس کے ایک سال بعد ہی اس کا جانشین بھتیجا بھی مر گیا۔ اب جانشینی کی جھڑپیں شروع ہوئیں۔ اس جدوجہد میں اس کا رقیب اعلیٰ خاندان کا ایک فرد Count of Raymond تھا جو عام قیادت اور عشق بازی میں بھی اس سے رقابت رکھتا تھا حالانکہ Guy کو عام سردار پسند نہیں کرتے تھے اور یوں بھی

Raymond کا تخت نشینی پر زیادہ حق تھا لیکن پھر بھی Guy نہایت چالاکی اور سازشوں سے اپنی منزل مقصود کو پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ ایک دفعہ پھر جلدی سے تمام رسوم ادا کی گئیں اور تخت کا دعویدار شاہی لباس زیب تن کر کے جلد سے جلد مرقد مقدس Holy Sepulcher پہنچا تاکہ وہاں یروشلم کا پادری اعلیٰ اس کی تاج پوشی کرے۔ عیسائیت کے اس سب سے بڑے مقدس چرچ میں اس تقدس مآب مذہبی رہنما نے پہلے تو Sibylla کو ملکہ کا تاج پہنایا اس کے بعد اس نے یوں کہا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس کا جواب سننے کی تاب نہیں رکھتا۔ اس نے کہا:

"اے معزز و محترم خاتون آپ سب سے زیادہ اعلیٰ قدر ہیں۔ یہ بہت اچھی بات ہے کہ آپ کے ہمراہ کچھ ایسے لوگ ہیں، چاہے وہ کیسے بھی ہوں کہ جو حکمرانی میں آپ کی مدد کریں گے۔ یہ تاج لیجئے اور اس شخص کو پہنا دیجئے جو آپ کی نظر میں امور حکومت میں آپ کا سب سے بڑا مددگار ہو۔" اس طرح اس عقلمند پادری نے اس معزز اور محترم خاتون کے احمقانہ اور غیر ذمہ دارانہ انتخاب سے خود کو بری الذمہ کیا۔ لامحالہ Sibylla نے یہ تاج اپنے معشوق Guy ہی کے سر پر رکھا۔ اس کے بعد یہ نیا شاہی جوڑا مقدس دیوار کو پہنچا جہاں کچھ منتخب نمائندین کی ضیافت کا انتظام کیا گیا تھا۔ اس طرح اس غیر شریفانہ عجلت سے ستمبر ۱۱۸۶ء میں Guy یروشلم کا بادشاہ بنا۔ اس وقت ایک اہم سردار نے پیشن گوئی کی کہ وہ ایک سال بھی نہیں چلے گا۔ لیکن اس کے ہم وطن بہت خوش ہوئے۔ Poitou والوں کو Poulains کے مقابلہ میں فتح ہوئی۔ انہوں نے اپنے مخالفین کا اس طرح مذاق اڑایا۔ Maugre Li polains-Aurons nous roi Poitauin یعنی "پولاں کے باوجود ہمارا بادشاہ Poitou کا ہوگا۔"

اس طنزیہ نعرے سے ایسی نفرت پھیلی جو بڑے زمانہ تک یاد رہی۔ اور سلطنت یروشلم کے اس بادشاہ نے کبھی اپنے تابعداروں کی نظر میں عزت حاصل نہیں کی۔

سنگریزہ اور چنگاری: انجیل کے دور میں Kerak کا قلعہ Moabite

کی قدیم سلطنت کا دارالحکومت ہوا کرتا تھا۔ یہ قلعہ Rabboth نامی شہر سے زیادہ دور نہیں تھا جو اپنے تین چشموں کے علاوہ کہ جو قلعہ کو پانی فراہم کرتے تھے، سب سے زیادہ اس روایت کے لئے مشہور تھا کہ جہاں (نعوذ باالله من ذالک) حضرت داؤد علیہ السلام نے دھوکہ دے کر اُریا (Uriah) کی حسین بیوی کو پکڑ کر اس سے ہم بستری کی اور اسے حاملہ کیا اور پھر Uriah بدنصیب کو شہر کے دروازہ پر قتل کیا۔ جس کسی کا Kerak کے قلعہ پر قبضہ تھا وہ اس تنگ راستہ سے گزرنے والے تمام قافلوں، فوجوں اور زائرین پر حاوی تھا۔ یہ قلعہ بجائے خود ایک محفوظ شہر تھا جس کی چھ منزلیں تھیں جس میں ایک بالائی اور ایک زیریں صحن تھے۔ اس میں پانی کے ۱۳ حوض تھے۔ قلعہ میں بارہ سو سپاہیوں کی چھاؤنی تھی جو بہت سے دالانوں میں تعینات تھے۔ وہاں اصطبل، گودام، فوجیوں کے کمرے، سرنگیں، شراب تیار کرنے کی مشین، باورچی خانہ جس میں دو برتن دھونے کے ٹب تھے۔ یہاں تک کہ ایک بازار بھی تھا۔ قلعہ کی زبردست فصیلوں میں ایسے گودام تھے جن میں وہاں کے رہنے والوں کی ضروریات اور خوراک کا ایک سال کا انتظام تھا۔ اس کے جنوب میں ایک زبردست دفاعی فصیل تھی جس پر باقاعدہ فاصلہ سے پہرے داروں کی برجیاں تھیں۔ بارھویں صدی کی فوجی تعمیرات میں Kerak کا قلعہ بہترین نمونہ تھا۔ یہ ایک زبردست غار کے اوپر تعمیر کیا گیا تھا۔ یہ جگہ Kerak کی وادی کہلاتی تھی۔ جہاں سے یہ ڈھلتی ہوئی مغرب میں بحیرہ مُردار تک پہنچ جاتی تھی جس کی بدولت اس کا بحیرہ مُردار کی تمام تجارت پر قبضہ تھا اور اس تنگ گزرگاہ پر مصر جانے والی شاہراہ بھی اس سے محفوظ نہیں تھی۔ اس بہترین جائے وقوع کے علاوہ تین طرف سے بلند پہاڑیاں اسے گھیرے میں لئے ہوئے تھیں۔ صرف مشرقی حصہ کھلا ہوا تھا مگر اسے ایک بلند سنگین فصیل اور گہری خندق سے محفوظ کر دیا گیا تھا۔ قلعہ میں داخل ہونے کا صرف ایک ہی دروازہ تھا جس پر ایک تختہ دار پُل تھا جو کھینچ کر اوپر اُٹھا لیا جاتا تھا۔ یہ قلعہ قدیم رُومی بنیادوں پر بنایا گیا تھا۔ اس کی تعمیر صرف چھ سال کے قلیل عرصہ میں مقامی مزدوروں اور غلاموں نے کی تھی۔ اس کا طرزِ تعمیر Byzentine تھا۔ یہ اس وقت ناقابلِ تسخیر مانا جاتا

تھا۔ یہ ''کوے کے قلعہ'' کے نام سے عوام میں مشہور تھا جس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ اس کا ہیبت ناک سایہ اتنی قریب سے براہ راست شاہ راہ پر پڑ رہا تھا۔ صلاح الدین کو اس کا تجربہ دو بار پہلے ہی ہو چکا تھا۔ پہلے تو ۱۱۷۳ء میں اس نے پوری طاقت سے اس قلعہ کا محاصرہ کیا لیکن چند روز بعد ہی اسے چھوڑ دیا۔ اس کے بعد ۱۱۸۴ء میں اس نے پھر اسے لینے کی کوشش کی۔ اس بارے میں اس کے درباری مورخ نے یوں لکھا ہے:

''یہ قلعہ مسلمانوں کے لئے سخت غم و غصہ کا باعث تھا چونکہ یہ شاہراہ مصر پر اثر انداز تھا جہاں سے قافلے محافظوں کی بھاری جماعت کے بغیر نہیں گزر سکتے تھے۔ اس لئے سلطان نے یہ مصمم ارادہ کیا کہ اس حالت زار کا خاتمہ کیا جائے تاکہ مصر جانے کا راستہ کھل سکے۔'' لیکن ایک بار پھر اسے ناکامی ہوئی اور کچھ حاصل نہ ہوا۔ البتہ اس مہم سے اس کی شہرت میں اضافہ ضرور ہوا۔ چونکہ اسے جب یہ معلوم ہوا کہ قلعہ میں ایک شادی ہو رہی ہے تو اس نے تعظیماً بمباری روک دی۔ مایوس ہو کر صلاح الدین دمشق پہنچا لیکن راستہ میں اس نے Nablus کو جلا کر خاک کر دیا۔ وہ پھر فلسطین نہیں لوٹا۔ سلطان کو پورا احساس تھا کہ جب تک یہ قلعہ مطیع نہ ہوگا جو اس کی نویافتہ سلطنت مصر و شام کی کہنی پر واقع تھا، اس سلطنت کے دونوں جزو ایک سخت مہم میں بہت دقت سے ہی ہم آہنگ ہو سکیں گے جس کے بغیر صلیبی حکومت کو گھیر کر شکنجہ میں لینا اور ان کا فر حملہ آوروں کو سمندر میں پھینکنا ممکن نہ تھا۔ لہٰذا Kerak کا حاکم باوجود مختلف آراء کے صلیبی سلطنت کا سب سے اہم سردار تھا۔ ۱۱۸۷ء میں یہ حاکم Reginald of Chatillon تھا جو اسلامی دنیا میں سب سے زیادہ قابل نفرت شخص تھا۔ دوسرے اور یورپین افراد کی طرح جن میں دوسری نسل کے لڑکے، بے زمین کے زمیندار، حادثہ پسند اور قسمت کے شکاری تھے یہ بھی ۱۱۴۷ء کی دوسری صلیبی جنگ میں مشرق وسطیٰ پہنچا جہاں اس کا مقصد روحانی انتقام کے بجائے دنیاوی دولت کمانا تھا۔ یہ شمالی فرانس کے ایک غیر اہم دولت مند گھرانے کا فرد تھا جس کی حرص اور ارادے بہت بلند تھے۔ اس نے اپنی منزل مقصود کو پہنچنے کے لئے Antioch کی ایک شہزادی پر کہ جو حال ہی میں بیوہ ہوئی تھی

ڈورے ڈالنا شروع کردیئے۔ ایک شاہی خاندان کی خاتون کا چاہے وہ کتنی بھی آوارہ مزاج اور عیش پرست کیوں نہ ہو، سا ایک ایسے کم رتبہ آدمی کو شادی کے لئے منتخب کرنا Antioch میں بہت سخت مخالفت کا باعث بنا اور یروشلم کے بادشاہ اور Antioch کے اعلیٰ پادری دونوں نے اس بے وقعت شخص سے شادی کرنے کی مخالفت کی۔ لیکن پھر بھی یہ شادی قرار پائی۔ اب مشرق وسطیٰ کے سب سے زیادہ مالدار شہر کا حاکم بنتے ہی شتیلاں (Chatillon) نے مخالفین کا جلد ہی خاتمہ کردیا۔ وہ Byzentine جزیرہ قبرص (Cyprus) کے خلاف ایک تادیبی فوجی مہم روانہ کرنا چاہتا تھا لیکن Antioch کے اعلیٰ پادری نے اس مہم کی مالی امداد سے انکار کیا۔ لہٰذا اسے گرفتار کر کے فوراً قلعہ لایا گیا جہاں اسے ننگا کر کے بدن پر شہد ملا گیا اور پھر تپتی ہوئی دھوپ میں اسے مکھیوں کے حوالہ کردیا گیا۔ بالآخر جب وہ غریب قلعہ کے مینار سے اُتارا گیا تو بیہوش ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے بلا چوں و چرا چرچ کے خزانہ کھول دیئے۔ اس ظلم و خباثت نے یروشلم کے بادشاہ کو ایسا خوف زدہ کیا کہ اس نے Chatillon کی تسلی کے لئے اس کے پاس خیر و صلح کے ایلچی بھیجے۔ قبرص کے حملہ میں اس نے اپنی وحشت و بربریت کی شہرت کو مزید ترقی دی۔ وہاں اس کے سپاہیوں نے نہایت وحشیانہ طریقہ سے عورتوں کی عصمت خراب کی، بلاتمیز مخلوق کی چیر پھاڑ کی اور تمام جزیرہ کو تخت و تاراج کیا۔ بالآخر ۱۱۶۰ء میں یہ وحشی جبکہ وہ مقامی کسانوں کے مویشی پچرا رہا تھا مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا۔ اور Aleppo کے قید خانہ میں بند کیا گیا۔ اس قید میں اس نے چودہ سال گزارے اور ۱۱۷۴ء میں ایک لاکھ بیس ہزار طلائی دینار کی بھاری رقم کے بدلے میں رہائی پائی۔ لیکن الیپو کے قلعہ کی اس مرطوب جیل میں اتنے سال گزارنے کے بعد مسلمانوں کے خلاف اس کی نفرت اور بڑھ گئی۔ وہ اب پہلے سے کہیں زیادہ لالچی اور خونخوار بن گیا۔ اس دوران میں Antioch میں اس کی بیگم کا انتقال ہو چکا تھا لیکن Chatillon کو ایک موزوں بیوہ ہاتھ آ گئی۔ یہ اردن کی شہزادی Stephanie (اسٹیفانی) تھی۔ اس کے ساتھ ہی جہیز میں اسے Kerak کا قلعہ اور Montreal بھی ملے جس کی بدولت Aqaba اور بحیرہ احمر (Red

(Sea تک اس کے دائرہ اثر میں آ گئے۔ یہ عیسائی حکومت کی جنوبی شاخ تھی۔ وطن سے مفرور یہ سیاہ کردار شخص Gillead کے علاقہ میں اپنی آزاد ریاست بنانے میں کامیاب ہوا۔ اس کا دور بے پناہ اور اندھا دھند مظالم کے بارے میں مشہور ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ قلعہ کی بلند فصیل سے پھینکنے سے پہلے قیدیوں کے سر چوبی صندوقچوں میں بند کرا دیتا تھا تاکہ نیچے چٹانوں پر گرتے وقت وہ زندہ رہیں۔ اس کی مہر پر ایک شیطانی تصویر کندہ تھی جو نیم عقاب اور نیم شیر کی شکل کی تھی اور جس پر تہذیب کے فوائد کندہ تھے۔ صحرا کا یہ وحشی یروشلم کے بادشاہ کے لئے ناقابل قابو تھا۔ اس کے علاوہ وہ یروشلم کی طاقت کی رسہ کشی میں بھی اُلجھا ہوا تھا اور وہاں کے طاقتور راہبوں (Templars) سے اس کی ساز باز تھی۔ وہ مسلمانوں کے خلاف اپنے یورپی بھائیوں کا اس وقت ساتھ دیتا تھا جب اس کا فائدہ ہو۔ مثال کے طور پر ۱۱۷۷ء میں صلاح الدین کی زبردست شکست میں جبکہ مسلمان لشکر Mt Gisard کے پاس دلدل میں پھنس کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اس نے نہایت دانشمندی کا مظاہرہ کیا۔ لیکن اس کے فضول حملوں نے اسے بدنام کیا اور بالخصوص اسے صلاح الدین کے طیش و غضب کا نشانہ بنایا۔ اس کا سب سے بڑا مظاہرہ اس وقت ہوا جبکہ Chatillon نے اپنے بیمار دماغ سے یہ منصوبہ بنایا کہ وہ اسلام کے قلب یعنی مقدس ترین شہروں مکہ اور مدینہ کو اچھی طرح نجس و ناپاک کر کے تخت و تاراج کرے۔ اس نے شیخی ماری کہ وہ نبی اکرم کی نعش مبارک کو نکال دے گا اور کعبہ کو مسمار کر کے سنگ اسود کو ریزہ ریزہ کر دے گا۔ Chatillon نے Kerak میں جہازوں کا ایک بیڑہ تیار کرایا اور اسے علیحدہ کر کے ایک سو تیس میل دور Elath لے گیا جہاں Isle de Graye کے صلیبی مورچہ پر کہ جو بحیرہ احمر کے شمالی علاقہ میں واقع ہے اسے پھر بنوا کر بحر احمر کے ساحلی علاقوں اور دیہاتوں کی لوٹ مار کرتا ہوا آگے بڑھا جس سے مسلمانوں کی آبادیوں میں کھلبلی مچ گئی۔

قزاقوں کی اس دہشت گردی کا جواب سست ہوا۔ بالآخر صلاح الدین کے بھائی نے اپنے بدوؤں کے ساتھ ان قزاقوں کو مدینہ منورہ سے کچھ ہی پہلے جا پکڑا۔ Chatillon تو

کی جانب بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوا لیکن اس کے ساتھی گرفتار ہوئے جنہیں اونٹوں Moali
کی کمر پر کس کر مصر لایا گیا جہاں وہ سب قتل کیئے گئے۔ اس بزدلانہ اور قابل نفرت حرکت پر سلطان
نے عہد کیا کہ وہ بذات خود Chatillon کا سر اُڑائے گا۔ Kerak کا یہ حاکم سلطان کے
لئے شب و روز ایک جنون سا بن گیا اور اس نے آئندہ دو سال اس خطرہ کو مٹانے کی کوشش میں
صرف کیئے۔ اسی اثناء میں خلیفۂ بغداد نے سلطان پر اعتراض کیا کہ وہ حج کے راستہ کو محفوظ نہیں بنا
سکا۔ اس سے اُسے سخت صدمہ ہوا۔ اس کے جواب میں سلطان نے خلیفہ کی توجہ میسوپٹامیہ کی
طرف مبذول کرائی۔ اس نے لکھا ''ہمیں حیرت ہے کہ ہم جبکہ رسول اللہ صلعم کے روضۂ مبارک کی
حفاظت میں لگے ہوئے ہیں Mosl کا حاکم ہماری زمینوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے
جس کا اُسے کوئی حق نہیں۔'' تاہم دو سال بعد بھی سلطان کا Kerak پر حملہ ناکام رہا۔ وہ دمشق
واپس ہوا تا کہ مخالفین سے صلح کرے۔ اس نے قرآن کی نصیحت پر عمل کیا۔ ''اگر دشمن تیرے ساتھ
صلح کا خواہاں ہو تو تو بھی اس سے صلح کا خواہاں بن اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر۔'' سلطان نے ایک بار
پھر اس موقع کا انتظار کیا کہ دشمن اسے جنگ کے لئے اکسائے۔ اسے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔

قافلہ: یہ ۵۸۳ھ (۱۱۸۷ء) کی بات ہے کہ جب امیر کے نقارہ کی تیسری چوٹ پر
اُونٹوں پر کجاوے کسے گئے اور سامان مسافرت لادا گیا۔ یہ بڑا قافلہ حسب معمول اُردن کی شاہ راہ
سے دمشق کی جانب روانہ ہوا۔ اس قافلہ کے ساتھ غیر معمولی قیمتی سامان تھا جس میں نایاب ریشم
کے تھان، حسین مُنبت کاری سے سجا ہوا لوہے اور پیتل کا سامان، بہترین نازک مٹی کے برتن،
انواع و اقسام کے مصالحہ اور سونا چاندی کے ڈھیر تھے۔ چونکہ اس سے کچھ سال پہلے صلاح الدین
اور یروشلم کے عیسائی بادشاہ کے درمیان صلح ہو چکی تھی اس لئے یہ صحرائی راستہ کہ جو صلیبی سلطنت کی
جنوبی شاخ سے گزر کر حج والی سڑک سے ملتا تھا معقول طور پر محفوظ سمجھا گیا۔ میر کارواں کو اس صلح
نامہ پر اس قدر بھروسہ تھا کہ اس نے اپنے ساتھ ایک معمولی محافظ دستہ لیا، حالانکہ اس قافلہ میں

ایک نہایت جلیل القدر شخصیت بھی تھی یعنی صلاح الدین کی بہن۔ سینائی کے اس پار بحیرۂ مُردار کے جنوب میں یہ وہی راستہ تھا کہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بحراحمر کو پار کر کے اختیار کیا تھا۔ یہ کارواں رات کو سفر کرتا تھا جبکہ پا پیادہ مشعل بردار رہنما اس کے ساتھ تھے۔ یہ جلوس الرّقیم (Al-Raqim) پہنچا، یہ وہ مقام ہے جس کا ذکر کلام پاک میں غار میں سات خوابیدہ اشخاص (اصحاب کہف) کے بارے میں کیا گیا ہے۔ بالآخر یہ قافلہ Nabatia کے غیر معمولی شہر پیٹرا (Petra) بسلامت پہنچ گیا۔ یہاں حضرت موسیٰ نے دو بار چٹان پر عصا مارا تھا جس سے پانی کا چشمہ پھوٹ نکلا تھا۔ یہاں قافلہ کو کچھ دن آرام کرنا تھا۔ پیٹرا میں مصریوں نے صلیبیوں کے شاندار دفاعی سلسلہ کا پہلا قلعہ دیکھا۔ پیٹرا کی شاہ راہ سے اوپر جہاں عربی سوداگر قدیم گلابی غاروں میں Nubia کے سنگ ریزوں کا بھاؤ تاؤ کرتے تھے، جہاں عہد رفتہ کی ناقابل بیان حسین محرابیں، مندر اور مقبرے تھے صلیبیوں کا یہ مختصر سا قلعہ واقع تھا جو دراصل محض دشمن کی نقل وحرکت پر نظر رکھنے اور سن گن لینے کا کام کیا کرتا تھا۔ یہ ایک ایسی سطح مرتفع پر تعمیر کیا گیا تھا جسے Al-Habees کہا جاتا تھا۔ پیٹرا سے ایک میل دور ایک مقام پر جس کا نام وادیٔ موسیٰ تھا ایک اور بڑا قلعہ تھا جسے Wu'eira کا قلعہ کہا جاتا تھا۔ اس علاقہ کا تمام حصہ اس قلعہ کے زیر کمان تھا جہاں Templar سواروں کا ایک طاقتور دستہ تعینات تھا۔ پھر بھی جب مصری مسافر پیٹرا سے رخصت ہوکر Wu'eira کے قلعہ سے بغیر کسی سانحہ کے گزر کر حج کی عام شاہ راہ کو پہنچ گئے تو ان کے خدشات میں کچھ کمی ہوئی۔ دمشق اور مکہ مکرمہ کا یہ حج کا راستہ انجیل کے دور میں بھی شاہ راہ کہلاتا تھا۔ جب حضرت موسیٰ نے ارض مقدسہ کو جانے کے لئے Edomites سے اس راستہ سے گزرنے کی اجازت مانگی تو انہوں نے کہا تھا "ہم اس شاہراہ سے سیدھے جائیں گے اور جب تک ہم تیرے ملک سے گزر نہ جائیں ہم نہ سیدھے کو مڑیں گے، نہ بائیں کو۔" لیکن Edomites پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا اور انہوں نے چالیس برس تک اُسے وہاں روکے رکھا۔ اس سے تیس میل دور شمال کی طرف ایک مقام Shobak تھا جسے یورپ والے

Montreal کہتے تھے۔ یہ نہایت سر سبز و شاداب علاقہ تھا جہاں ہرے بھرے غلّہ کے کھیت، زیتون اور انگور کے باغ تھے۔ یہاں ایک اور بھی زیادہ شاندار پہاڑی قلعہ تھا جسے پہلی صلیبی جنگ میں Baldwin I نے تعمیر کرایا تھا۔ اس نے ارض مقدس میں اہل یورپ کی فتوحات کو تکمیل دینے کے لئے اسے بنوایا تھا۔ ۱۱۱۵ء میں یہ قلعہ باضابطہ طور پر عیسائی سلطنت میں شامل کرلیا گیا تھا۔ یہ خطرناک مورچہ بھی بغیر کسی مداخلت کے گزر گیا۔ پھر قافلہ نے وادی Hasa بھی خیریت سے پار کی۔ انجیل کے دور میں یہ مقام Edom اور Moab کی سرحد بناتا تھا۔ یہاں سے Moab کا میدانی علاقہ بتدریج شروع ہوتا تھا۔ یہی وہ علاقہ تھا جہاں حضرت موسیٰ اوران کے ساتھیوں نے چالیس برس انتظار کیا تھا۔

اس کے مغرب میں دور دُھندلکے میں بحیرہ مُردار تھا جسے عرب بدبودار جھیل کہا کرتے تھے۔ یہ Sodom اور Gomorrah کی وہ جھیل تھی جہاں کوئی زندہ نہیں رہ سکتا تھا بلکہ جس کے اوپر سے کوئی پرندہ تک پرواز نہیں کرسکتا تھا۔ بالآخر یہ جلوس Kerak کے پُرخطر علاقہ میں پہنچا۔ یہاں کا زبردست قلعہ Montreal کے قلعہ سے چارگنا زیادہ بڑا تھا جو اتنی قریب سے مسافروں پر اپنا ہیبت ناک سایہ ڈال رہا تھا۔ اس تاریک قلعہ کی زبردست فصیلوں کے سایہ میں اس قافلہ پر حملہ کیا گیا۔ اس کا محافظ دستہ قتل کردیا گیا، مال و دولت کو لوٹ لیا گیا اور تمام مسافر معہ صلاح الدین کی بہن کے پکڑ کر ''کوے کے قلعہ'' میں قید کردیئے گئے۔ جب قیدیوں نے یہ احتجاج کیا کہ یہ صلح نامہ کی خلاف ورزی ہے تو Chatillon نے تھوک کر کہا ''اب اپنے محمد کو بلاؤ تاکہ وہ تمہیں چھڑائے۔'' جب اس ہلادینے والے سانحہ کی اطلاع صلاح الدین کو پہنچی تو اس کا طیش وغضب ایک آہنی ارادہ میں تبدیل ہوگیا۔ اس نے ایک بار پھر قرآن مجید میں اس کا حل تلاش کیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''ان کے مقابلہ کے لئے انتہائی تیاری کرو جس کے لئے تمام جنگی سامان اور گھوڑے تیار کئے جائیں تاکہ تم دشمن کے دل میں دہشت ڈال سکو۔ جو کچھ بھی تم اللہ کی راہ میں خرچ کروگے وہ تمہیں ادا کردیا جائے گا اور تمہارے ساتھ حق تلفی نہ ہوگی۔'' صلیبی افواج

نے اس کے وطن پر حملہ کیا تھا اور مکہ معظمہ کی مقدس شاہراہ کی بے حرمتی کی تھی اور اب اس مجنون نے اس کی بہن کو گرفتار کر لیا تھا اور نبی کریم کی توہین کی تھی۔ پھر بھی اس نے Chatillon کو ایک مختصر پیغام بھیجا۔ ''عہد نامہ کا کیا ہوا؟ جو کچھ تو نے قبضہ میں کیا ہے اسے واپس کر۔'' لیکن Chatillon نے اس کے خط کو حقارت سے پھینک دیا۔ سلطان نے پھر اپنا عہد دہرایا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو قبضہ میں کر دیا تو سلطان بذاتِ خود اس کی گردن مارے گا۔ اس نے یروشلم کے نئے بادشاہ کو یاد دلایا کہ یہ صلح نامہ یروشلم کے سابق بادشاہ سے پختہ طور کیا گیا تھا۔ اس نے یہ مطالبہ کیا کہ قافلہ مع تمام مسافروں اور ساز و سامان کے واپس کیا جائے۔ بادشاہ نے سلطان کی رائے سے اتفاق کیا اور Chatillon کو حکم دیا کہ وہ اس کی اس نازیبا حرکت سے سخت حیران و شرمندہ ہوا اور وہ فوراً تمام مال و مسافر رہا کرے لیکن Chatillon نے اس مالِ غنیمت کو واپس کرنے سے صاف انکار کیا اور نہایت گستاخی سے جواب دیا کہ ''جیسے تم اپنے ملک کے بادشاہ ہو ویسے ہی میں اپنے ملک کا۔ میرا عربوں سے کوئی معاہدہ نہیں ہے۔'' اس طرح صرف ایک معمولی واقعہ سے ہی یروشلم کی نازک سلطنت میں انتشار ہو گیا اور اس طاقتور سلطان کا قہر و غضب بھڑک اُٹھا۔ Chatillon کی اس مذموم اور قابلِ نفرت حرکت سے سلطان کی عظمت و وقار ساری سلطنت میں اور بڑھ گیا اور سب اس کو حق بجانب مان گئے۔ کلام پاک میں آیا ہے۔ ''اگر وہ تجھے دھوکہ دینے کی کوشش کریں گے تو یقیناً اللہ تیرے لئے کافی ہے۔ اس ہی نے اپنی امداد اور اہل ایمان سے تجھے طاقت بخشی ہے۔''

اس طرح اس جد و جہد میں ایک مسلسل ردِّ عمل کا آغاز ہوا۔

شہزادہ رچرڈ (Richard): Aquitaine کی قدیم ریاست مرکزی فرانس ہی میں واقع ہے جو شمال میں دریائے (لُوار) Loire سے لے کر جنوب میں (پیرانی) Pyrenees کے پہاڑوں تک پھیلی ہوئی ہے۔ یہ سارا علاقہ نہایت سرسبز و شاداب ہے اور

یہاں پانی کی خاصی افراط ہے جس میں دریائے Garonne بھی شامل ہے۔ اس خطہ کا نام ہی لاطینی زبان کے لفظ Aqua سے ماخوذ ہے جس کے معنی "پانی" ہیں۔ یہاں جنگلات بکثرت ہیں جہاں Aquitaine کے حاکم شکار کھیلتے رہے ہیں۔ ان حاکموں کا سلسلہ ۶۶۰ء سے شروع ہوتا ہے۔ یہاں کے رہنے والے صدیوں سے آزاد منش اور پختہ ارادے والے مشہور ہیں۔ یہ لوگ فطرتاً رنگین مزاج ہوا کرتے تھے۔ بارہویں صدی کے ایک مورخ Diceto نے ان کے بارے میں یوں لکھا ہے "جب یہ دشمنوں کے غرور کو ملائم کرنے کے لئے میدان جنگ میں اُترتے ہیں تو اس کام کو پوری سنجیدگی سے سرانجام دیتے ہیں۔ لیکن جب جنگ وجدل کے مصائب ختم ہو جاتے ہیں اور امن وامان کا دور شروع ہوتا ہے تو یہ ہمہ تن عیش ونشاط میں ڈوب جاتے ہیں۔" ۱۰۸۷ء تا ۱۱۲۷ء Aquitaine کا حاکم William IX تھا جوان مردانہ خصوصیات کا مجسمہ تھا۔ اس نے پہلی صلیبی جنگ (کہ جس کے نتیجہ میں یروشلم کی سلطنت قائم ہوئی تھی) میں حصہ لیا تھا۔ لیکن جنگ ختم ہونے کے بعد یہ فرانس کی دو سو سالہ روایات کے مطابق Troubadour بن گیا۔ یہ وہ لوگ تھے کہ جو جنوبی فرانس میں دنیاوی زندگی کو خیرباد کہہ کر جنگلوں اور ویرانوں میں عشق وعاشقی کے گیت گاتے پھرتے تھے۔ یہاں شاعری بھی ان کی اپنی مادری زبان Langue d'oc میں کی جاتی تھی۔ وہ ارض مقدس سے واپسی پر اس غیر شریفانہ جنگ پر کسی حد تک نادم تھا۔ لیکن وہاں کی پرجوش عربی موسیقی کا اس پر گہرا اثر ہوا تھا۔ جس کے نتیجہ میں اس نے Aquitaine کو چند سال ہی میں یورپ کی معاشرت میں ایک مرکزی مقام بنا دیا۔ کسی قدر شرارت سے اس کے بارے میں یوں کہا جاتا تھا "اس کو شعر وشاعری اور گانا بجانا خوب آتا تھا اور وہ بڑے عرصہ تک ملک بھر میں گھوم پھر کر خوب عورتوں کو ورغلاتا رہا۔" خیر اگر وہ خواتین کا دل لبھانے میں ماہر تھا اور شاعر وادبیات کا بھی اسے شوق تھا لیکن وہ اپنے زیر نگرانی حاکموں پر قابو نہیں رکھ سکتا تھا۔ بہت سے چھوٹے سردار جو درحقیقت اس کے تابع دار تھے اس کے خلاف کھلم کھلا بغاوتیں کرتے رہتے تھے۔ لیکن اگر ذرا بڑے پیمانہ پر دیکھا جائے تو جہاں اس کے

محکوم اس سے مستقل جھگڑے کرتے رہتے تھے تو اس کے برخلاف وہ خود فرانس کے بادشاہ سے کہ جو اس کا حاکم تھا اکثر مخالفت کرتا رہتا تھا۔ بہر حال ۱۱۳۷ء میں فرانس کے شاہی تخت کو جنوب کی اس مالدار اور طاقتور ریاست سے پُرامن طریقہ سے ہم آہنگ کرنے کے لئے ایک جرأت مندانہ کوشش کی گئی۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے شادی کا قدیم ہتھیار استعمال کیا۔ اسی سال فرانس کے بادشاہ Fat Louis کا سولہ سالہ نحیف و کمزور بیٹا جسے Louis VII کا لقب دیا گیا تھا اس کی منگنی Aquitaine کے سردار William IX کی بیٹی سے کرادی گئی۔ یہ پندرہ سالہ دولہن Eleanor d'Aquitaine کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس میں تو کوئی کلام نہیں کہ وہ نہایت ہی حسین عورت تھی جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ اس کے ہونٹ سیب کی کلی سے بھی زیادہ ملائم ہیں لیکن درحقیقت وہ اپنی غیر معمولی ذہانت، وسیع معلومات اور جسارت کی بدولت ممتاز تھی۔ آگے چل کر اس کی یہی خصوصیات اس کے زود رو شوہر Louis کیلئے قابو سے باہر ہو گئیں۔ لیکن پھر بھی اس مختصر ازدواجی رشتہ (پندرہ سال) کے دوران فرانس کا بادشاہ جسے Aquitaine کے سردار کا لقب بھی مل گیا تھا اس دشوار علاقہ کو قابو میں رکھ سکا اور Aquitaine کی شہزادی فرانس کی بارعب ملکہ مانی گئی۔ ان پندرہ سال میں اس نے سلطنت کو دو بیٹیاں پیش کیں۔ لیکن بچے پالنے کا اسے شوق نہیں تھا۔ ۱۱۴۶ء میں Easter کے زمانہ میں جبکہ ارض مقدس میں Edessa مسلمانوں نے فتح کر لیا تھا، فرانس کے بادشاہ اور ملکہ Vezelay گئے جہاں وہ ایک چوبی چبوترے پر کہ جو خاص اسی مقصد کے لئے بنایا گیا تھا دوش بدوش اعلیٰ قدر درویش St. Bernard Clairuaux کے روبرو تعظیماً جھکے۔ یہ وہ صوفی منش درویش تھا جس نے دوسری جنگ کی آگ کو بھڑکانے میں خاص کام انجام دیا۔ اس نے پوپ کی طرف سے اس مقدس جنگ میں تمام شرکت کرنے والوں کو ان کی خدمت کے انعام میں جنت کا وعدہ کیا۔ اس نے کہا "اس جنگ میں حصہ لینے والے شجاعت کا ایک خاص معیار قائم کریں گے۔ مبارک ہیں وہ جنہیں اس جنگ میں حصہ لینے کا موقع ملا ہے۔" اس نے کہا "اے بہادرو

خوش ہوا گر تم اپنے آقا کے لئے فتح یاب ہو اور زندہ رہو لیکن اس سے بھی زیادہ خوشی کی یہ بات ہوگی کہ تم مارے جاؤ اور اپنے آقا سے جا ملو۔ زندگی آرام دہ ہے اور فتح شاندار ہے لیکن حق کے لئے جان قربان کر دینے کا رُتبہ اس سے کہیں زیادہ بڑا ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ جن کے لبوں پر مرتے وقت آقا کا نام ہو لیکن کس قدر خوش نصیب ہیں وہ کہ جو آقا کے نام پر جان دیں۔" جب بادشاہ اور ملکہ صلیب لے کر سیدھے کھڑے ہوئے تو ایک گونج دار نعرہ بلند ہوا۔ "چلو یروشلم۔" مجمع میں چھوٹی چھوٹی صلیبیں بطور سوغات تقسیم کی گئیں یہاں تک کہ وہ سب ختم ہو گئیں۔ اس طرح "شجاعت کے خاص معیار" کے یہ سوار یورپ کے اور ملکوں کے مجاہدین کے ساتھ متحد ہو گئے۔

البتہ Louis اور Eleanor کسی شان کے ساتھ یروشلم نہیں پہنچ سکے۔ انہیں ترکی میں شرمندگی اور دمشق میں ذلّت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس بدنصیبی سے برسوں بعد تک ایک عام سپاہی کے لئے Eleanor کا تصور ہی قابل خوف بنا رہا۔ یعنی Eleanor سرتاپا مسلح گھوڑے پر سوار ہے، اس کے آس پاس بہت سی مرد مار عورتوں کا ہجوم ہے اور پیچھے کنیزیں اور لونڈیاں طرح طرح کا ساز و سامان لئے ہوئے آ رہی ہیں جن کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے، لیکن دوسری صلیبی جنگ میں اس سے بھی زیادہ ایک قابلِ شرم واردات پیش آئی۔ کہا جاتا ہے کہ Antioch پہنچ کر Elranor نے جس کی عمر اس وقت ۲۵ سال تھی وہاں کے حاکم Raymond کو کہ جو اس کا چچا تھا اپنے عشق کے جال میں پھانسا اور پھر اس سے ہم بستری کی۔ اس کے شوہر Louis نے اس کی سزا میں جنگ ختم ہونے تک اسے پہرہ داروں کی نگرانی میں رکھا۔ لامحالہ عوام کی نظر میں اس مہم کی ناکامی کی ذمہ دار بھی وہی قرار دی گئی۔ اس کے کچھ سال بعد ہی بادشاہ نے اسے طلاق دے دی۔ اس پر یہ الزام لگایا گیا کہ وہ سلطنت کو ولی عہد نہیں دے سکی۔ گو کہ اس کی وجہ خود Louis کی زنانہ خصوصیات بھی ہو سکتی تھیں۔ تاہم یہ طلاق فرانس کو مہنگی پڑی Eleanor کی رخصتی سے Aquitaine صوبہ پھر فرانس کی سلطنت سے آزاد ہو گیا۔ ۱۱۵۲ء میں اس نے انگلستان کے بادشاہ Henry II سے شادی کی۔ یہ نہایت بلند حوصلہ اور طوفانی مزاج کا شخص تھا

بلکہ کہا جاتا ہے کہ اس کا سلسلہ نسب حضرت نوح علیہ السلام سے ملتا تھا۔ Eleanor جیسی جوشیلی، زندہ دل اور عیش پسند عورت کے لئے یہ شخص زیادہ موزوں تھا۔ اس سے شادی ہوتے ہی یکے بعد دیگرے بیٹے پیدا ہونا شروع ہو گئے۔ پہلا بیٹا ولیم بچپن ہی میں مر گیا۔ دوسرے بیٹے ہنری نے نوجوانی ہی میں باپ کے خلاف بغاوت کی لیکن اس کا تیسرا بیٹا Richard تھا جو ۱۱۵۷ء میں پیدا ہوا۔ یہی ماں کا چہیتا بیٹا تھا۔ اس عشق کی پیشن گوئی ایک مشہور نجومی Merlin نے کی تھی۔ اس نے کہا تھا ''بدشگنی کا شاہین تیسرے گھونسلہ میں خوش ہوگا۔'' یہ بھی ایک ناقابل فہم بات تھی چونکہ اس کے مطابق Eleanor ہی ''شاہین'' ہو سکتی تھی چاہے وہ Richard سے کتنی ہی محبت کرتی ہو۔ بہر حال اسے اپنے مجروح بازوؤں کو دو سلطنتوں پر پھیلانا پڑے گا۔ فرانس سے تو اسے طلاق ہو چکی تھی اور انگلستان میں بھی وہ وقت آنے پر قید میں ڈالی جائے گی۔

Henry II (ہنری دوم) کے بیٹوں نے ۱۱۷۳ء میں باپ کے خلاف کھلم کھلا بغاوت کر دی۔ ان کی ماں Eleanor تو ہمیشہ ہی من مانی کرتی تھی لہٰذا وہ بھی شوہر کے خلاف بیٹوں کے ساتھ شامل ہو گئی۔ یہ وہ سال تھا جب پوپ نے انگلستان کے مقتول بشپ Becket کو Saint (ولی اللہ) کا خطاب دیا تھا۔ اسی سال کی گرمیوں میں ہنری دوم کے بیٹے نے (جس کا نام بھی ہنری تھا) اپنے دونوں بھائیوں Richard (رچرڈ) اور Geoffrey (جعفری) کے ساتھ پیرس (Paris) کے عہد نامہ پر دستخط کئے۔ مورخ Ralph of Diceto لکھتا ہے کہ ''وہ کبھی فرانس کے بادشاہ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے اور بغیر فرانس کے بادشاہ Louis VII اور اس کے ماتحت سرداروں کی اجازت کے بغیر باپ سے صلح نہیں کریں گے۔'' جواباً Lauis نے عہد کیا کہ ''وہ نوجوان ہنری اور اس کے بھائیوں کی ہر ممکن مدد کرے گا تا کہ ہنری انگلستان کا بادشاہ بن سکے۔'' اس خاندانی جھگڑے کے دوران ہنری دوم کم سے کم اپنی بیوی Eleanor کی تو خبر لے سکا۔ اس کے جاسوسوں نے اسے گرفتار کر لیا جبکہ وہ مردانہ بھیس بدل کر Aquitaine سے پیرس جانے کی کوشش کر رہی تھی۔ نتیجتاً آئندہ سولہ سال اسے قید

میں گزارنے پڑے۔ چونکہ رچرڈ کو Aquitaine کی حکومت اپنی ماں کی طرف سے وراثت میں ملی تھی اس لئے باپ کے خلاف اس کی نفرت اور غصہ اور بڑھ گیا۔ ۱۱۷۳ء تک اس نے مقامی باغی سرداروں سے ساز باز شروع کر دی بلکہ بعض چھوٹے بڑے قلعے کہ جو ہنری کے وفادار تھے ان کے محاصرے بھی کرنے لگا۔ آخر یہ نالائقی اور نافرمانی ہنری کے لئے ناقابل برداشت ہو گئی اور وہ بیٹے کو اس کی گستاخی کی سزا دینے کے لئے Poitiers پہنچا۔ پہلے تو رچرڈ فرار ہوا لیکن جلد ہی اس نافرمان بیٹے نے باپ کے قدموں پر گر کر معافی مانگی۔ ہنری نے اسے فوراً معاف کر دیا تاہم اس نالائقی کی سزا میں اس سے Duke of Aquitaine کا خطاب چھین لیا گیا۔ ۱۱۷۵ء کے شروع میں Le Mans میں ہنری کو خراج تحسین دینے کی رسم میں رچرڈ اور اس کا چھوٹا بھائی جعفری شریک ہوئے۔ لیکن Duke of Aquitaine کے اعزاز کو کھونے کے بعد رچرڈ پوری طرح باپ کا تابع دار بن گیا۔ بہر حال باپ کی یہ تابعداری آئندہ پانچ سالوں تک رچرڈ کے لئے موزوں طبع ثابت ہوئی۔ یہی وہ تربیتی زمانہ تھا جس میں رچرڈ بذات خود ایک اہل فوجی سردار بن سکا۔ ہنری نے اسے پورے اختیارات اور طاقت دی تھی کہ وہ Aquitaine اور Gascony کے باغی حکمرانوں کو مطیع کرے اور جو انکار کریں ان کی زمینیں اور جائیدادیں ضبط کرے۔ اس زمانہ میں وہ مسلسل طور پر برسر پیکار رہا۔ پہلے تو اس نے ان قلعوں پر حملے کئے جو ہنری کی حکومت کے خلاف تھے۔ پھر اس نوجوان جنگ باز نے جنوب میں Gascony کی طرف رُخ کیا۔ ہر فتح کے ساتھ اس کے غضبناکی کی شہرت بڑھتی گئی۔ اس نے Gascony میں بہت سے قلعوں کو فتح کیا۔ لیکن جب اس نے ۱۱۷۹ء میں دریائے Charente کی خوشحال اور آباد وادی کے باغیوں کو مطیع کرنے کا ارادہ کیا تو اس کی شہرت تمام یورپ میں پھیل گئی۔ ۱۱۷۸ء میں بڑے دن (کرسمس) سے کچھ ہی پہلے اس نے Pons کے قلعہ کا محاصرہ کیا۔ اس قلعہ کا حاکم Geoffrey of Rancon تھا۔ یہ نہایت سخت باغی تھا اور ہنری دوم کے خلاف تمام سازش کا سردار تھا۔ لیکن Pons والوں نے نہایت مضبوطی سے مدافعت کی۔

چار مہینوں کی کوشش کے بعد رچرڈ نے محاصرہ ختم کردیا۔ اس کے لئے یہ ایک سبق آموز تجربہ تھا جس کا فائدہ وہ مستقبل میں ارض مقدس کے طویل محاصروں میں اُٹھائے گا۔ آخر ۱۱۷۹ء میں Pons کے ناکام محاصرہ کے بعد Easter کے بعد اس نے Taileboury کے مشہور ومعروف مستحکم قلعہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اس کی اس حماقت پر اس کے ساتھی دنگ رہ گئے چونکہ یہ ایک غیر معمولی قلعہ تھا۔ یہ دریائے Charente کی وادی میں ایک بہت اونچی چٹان پر واقع تھا جس کے تین طرف اُونچی اُونچی دشوار گزار پہاڑیاں تھیں اور چوتھی طرف شہری آبادی تھی جو پے در پے تین خندقوں اور تین فصیلوں سے محفوظ کی گئی تھی۔ رچرڈ سے پہلے سالہا سال تک اور بہت سے حملہ آوروں نے اسے ناقابل تسخیر جان کر نظر انداز کردیا تھا۔ لہٰذا جب رچرڈ وہاں نمایاں ہوا تو ابتداً مدافعین نے اس کو اہمیت نہیں دی۔ لیکن رچرڈ نے قلعہ پر حملہ کرنے کے بجائے قرب وجوار اور اطراف کے علاقوں کو تباہ کرنا شروع کردیا۔ ایک مورخ یوں لکھتا ہے کہ ''اس نے باغوں اور کھیتوں کی دولت کو لوٹا، انگور کی بیلوں کو کاٹ ڈالا، دیہاتوں کو نذر آتش کردیا اور ہر شے اور ہر نفس کو نیست ونابود کردیا۔ اس کے بعد اس نے عین قلعہ کے دروازے کے سامنے خیمے لگائے جس سے وہاں کے رہنے والوں پر ہیبت طاری ہوگئی چونکہ انہیں کبھی ایسا تجربہ نہیں ہوا تھا۔'' زمین کو خاکستر کردینے والی تباہی کو دیکھ کر قلعہ کے مدافعین گھبرا گئے تو انہوں نے باہر نکل کر حملہ کرنے کی غلطی کی۔ جب انہوں نے پسپا ہوکر واپس قلعہ کے حصار میں داخل ہونے کی کوشش تو حملہ آور ان کے تعاقب میں اندر گھس آئے۔ اس کے دو دن کے بعد ہی یہ قلعہ فتح ہوگیا۔ اس غیر معمولی فتح کی شہرت بہت تیزی سے پھیلی، پہلے تو Charente کی وادی میں پھر بالآخر اس کے باپ ہنری تک پہنچی۔ یکے بعد دیگرے تمام باغی حکمراں سیدھے ہوگئے اور ان میں سے کچھ نے ارض مقدس کو کوچ کیا۔ دریائے Charente کی وادی کی تمام مدافعی فصیلوں کو مسمار کرنے کے بعد رچرڈ انگلستان پہنچا جہاں ہنری نے بڑے تزک واحتشام سے اس کا استقبال کیا۔

مارچ ۱۱۸۷ء میں رمضان المبارک کے اختتام کے بعد سلطان نے جہاد کا اعلان کیا۔

قرآن مجید میں آیا ہے کہ۔ "جب ممنوعہ مہینے گزر جائیں تو کافروں سے جنگ کرو۔ انہیں قتل کرو اور گرفتار کرو جہاں بھی وہ ملیں اور ان کی گھات میں رہو اور جنگ کی ہر تدبیر استعمال کرو۔" چنانچہ Aleppo، مصر اور Mesopotamia کے علاقوں سے جوق در جوق لشکر آنے لگے۔ وہ دمشق کے پاس جمع ہو کر جنوب کی طرف بڑھے۔ سلطان نے Blackknight کو مرعوب کرنے کے لئے اپنی طاقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے فوج کا ایک حصہ اس کے قلعہ Crow Castle کی طرف Kerak روانہ کیا۔ اسی دوران میں حاجیوں کا ایک اور قافلہ مکہ معظمہ سے واپسی پر شام پہنچنے کے لئے Kerak سے گزرا۔ اس قافلہ میں بھی سلطان کے رشتہ دار تھے لیکن اس دفعہ اس کے ساتھ ایک طاقتور دستہ تھا اس لئے Chatillon اُسے اپنی بلند آماجگاہ سے محض تکتا ہی رہا۔ حالانکہ سلطان اس بدمعاش پر ہاتھ ڈالنے کے لئے بیتاب تھا لیکن فوجی مصلحت کے پیش نظر اس ناقابل تسخیر مورچہ کو فتح کرنے کی بجائے اس نے ایک اور معاملہ کو ترجیح دی۔ Galilee سمندر کے مغربی ساحل پر ایک علاقہ Tiberias تھا جہاں کا عیسائی حاکم Raymond of Tripoli (طرابلس کا ریمنڈ) تھا جو نہایت مہذب اور شریف انسان تھا۔ یہ شخص قدیم لاطینی سلطنت کا ایک قابل مثال نمونہ تھا۔ حالانکہ یہ خود مشرق ہی میں پیدا ہوا تھا لیکن اس کا سلسلۂ نسب پہلی صلیبی جنگ کے سردار Raymond of Giles سے ملتا تھا جو اس مہم کے قائدین میں سے تھا بلکہ اس سے بھی پہلے فرانس کے قدیم شاہی خاندان سے اس کا تعلق تھا۔ یہ دُبلا پتلا، میانہ قد اور سانولے رنگ کا شخص تھا۔ یہ ایک دانشمند، فراخ دل اور تجربہ کار جنگجو سردار تھا۔ یہ Hospitalers کے دستہ کا خاص معاون تھا جن کے ساتھ اس نے ماضی میں بہت سی جنگوں میں حصہ لیا تھا۔ مسلمان اور عیسائی دونوں اسے لاطینی سلطنت کا سب سے اہل اور باا ثر حکمران مانتے تھے۔ اور ۱۱۸۰ء میں یہ ایک عام خیال تھا کہ Guy de Lusignan کے بجائے ریمنڈ ہی یروشلم کا آئندہ بادشاہ منتخب کیا جائے گا۔ وہ عربوں کے ساتھ مل جُل کر رہنے کا قائل تھا اور اپنے دربار میں عربوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے اس کا ثبوت دیا کرتا تھا۔ اس نے

Tiberias کے حاکم کی بیوی سے شادی کر کے وہاں حکومت حاصل کی تھی۔ Chatillon کی طرح یہ بھی کئی سال مسلمانوں کی قید میں رہ چکا تھا لیکن شتیلان (Chatillon) کی تلخی اور نفرت کے بجائے وہ مشرقی تہذیب وقواعد کا مداح بن گیا تھا۔ ریمنڈ کو عربی زبان پر پورا عبور تھا اور وہ عربی ادب وتصنیفات کا گہرا مطالعہ کیا کرتا تھا۔ Tiberias کا علاقہ لاطینی سلطنت کا دروازہ سمجھا جاتا تھا۔ یہ وہ علاقہ ہے جہاں متعدد مقدس مقامات پائے جاتے ہیں۔ مثلاً کوہ Tabor جہاں عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے بادلوں میں سے ڈانٹا جسے سن کر فرشتے کانپ گئے یا پھر Nazareth جہاں خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام بڑھے پلے تھے۔

ریمنڈ نے صلاح الدین سے سالہا سال جنگیں کرنے کے بعد صلح کی تھی جس کی وجہ سے ملک میں شدید قحط سالی تھی جس نے اس چھوٹی سی ریاست کو مسلمانوں کے مقابلہ میں ناقابل دفاع بنا دیا تھا۔ ریمنڈ نے مجبور ہو کر سلطان سے صلح کی درخواست کی۔ حالانکہ یہ صلح صریحاً سلطان کے مفاد کے خلاف تھی مگر پھر بھی اس نے اسے قبول کر لیا اور چار سال کے لئے ان کے درمیان صلح نامہ قرار پایا۔ یہی نہیں اس نے دشمن کے ساتھ مزید فراخدلی کے طور پر ریمنڈ کی محصور فوج کو کھانا اور پانی بھی فراہم کیا۔ لامحالہ دشمن سے صلح کرنے سے ریمنڈ کی حالت یروشلم میں نازک ہو گئی۔

سلطنت کے شہ بازوں نے (جن میں Chatillon اور Templars کا سردار Gerard de Ridefort پیش پیش تھے) ریمنڈ کو غدار کہا اور یہ الزام لگایا کہ وہ مسلمان ہو کر دشمن سے مل گیا ہے۔ ان سب نے ریمنڈ کو سبق سکھانے کا کافی پروپیگنڈا کیا۔ تاہم پرانے تجربہ کار سرداروں نے ذرا محتاط ہونے کی نصیحت کی۔ Balian de Ibelin ایک نہایت آزمودہ کار سردار تھا۔ اس نے سلطنت کے بادشاہ گئی (Guy) کو مشورہ دیا کہ Tiberias میں ایک طاقتور فوج ہے جس میں عیسائی اور مسلمان دونوں شامل ہیں اُنہیں محصور کرنے کے لئے تمہاری فوج ناکافی ہے۔ پھر جیسے ہی تم وہاں پہنچو گے صلاح الدین ایک طاقتور لشکر سے تمہیں آ گھیرے گا اور تمہارا ایک آدمی بھی زندہ نہیں بچے گا۔ مزید یہ کہ نفرت کسی کے لئے

بھی اچھی نہیں ہوتی لہٰذا اس نے خود کو پیش کیا کہ وہ وہاں جائے اور یروشلم و Tiberias کے درمیان مصالحت کرانے کی کوشش کرے۔ Chatillon کے قافلہ پر جلد بازانہ حملہ سے تمام صورت حال بدل گئی تھی۔ یروشلم کا صلاح الدین کے ساتھ صلح نامہ ٹوٹ چکا تھا اور اب وہ جہاد کی تیاری کر رہا تھا۔ پھر بھی اس نازک حالت میں ریمنڈ کو دوست ہی سمجھتا تھا۔ ریمنڈ بھی ان دونوں طاقتوں کی کش مکش میں مبتلا تھا۔ اور دوست بھی ایسا کہ جس کی کش مکش سے فائدہ اُٹھایا جا سکتا تھا۔ اگر ریمنڈ کے عیسائی برادران اس پر حملہ کرتے تو صلاح الدین اس کی مدد کو تیار تھا۔ لاطینی سلطنت اس وقت خانہ جنگی کے قریب ہی پہنچ چکی تھی۔ اس سے زیادہ بہتر سلطان کے لئے اور کیا ہو سکتا تھا کہ اس کے حریف آپس میں جھگڑیں۔ لہٰذا اس نے طے کیا کہ پانی کو ذرا اور گدلا کیا جائے چنانچہ اس نے ایک بکری کے بچہ کی شیرینی اور معصومیت سے ریمنڈ کو ایک نہایت خطرناک تجویز پیش کی۔ اس نے درخوات کی کہ مسلمانوں کے تعزیری لشکر کو Tiberias سے گزر کر اندرونی عیسائی علاقوں پر حملہ کرنے کی اجازت دی جائے تا کہ وہ شیتلان (Chatillon) کے قافلہ پر حملہ کا انتقام لے سکے۔ اس درخواست سے ریمنڈ ایک ناممکن صورتحال میں پھنس گیا۔ اگر وہ سلطان سے انکار کرتا ہے تو Tiberias اس کے غضب کا نشانہ بن جائے گا لیکن اگر وہ اس کی اجازت دیتا ہے تو یہ اس کے عیسائی بھائیوں کے ساتھ غداری ہوگی۔ بہر حال چونکہ وہ ایک سیاستداں اور صلح پسند انسان تھا اس نے ایک کمزور سمجھوتہ کی کوشش کی۔ اس نے کہا کہ سلطان کا لشکر اس کے ملک سے بلا مدافعت گزر سکتا ہے بشرطیکہ وہ طلوع آفتاب سے قبل داخل نہ ہو اور غروب آفتاب تک باہر نکل جائے۔ مزید یہ کہ اس کے شہروں اور گاؤوں پر حملہ نہ کیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے لوگوں کی تسلی کے لئے Templars اور Hospitalars کے سرداروں کو بھی خبردار کر دیا کہ صلاح الدین کی مہم شروع ہونے والی ہے۔ اور اپنے ملک کے باشندوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے گھروں میں بند رہیں اور دشمن کے لشکر کو بلا مدافعت گزرنے دیں اور انہیں کسی طرح حملہ کرنے کا بہانہ نہ دیں۔ ظاہر ہے کہ ریمنڈ کا یہ خفیہ معاہدہ Templars کے بنیادی اصول شجاعت کے

بالکل منافی تھا۔ وہ کسی صورت میں بھی ارض مقدس کی توہین کی اجازت نہیں دے سکتے تھے۔ ان کی تو سب سے زیادہ مقدس قسم یہ تھی کہ "یہ سب سے پہلے حملہ کریں گے اور سب سے آخر میں پیچھے ہٹیں گے۔" کیا وہ خاموش رہیں اور چھپ جائیں جبکہ کفار اس مقدس سرزمین کو پامال کریں؟ ہرگز نہیں! وہ جنگ میں احتیاط تو کریں گے لیکن دشمن کی برتری سے کبھی مرعوب نہیں ہوں گے۔ ان کا ایمان تو Leviticus، باب نمبر ۲۶، سطور نمبر ۷، ۸ تھا جہاں کہا گیا ہے کہ "اور تم دشمنوں کا تعاقب کرو گے۔ وہ تمہاری شمشیر سے ہلاک ہوں گے۔ تمہارے پانچ آدمی سو کا پیچھا کریں گے اور سو آدمی دس ہزار کو بھگائیں گے۔ اور تمہارے دشمن تمہاری تلوار سے قتل ہوں گے۔"

عیسائی کلینڈر کے مطابق یکم مئی St James اور St Philip کی ضیافت کا تہوار ہے۔ اس دن علی الصبح مسلمانوں کا لشکر Jacob's Ford کے مقام پر دریائے اُردن کو پار کر کے Galilee کے نشیبی علاقہ میں داخل ہوا۔ اگرچہ ان کا مقصد صرف صورتحال کا جائزہ لینا تھا لیکن وہ جنگ کے لئے پوری طرح تیار تھے۔ یہ قدم جان بوجھ کر دشمن کو مشتعل کرنے کے لئے اُٹھایا گیا تھا اور ساتھ ہی (ریمنڈ) Raymond کی وفاداری کا امتحان بھی لینا تھا تا کہ وہ ایک صاف فیصلہ کرنے پر مجبور ہو جائے۔ اس بارے میں سلطان کسی خود فریبی میں مبتلا نہیں تھا، اسے یقین تھا کہ اگر ریمنڈ کو زیادہ دھکیلا جائے تو وہ شیطان کا ساتھ دے گا۔ قرآن کہتا ہے: "شیطان تو صرف دھوکہ دینے ہی کے لئے وعدہ کرتا ہے۔" اس سلسلہ میں خود صلاح الدین ایوبی لکھتا ہے: "وہ محض ہمیں استعمال کرتا ہے تا کہ اپنے حالات درست کر سکے اور اپنے فرنگی مخالفین پر رعب ڈال سکے۔" خبر ملتے ہی Templars نے ایک ہی رات میں Caco اور La Fave کے مورچوں سے ۸۰ سوار جمع کر لئے اور Hospitalers بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے جن میں ان کا سردار (Master) Roger des Moulins (راجر دے مالاں) بھی تھا جو یروشلم کے بادشاہ کی طرف سے مصالحت کرانے کے لئے Tiberiaz جا رہا تھا۔ اس کے علاوہ Nazareth میں تعینات شاہی سواروں کے دستہ میں بھی ۴۰ جنگجوان کے ساتھ ہو گئے یہ لوگ

قبل از فجر کوہ Tabor کی پہاڑیوں میں کافروں کی تلاش میں روانہ ہوئے۔ دوپہر کے کچھ بعد یہ قابل بھروسہ جماعت Spring of Cresson کے مقام پر کہ جو Nazareth سے صرف دو میل دور تھا، مسلمانوں کے لشکر سے مدمقابل ہوئی۔ اسلامی لشکر کے سپاہیوں کی تعداد سات ہزار تھی اور وہ گردونواح کا جائزہ لے کر واپس ہو رہے تھے۔ دراصل انہیں فخر تھا کہ انہوں نے اس دورہ میں حسب وعدہ کسی قلعہ یا آبادی کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ سچے اسلامی لشکر کو دیکھ کر عیسائی سرداروں میں اختلاف ہو گیا۔ Moulins اور Templars کے ایک افسر بر اور James Mailly (جیمس میلی) کی رائے تھی کہ اتنے کثیر التعداد دشمن پر حملہ کرنا حماقت ہوگی لیکن Templars کے Master (سردار) Gerard de (ژیرادے رائی فو) نے اُنہیں بزدلی کا طعنہ دیا۔ یہ سن کر Moulins طیش سے بل کھا گیا۔ اس نے کہا کہ وہ ان پاگل کتوں سے نہیں ڈرتا جو آج اکڑ رہے ہیں اور کل جہنم کی آگ کا ایندھن بنیں گے لیکن پھر بھی وہ ان پر حملہ کرنے کے خلاف ہے۔ Gerard نے Templars کے بنیادی اصول اور ان کی قسم کا حوالہ دیا۔ اس نے منع کرنے والوں کی اس دلیل کا مذاق اُڑایا کہ زیادہ تعداد کے دشمن پر حملہ نہ کیا جائے۔ یا انجیل کے Joshua 23:10 میں یہ نہیں لکھا کہ:۔ ''تمہارا ایک آدمی ایک ہزار کا پیچھا کرے گا۔ چونکہ خداوند جو تمہارا آقا ہے وہی تمہاری طرف سے جنگ کرتا ہے جیسا کہ اس نے وعدہ کیا ہے'' اس نے چیخ کر کہا: ''ذرا اپنے اجداد کو یاد کرو ان کا فرض تھا کہ وہ چرچ اور صلیب پر چڑھائے ہوئے آقا کے قانون کی حفاظت کے لئے جنگ کریں، جو ان کی وراثت تھی جو ایک عرصہ سے تمہیں سپرد کی گئی ہے۔ اس نے اُنہیں یاد دلایا کہ تمہارے آباء و اجداد تعداد کی طاقت سے نہیں بلکہ ایمان وحق اور فرمان الٰہی کو بجالانے کی بدولت دشمن پر غالب ہوئے یہ کہہ کر اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور دشمن پر حملہ آور ہوا اس کے مجنون Temple کے برادران بھی اس کے ساتھ دوڑ پڑے۔ ایسی صورت میں باقی شش و پنج میں پڑنے والوں کے پاس کوئی اور چارہ کار نہ رہا لہٰذا وہ بھی ان کے ساتھ شریک ہو گئے۔ حالانکہ مسلمان Templars اور Hhspitalers

سے خصوصی نفرت کرتے تھے اور کسی حد تک ان سے خائف بھی تھے لیکن یہ خلاف توقع حملہ ان کے لئے ایک مضحکہ خیز منظر بن گیا ہوگا۔ جیسا کہ ان کی تربیت تھی اُنہوں نے حملہ آوروں کے لئے صفیں کھول دیں اور جب وہ اندر گھس آئے تو ہر طرف سے گھیر کر ان کا قتل عام شروع کر دیا۔ Moulins سمیت ساٹھ عیسائی مارے گئے جن کے سر کاٹ کر نیزوں پر آویزاں کئے گئے۔ مگر یہ ایک معجزہ تھا کہ Ridefort اپنے Temple کے چار برادران کے ساتھ بچ نکلا۔ اگرچہ وہ بری طرح زخمی ہوا لیکن پھر بھی کسی نہ کسی طرح Nazareth پہنچ گیا۔ جہاں پہنچتے ہی بیہوش ہو کر گر پڑا۔ وعدے کے مطابق اسلامی لشکر غروب آفتاب سے پہلے Tiberias سے باہر نکل گیا۔ حالانکہ انہوں نے حسب وعدہ کسی قلعہ یا آبادی کو نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ لیکن ان کے نیزوں پر عیسائی جانبازوں کے سر آویزاں تھے۔ اپنی فصیلوں کے روبرو اس خونی منظر کو دیکھ کر Raymond سخت متاثر ہوا۔ اس قتل و غارت کا رد عمل بہت سخت ہوا۔ جب اسے Ridefort کے تکبر اور حماقت کی تفصیلات معلوم ہوئیں تو اُسے سخت غصہ آیا لیکن Ridefort اور اس کے ساتھی بھی Raymond کی غداری پر طیش میں بھرے ہوئے تھے۔ ان کی رائے میں اگر ریمنڈ دشمن کے ساتھ معاہدہ نہ کرتا تو ایسی تباہی ممکن نہ تھی۔ لیکن لاطینی سلطنت کے لئے یہ سانحہ اور بھی نقصان دہ تھا۔ وہ سو سے زیادہ سوار ضائع نہیں کر سکتے تھے، ان کے پاس تمام ارض مقدس کے دفاع کے لئے کوئی بارہ سو قابل بھروسہ سوار تھے۔ Nazareth میں یروشلم کے بادشاہ کا سفیر Balian of Abelin تھا۔ وہ اس بدقسمت مہم میں حصہ لینے سے صرف اس لئے بچ گیا کہ اسے یاد رہا کہ یہ سینٹ فلپ اور سینٹ جیمس کا تہوار تھا۔ لہٰذا وہ پہلے صبح کی عبادت کے لئے گیا وہاں سے نبٹ کر جب وہ Templars کے قلعہ La Feve (لافیو) پہنچا تو وہ سب جا چکے تھے۔ اب وہ ان کے ہوش اڑا دینے والی خبروں کو لے کر Tyra کے Arch Bishop کے پاس گیا جس کا نام Josias تھا۔ دوسرے دن Raymond کے بھیجے ہوئے محافظی دستے کے ساتھ یہ وفد Tiberias روانہ ہوئے۔ Raymond نے ان کا

پرتپاک خیر مقدم کیا گو کہ ان کے غضبناک رویے کی اسے توقع تھی۔ عرب ذرائع کے مطابق خود Raymond کے اپنے سپاہیوں نے بھی اس کی ملامت کی۔ ایک نے کہا کہ تم یقیناً مسلمان ہو گئے ہو ورنہ تم اسے کبھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ تم نے کافروں کو اپنے علاقہ سے گزرنے کی اجازت دی کہ وہ Templars اور Hospitalers کو قتل کریں اور انہیں قیدی بنائیں اور تم یہ سب کچھ دیکھتے رہے اور اُن کی کوئی مزاحمت نہ کی۔'' یہی ذریعہ بتاتا ہے کہ Arch bishop Josias نے ریمنڈ کو عیسائیت سے خارج کر دینے کی دھمکی دی جس پر Balian ان کے درمیان آ گیا اور اس نے ان کے غصہ کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ وہ ایک شریف اور صلح پسند انسان تھا۔ Raymond بھی سخت پشیمان تھا اور اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کس طرح اس کی تلافی کرے۔ شاید اسے پہلے ہی اس نوعیت کو سمجھ لینا چاہئے تھا۔ لیکن اس کا مقصد ہرگز کسی عیسائی کو نقصان پہنچانا نہیں تھا اور Moulins تو اس کے عزیز ترین دوستوں میں سے تھا۔ اس نے بڑی عاجزی سے معافی مانگی اور یہ وعدہ کیا کہ وہ اپنی عیسائی برادری کی ہر طرح خدمت و قربانی کو تیار ہے۔ اس نے پوچھا کہ اسے بتایا جائے کہ اب وہ کیا کرے۔ ان کا مطالبہ بھی زیادہ گراں نہ تھا۔ سفیر نے جواب دیا کہ وہ ان کے ساتھ یروشلم جائے اور بادشاہ سے معافی مانگے اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کا از سر نو حلف اُٹھائے۔ Raumond فوراً راضی ہو گیا اور جلد ہی یہ وفد یروشلم کے لئے روانہ ہوا۔ اس کے علاوہ ریمنڈ سے یہ بھی مطالبہ کیا گیا کہ صلاح الدین کے نمائندوں کو فوراً باہر نکالے اور اپنے تمام فوجی ذرائع بادشاہ کی خدمت میں حاضر کرے چونکہ اس وقت ارمقدس سخت خطرہ میں ہے اور خود عیسائیت کی بقاء کا سوال ہے جس کے دفاع کے لئے غیر معمولی قربانی اور کوشش کی ضرورت ہے۔ ریمنڈ نے ان تمام شرائط کو قبول کیا۔ Cresson کی جنگ کی ان منحوس خبروں سے دور دور تک کھلبلی مچ گئی اور حسب دستور طرح طرح کی داستانیں گشت کرنے لگیں۔ مثلاً James of Mailly کہ جو Temple کا مارشل تھا اور جس نے ابتداء کثیر تعداد دشمن پر حملہ کرنے کی مخالفت کی تھی اور جسے اس کے ماسٹر Ridefort نے بزدلی

کے طعنے دیئے تھے اب ایک لافانی ہیرو بنا دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ہزاروں دشمنوں میں گھر جانے کے باوجود حملے کرتا رہا اور مسلمان اس کی دلیری سے ایسے متاثر و مرعوب ہوئے کہ اس سے منتیں کرنے لگے کہ وہ ہتھیار ڈال دے لیکن اس نے ایک نہ سنی چونکہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کی خاطر مرنے سے نہیں ڈرتا تھا۔ حالانکہ وہ پتھروں نیزوں اور تلواروں کی بارش سے ڈھکا ہوا تھا لیکن پھر بھی برابر لڑ رہا تھا۔ بالآخر بڑی مشکل سے وہ قتل کیا گیا اور اس کی روح شادمان و کامران شہادت کے پروں پر جنت کی طرف پرواز کر گئی۔ اس کی موت شاندار ہوئی چونکہ اس کے چاروں طرف مقتول دشمنوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ یہ بھی اس کے لئے ایک شیریں موت تھی کہ اس کے جسم کے اردگرد ایک وسیع دائرہ تھا ان دشمنوں کا جنہیں اس نے موت کے گھاٹ اُتارا تھا۔ بعد میں اس کہانی کو مزید زیبائش دی گئی اور کہا گیا کہ وہ سفید زرہ بکتر پہنے ایک سفید گھوڑے پر سوار تھا۔ جلد ہی یہ گمان کیا گیا کہ شاید وہ خود ہی St George تھا۔ پھر بھی الزامات باقی رہے اور سرداروں اور راہبوں میں اس کی تلخی باقی رہی۔ Raymond پر غداری کی بو قائم رہی۔ Cresson کے سانحہ کی خبر بالآخر روم بھی پہنچی چونکہ Ridefort بہ حیثیت Temple کے ماسٹر کے کسی دنیاوی افسر کا ماتحت نہیں تھا وہ براہ راست پوپ کا ماتحت تھا۔ لہٰذا اس نے پوپ کو براہ راست مطلع کیا۔ اس وقت پوپ Urban III تھا، اس نے اس اطلاع کو انگلستان کے پادریوں کو بھیجا اور ان سے درخواست کی کہ وہ ارض مقدس کے دفاع کے لئے ہر ممکن مدد کریں۔ اس نے لکھا: ” Temple کا ماسٹر کہتا ہے کہ اس جنگ میں جانی نقصان کے علاوہ گھوڑوں اور سامان جنگ کا بھی شدید نقصان ہوا ہے اور یہ بدذات قوم اپنے ناجائز مقصد کے حصول کے لئے غیر معمولی طور پر مشتعل اور کوشاں ہے۔ پس چونکہ ہم بالخصوص اس سرزمین کے تحفظ کے ذمہ دار ہیں اور وہاں کے دفاع کے لئے سخت متفکر ہیں تمہیں بہ حیثیت بھائی کے پکارتے ہیں اور یہ حکم دیتے ہیں کہ تم اپنے ملک کے تمام شہزادوں، سرداروں اور اہل ایمان پر زور دو کہ وہ اللہ تعالیٰ سے گناہ بخشوانے اور نجات حاصل کرنے کے لئے اپنی قوت بازو سے عیسائیت کی ارض مقدس میں مدد کریں۔ وہ اس کار خیر میں دیرینہ

کریں اور اپنے Temple کے بھائیوں کو جلد از جلد گھوڑے اور ہتھیار فراہم کریں تا کہ وہ اس سرزمین کا دفاع کر سکیں۔'' پس جیسا کہ عموماً تمام جنگوں میں ہوتا ہے اس تیسری صلیبی جنگ کا آغاز بھی گھوڑوں اور ہتھیاروں کی درخواست سے ہوا۔ اس وقت واقعی سو سے زیادہ گھوڑے ضائع ہو جانے کا نقصان لاطینی سلطنت کے لئے ایک شدید دھچکا تھا۔ لیکن کیا گھوڑوں کے ساتھ سواروں کی فراہمی کی درخواست میں دیر ہو سکتی تھی۔ اس سے کہیں زیادہ بدتر خبر روم کو ملنا تھی۔

ارے ان کے شیر تو کچھوے نکلے: جب اُسے Cresson کے میدان جنگ کی شاندار فتح ملی تو صلاح الدین اس وقت Tell Ashterath کی چھاؤنی میں مقیم تھا۔ یہ جگہ بحر Galilee کے مشرق میں واقع ہے جہاں میٹھا پانی دستیاب ہے اور جہاں سے Kerak یا Gililee دونوں جانب فوجی مہم ممکن ہے۔ اسے یہ اطلاع اپنے بڑے لڑکے ملک الافضل کے خط سے ملی جس کی عمر اس وقت سولہ سال تھی اور اس کا یہ پہلا جنگی تجربہ تھا۔ اس کا خط شاعرانہ انداز میں تشبیہات اور استعاروں سے معمور تھا۔ اس نے لکھا تھا: ''فتح ایک حسین دوشیزہ ہے جسے حاصل کرنا بہت مشکل ہے۔ اُسے وہی مرد پا سکتے ہیں جو اس کا مہر ادا کرنے اور اس کی حفاظت کرنے کے لائق ہوں۔ اب جبکہ اس کے بیٹے نے ایک مختصر معاشقہ کے بعد اس دوشیزہ کو حاصل کر لیا ہے وہ اس شکاری اعظم کو یہ خوشخبری سناتا ہے کہ اس نے اپنے باپ کے نقش قدم پر چل کر بزور شمشیر فتح حاصل کی ہے۔'' اپنے مخالفین کی احمقانہ شجاعت کو کچلنے کے بعد صلاح الدین کو مستقبل کے لئے مزید شاندار مواقع نظر آئے۔ اس نے خیال کیا کہ اب وہ وقت آ گیا ہے کہ وہ خبیث شتیلان (Chatillon) کے خلاف کہ جو اپنے ناقابل تسخیر قلعہ میں محفوظ ہے، اپنے ذاتی انتقام کو بھلا دے اور موجودہ حالات سے فائدہ اُٹھانے کی طرف دماغ لڑائے۔ لہٰذا وہ اپنے خاص لشکر کے ساتھ شمال کی طرف بڑھا تا کہ وہ اپنے ساتھ ہزار فوجی دستہ سے ملے جو Cresson سے واپس آ رہے تھے۔ اس کے علاوہ بدوؤں اور کردوں کے کچھ لشکر بھی الیپو اور موصل سے آ کر اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اس طرح اسلامی فوج کی تعداد اب پچیس ہزار ہو گئی۔ موجودہ

صورتحال پر غور کرنے کے لئے سلطان نے مجلس شوریٰ طلب کی۔ کچھ لوگوں نے مشورہ دیا کہ دشمن کو جابجا دور دراز مقامات پر حملے کر کے ہراساں کیا جائے تاکہ اس کے جنگی ذرائع کمزور ہوں۔ اور یہ تدبیر ابھی تک کامیاب رہی ہے۔ اس کے برخلاف اگر تمام عیسائی فوج پر روبرو حملہ کیا جائے تو اس میں ان کا فائدہ ہوگا۔ چونکہ ابھی تک بعض مقامی سردار متحد نہیں ہوئے تھے اس لئے ان کے حوالہ سے ایک امیر نے کہا: ''مشرق کے لوگ ہمیں ملامت کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ہم بجائے کافروں کے مسلمانوں سے ہی جنگ کر رہے ہیں۔ ہمیں ایسا قدم اُٹھانا چاہئے کہ ان کے منہ بند ہوں۔'' بالآخر صلاح الدین نے کہا کہ وہ خوب جانتا ہے کہ اس وقت اسلام تاریخ کے ایک نازک دور سے گزر رہا ہے لیکن پھر بھی اس نے اصرار کیا کہ دشمن کی پوری طاقت پر اسلام کی پوری طاقت سے ضرب لگانا چاہئے۔ ''حالات انسان کے بس میں نہیں ہوتے اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے پاس کتنا وقت باقی ہے، لہٰذا یہ حماقت ہوگی کہ ہم بجائے دشمن پر پوری قوت سے یک مشت حملہ کرنے کے اپنی فوج کو جابجا حملے کر کے تتر بتر کریں۔'' اس نے اپنے لشکر کی باقاعدہ تنظیم کی اور اس کا قلب اور دو بازو بنائے اور ایک ہراول اور ایک عقب کا دستہ تعینات کیا۔ اسی اثنا میں Archbishop of Ture, Balian of Abelin اور ریمنڈ نابلوسؔ روانہ ہوئے تاکہ وہاں ریمنڈ یروشلم کے بادشاہ سے عوام کے سامنے معافی مانگے۔ ریمنڈ اپنی غلطی پر بہت پچھتا رہا تھا اور ان واقعات سے سخت شرمندہ تھا۔ بہرحال نابلوس میں لاطینی سلطنت کے دو متضاد جزو آمنے سامنے ہوئے۔ وہاں شریف الطبع اور ہر دل عزیز ریمنڈ یروشلم کے غیر ہر دل عزیز اور نابکار بادشاہ Guy de Lusignan کے قدموں پر گر کر معافی مانگنے پر مجبور ہوا۔ اُنہوں نے وہاں دوستی اور مصالحت کا خاصہ ڈرامہ پیش کیا۔ پھر وہ یروشلم پہنچے جہاں ایک شاندار جلوس نکالا گیا اور رنگ برنگے جھنڈے ہلا ہلا کر قومی ترانے گائے گئے اور خوب عیسائیت کا دفاع کیا گیا۔ پھر ریمنڈ کو حکم دیا گیا کہ وہ La Safouri کے چشموں کے مقام پر جا کر شاہی فوج سے ملے۔ حالانکہ طرح طرح کے بے شمار جھنڈے لہرائے جا رہے تھے اور قومی اتحاد کی لمبی چوڑی تقریریں

ہو رہی تھیں اور چرچ کے اعلیٰ قدر نمائندے بھی ہر طرح اپنے متبرک وعدوں سے عوام کی دل جوئی میں مصروف تھے لیکن پھر بھی فضا مکدر تھی، خوش باشی یا خود اعتمادی کا فقدان تھا اور ملک کی سیاسی اور فوجی کمزوری پوشیدہ نہ تھی۔ بعد میں جب کچھ چشم دیدہ گواہوں نے یہ تاریخ لکھی تو انہوں نے قہر الٰہی اور قرب قیامت کا نقشہ کھینچا اور لکھا کہ: ''مختلف علامات آنے والی تباہی کی پیشین گوئی کر رہی تھیں مثلاً قحط، زلزلہ اور سورج و چاند کا گرہن ہونا۔'' فی الحقیقت ۱۱۸۶ء، ۱۱۸۷ء میں چھ بار چاند اور دو بار سورج گرہن ہوئے۔ ۲۶/مارچ ۱۱۸۷ء میں جبکہ صلاح الدین کا لشکر Golan Heights میں جمع ہو رہا تھا لندن پر تین چوتھائی چاند گرہن ہوا۔ اور اسی دور میں پانچ اہم ستاروں کا بھی ایک غیر معمولی اجتماع ہوا جس سے نجومی سخت متفکر ہوئے۔ Cresson کی تباہ کن جنگ کے تین ہفتہ بعد ہی Jupiter اور Saturn کا ملاپ ہوا جس نے مشہور نجومی Magi کے قول کی تصدیق کی۔ اس نے کہا تھا: ''جیسا کہ قدیم نجومی کہہ چکے ہیں ان ستاروں کے ملنے سے ایک زبردست آندھی چلے گی جو دنیا کے چاروں کونوں کو ہلا دے گی۔ اور پھر دنیا بھر میں جنگ و فساد برپا ہو جائے گا۔'' جب عیسائی فوج La Safouri نامی قلعہ پر جمع ہوئی تو بادشاہ کے افسر خاص نے ایک عجیب اور ہیبت ناک خواب دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ عیسائی لشکر پر ایک عقاب پرواز کر رہا ہے جس کے پنجوں میں سات تیر اور ایک کمان ہے اور وہ چیخ رہا ہے: ''اے یروشلم تیری تباہی ہے۔'' خوف سے لرز کر اس کی آنکھ کھل گئی اور اس نے فوراً انجیل کی ورق گردانی کی۔ اس کی نظر آیت نمبر ۷ پر پڑی جس میں کہا گیا ہے: ''خداوند نے کمان تان لی ہے اور اسے ہلاکت کیلئے تیار کر لیا ہے۔'' پھر کیا اس خوب کی یہ تعبیر نہیں کہ یہ سات تیر عیسائی سپاہیوں کے سات گناہ کبیرہ کی پاداش میں روانہ کئے گئے ہیں اور صلاح الدین قہر الٰہی کی تکمیل کے لئے آلۂ کار ہے!

ویسے بظاہر تو عیسائی فوج مسلمانوں سے نبٹنے کے قابل تھی۔ آخر برسہا برس سے عیسائیوں اور مسلمانوں میں جنگیں ہو ہی رہی تھیں اور ان خونریز معرکوں میں کبھی ایک فریق غالب ہوتا تو کبھی دوسرا۔ لیکن بنیادی توازن میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مخالفین ایک دوسرے کی طاقت اور کمزوری کو

جانتے تھے اور ایک دوسرے کی چالوں سے خوب واقف تھے۔ حالانکہ ۱۰۹۸ء کی پہلی صلیبی جنگ کے بعد عیسائی سلطنت کا کچھ حصہ ضائع ہو گیا تھا لیکن پھر بھی باوجود متعدد جنگوں کے یہ سلطنت ۸۰ سال سے قائم تھی۔ دراصل یہ تنظیم اور فوجی شمار کے درمیان ایک رسہ کشی تھی۔ چونکہ مسلمان فوج کی تعداد بہت زیادہ تھی اس لئے صلاح الدین کے لئے منطقی طور پر غلطی کرنے کی زیادہ گنجائش تھی۔ مثلاً دس سال پہلے اس نے Mt Giscard (ماؤنٹ جسکا) کے پاس جنگ میں اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کی بنیادی غلطی کی جس کی بدولت اس نے Templars کے ہاتھوں بری طرح شکست کھائی۔ عیسائیوں نے اس بظاہر بے شمار فوج کے دفاع کے لئے سنگین اور نا قابل تسخیر قلعوں کا جال بچھایا ہوا تھا۔ لیکن جب اسلامی لشکر بحر گلیلی (Galilee) کے مشرق میں جمع ہوا تو صلیبی فوج سخت مشکل میں پھنس گئی۔ گو کہ صلاح الدین نے متعدد فتوحات حاصل کی تھیں لیکن اسے شکستیں بھی ہوئی تھیں۔ اب یروشلم کے بادشاہ Guy نے تمام سلطنت میں خطرہ کا اعلان کرایا کہ کافروں کی فوج عیسائی سلطنت کی سرحدوں پر جمع ہو رہی ہے جس کے دفاع کا انتظام کیا جا رہا ہے۔ اس نے ہر شخص کو جو اس مذہبی جنگ میں حصہ لے بڑی فراخ دلی سے معاوضہ دینے کا وعدہ کیا، یہی نہیں اس نے ایک آخری قدم اور اٹھایا۔ اس نے یروشلم کے پادری اعلیٰ کو حکم دیا کہ وہ مرقد مقدس سے اصلی صلیب (جس پر نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ صلیب پر چڑھائے گئے تھے) بھیجے گزشتہ ۸۰ سالوں میں عیسائیوں کا یہ مقدس ترین تبرک بیس دفعہ میدان جنگ میں لایا گیا تھا۔ اس سے چار سال پہلے ہی ۱۱۸۳ء میں شام پر حملہ کرتے ہوئے اسے استعمال کیا گیا تھا اور یہ خیال تھا کہ اس کی برکت سے ہی صلاح الدین اُس وقت پیش قدمی نہ کر سکا۔ اب اسے Acre اور Lydda کے اعلیٰ پادریوں کے سپرد کیا گیا اور عیسائی فوج کے قلب میں رکھا گیا۔ اب عیسائی فوج اپنے آقا کی حامل اور محافظ تھی۔ دشمن کے مقابلہ میں یہ ان کا آخری دفاع تھا۔ بادشاہ نے اس خزانے کے سرمائے کو بھی کھول دیا جسے انگلستان کے بادشاہ ہنری ہفتم نے Thomas Becket کے قتل کے جرم کی پاداش میں پوپ کے حکم سے فراہم کیا تھا تا کہ اس

سے Templars کی مدد کی جائے۔ عیسائی فوج کی تعداد دل ڈرادینے والی تھی۔ اس فوج میں Cresson کی جنگ میں ضائع ہوجانے کے باوجود بارہ ہزار سوار تھے جو تقریباً صلیبی سلطنت کے سواروں کی کُل تعداد تھی۔ ان کی معاونت کے لئے بیس ہزار پیدل بھی تھے۔ صلیبی سلطنت کی یہ سب سے بڑی فوج تھی جو کبھی بھی دشمن کے مقابلہ میں بھیجی گئی۔ La Safouri نظارتؔ (Nazareth) سے کچھ ہی فاصلہ پر تھا۔ اور یہ ایک بڑی فوج کی تنظیم کے لئے ایک روایتی مقام تھا۔ یہ قلعہ ایک پہاڑی پر واقع تھا جہاں کبھی رومیوں کے دور میں ایک خوبصورت شہر ہوا کرتا تھا۔ رومیوں نے وہاں زمین دوز نہریں اور فوارے تعمیر کئے تھے۔ یہاں لاطینی سلطنت کا سب پانی کا سب سے بڑا ذخیرہ تھا قلعہ کا نشیبی علاقہ وادئ ریمنؔ (Rimmon Valley) کے نام سے مشہور تھا۔ یہ وادی ہر طرح کے اناج، پھل اور ترکاریوں سے مالا مال تھی۔ یہ وہ کھیت تھے جہاں Matthews 12:1 اور Luke 6:1 کے مطابق حضرت عیسیٰ اپنے حواریوں کے ساتھ چلے پھرے تھے جہاں انہوں نے غلہ کو بالیوں سے توڑ کر کھایا تھا اور ان کی والدۂ مقدس حضرت مریم کے اوالدین Joachim (یواخم) اور Anne بھی La Safauri کے ہی باشندے تھے۔ لہٰذا جب تک فوج اس زرخیز وادی میں جہاں کافی دانہ پانی دستیاب تھا حصار بند رہی وہ محفوظ تھی۔ اس پرآشوب زمانہ میں دشمن کی طاقت کے بارے میں بہت سی بے پر کی افواہیں اُڑ رہی تھیں جن کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ خلیفہ کے مبلغین نے ایشائے کوچک کے نوجوانوں کو بہت بھڑکا دیا تھا۔ درحقیقت اسلامی لشکر کی تعداد عیسائیوں سے کچھ زیادہ نہ تھی۔ ہوسکتا ہے کہ ان کی تعداد تیس ہزار ہو۔ لیکن ان کی تنظیم مختلف تھی۔ صلاح الدین کی فوج کا خاص حصہ شام، میسوپٹامیہ اور مصر کے سپاہی تھے جن میں کُرد عناصر اعلیٰ ترین مانے جاتے تھے اور اکثر یہی لوگ قیادت کیا کرتے تھے۔ ان کے ساتھ ۱۲ ہزار سوار تھے اور تقریباً اتنی ہی تعداد پاپیادہ سپاہیوں کی بھی تھی۔ ان کے سوار ہلکے ہتھیاروں سے مسلح تھے جن کے نیزے سے نرکل سے بنے ہوئے تھے۔ یہ سوار دفاع کے طور پر معمولی روئی کے لبادے پہنے ہوتے تھے۔ یہ غیر معمولی شہسوار

تھے۔ان کے یمنی پستہ قد اور نازک اندام گھوڑے نہایت پھرتیلے اور سبک رفتار تھے۔یہ شہسوار اپنی تیراندازی اور نیزبازی سے دشمن کی صفوں میں خوف وہراس کا باعث تھے۔انہیں دشمن پر یکدم حملہ کر کے تیزی سے واپس ہو جانے کی خاص تربیت دی جاتی تھی۔اسلامی فوج نہایت منظم تھی اور اسے ایک اعلیٰ درجہ کی قیادت بھی حاصل تھی۔اس کے علاوہ اسے ایک اور بڑا فائدہ بھی تھا۔ان سب کی زبان عربی تھی۔گوکہ ان کی تعداد عیسائی فوج کے تقریباً برابر ہی تھی لیکن بالخصوص اس کی فتح کے بعد اس کے بارے میں بہت مبالغہ کیا گیا۔پوپ کو اطلاع دی گئی کہ دشمن کی تعداد اسی ہزار تھی۔کچھ اور ذرائع نے اس کی تعداد ایک لاکھ اسی ہزار بتائی بلکہ جنگ کے بعد تو کافروں کی فوج کی تعداد بڑھ کر آٹھ لاکھ ہوگئی۔اسی اثناء میں Count Raymond نے Tibereias میں اپنے قلعہ کو ہر ممکن طور پر محفوظ کیا اور اپنی دلیر بیوی Eschiva کو وہاں ہی چھوڑا،لیکن یہ ہدایت کی کہ اگر صلاح الدین قلعہ کے دفاعی حصاروں کو توڑنے میں کامیاب ہو جائے تو وہ بذریعہ جہاز بحر گلیلی فرار ہو۔یہ انتظامات کر کے وہ اپنی فوج کے ساتھ بادشاہ کے ساتھ جا ملا۔

اللہ اکبر: اسلامی لشکر نے یکم جولائی کو جنوب کی طرف سے دریائے اُردن پار کیا۔ Hospitalers نے اپنے Galilee کی بلند پہاڑی پر تعمیر کردہ قلعہ Belvoir سے ان کی نقل وحرکت پر کڑی نظر رکھی۔اسلامی لشکر کے اللہ اکبر کے دل شگاف نعروں سے سارا میدان گونج اُٹھا۔صلاح الدین نے بعد میں لکھا ہے کہ اس لشکر کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ سارا میدان اس کے لئے ناکافی تھا اور اس کے گردوغبار سے سورج چھپ گیا تھا۔ابتداً،یہ لشکر Tiberias کو چھوڑ کر مغرب میں Kafr Sabt کی طرف روانہ ہوا۔یہ مقام Cresson سے صرف پانچ میل دور تھا۔صلاح الدین نے اطمینان سے Lubiya کے میدان کا جائزہ لیا جو اس کے شمال میں تھا۔اور کہا اسے امید ہے کہ وہ اس جگہ عیسائیوں کو اس آخری جنگ کے لئے پھانسے گا۔پہلے تو مسلمانوں نے عیسائیوں کو طیش دلانے کے لئے سورج میں تپتے ہوئے بھورے کھیتوں کو آگ

لگائی۔ جب اس کا کوئی اثر نہ ہوا تو انہوں نے کوہ Tabor کی چوٹی کی بے حرمتی کی۔ یہ وہ مقام ہے جہاں حضرت عیسیٰ کو ان کے حواریوں کے سامنے (نعوذ باللہ) صلیب پر چڑھایا گیا تھا اور جہاں ان حواریوں نے چمکدار بادلوں کی اوٹ سے (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کی پکار سنی تھی۔ لیکن خواہ عیسائی اس بے حرمتی سے کتنا ہی طیش میں آئے ہوں پھر بھی وہ جگہ سے نہیں ہلے۔ یہ میدانِ جنگ ان کے لئے موافق نہیں تھا۔ دوسرے دن صلاح الدین نے کسی قدر مایوس ہو کر اور خطرے کا پورا احساس کرتے ہوئے اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ وہ فوج کے اعلیٰ ترین جانبازوں کا دستہ لے کر Tiberias کی جانب روانہ ہوا۔ اس دستہ میں اس کے شخصی محافظ بھی شامل تھے جنہیں وہ پیار سے "اسلام کے انگارے" کہا کرتا تھا۔ وہاں جاتے ہی انہوں نے شہر کی فصیل کا کام تمام کر دیا اور برج کو توڑ کر قلعہ میں گھس آئے۔ شہر فوراً ہی شکست کھا گیا اور بہت سے لوگ مارے گئے۔ لوٹے ہوئے سونے چاندی کے ڈھیر لگ گئے۔ مویشیوں اور گھوڑوں کو پکڑ لیا گیا اور روئی اور تیل کو نذر آتش کر دیا گیا۔ سلطان نے اطمینان سے قرآن مجید پر نظر ڈالی۔ اس نے دیکھا: "انسان کو تو دنیاوی مال و دولت سے عشق ہے۔ عورتیں، اولاد، سونے چاندی کے ذخیرے، چیدہ گھوڑے، مویشی اور زرخیز زمین۔" اس دھواں دھار ماحول میں شہزادی Eschiva اپنے چند محافظوں کے ساتھ قلعہ کی فصیل کے پیچھے چھپی ہوئی تھی۔ اس کے فرار کا راستہ کٹ چکا تھا۔ گھبرا کر اس نے شوہر کو التجا بھیجی: "دشمن نے شہر کا محاصرہ کر لیا ہے اور اب وہ فصیل توڑ کر اندر گھس رہے ہیں۔ فوراً مدد بھیجو ورنہ ہم قید ہو جائیں گے۔" ممکن تھا کہ وہ قلعہ کی گہری خندق پر کسی حد تک دفاع کر سکتے۔ لیکن زیادہ نہیں۔ قاصد نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور جلتی ہوئی فصیل سے کود کر بلا مزاحمت مسلمانوں کی صفوں سے گزر گیا۔ جب خطرہ کی گھنٹی بجی تو بادشاہ نے فوراً اپنے سرداروں کے ساتھ مجلس شوریٰ طلب کی۔

Chatillon (شتیلاں) اور Templars کے جنگجو ماسٹر Ridefort (رائڈ فورٹ) نے بڑے جوش و خروش سے کہا کہ شجاعت کا یہ تقاضہ ہے کہ اس مصیبت زدہ خاتون کی امداد کے لئے فوراً فوج روانہ ہو۔ رائڈ فورٹ نے یوں کہا: "میں تمہیں حکم دیتا ہوں اور میرا اتم

سے یہ مطالبہ ہے کہ تم فوراً Tiberias کی مدد کو پہنچو۔'' اس کے لہجہ سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ فرمان الٰہی کا اعلان کرر ہا ہو۔ یہ بادشاہ کی حکومت کا ابتدائی دور تھا۔ اگر اس وقت اس نے کچھ نہ کیا تو وہ صلاح الدین کی نظر میں احمق ثابت ہوگا اور وہ بدمعاش اس سے فائدہ اُٹھائے گا۔ بالآخر بادشاہ Count Raymond کی طرف متوجہ ہوا جس پر ان واقعات کا سب سے زیادہ اثر تھا۔ جس کی بیوی خطرے میں تھی اور جس کی ملکیت نذر آتش تھی لیکن سب کو حیرت ہوئی جب اس نے ٹھنڈے دماغ سے سوچ سمجھ کر قدم اُٹھانے کا مشورہ دیا۔ اس نے کہا'' آپ کو معلوم ہے یہ گرمی کا شدید ترین مہینہ ہے۔ ہمیں چاہئے کہ مسلمانوں کو انتظار کرنے دیں۔ ہماری قوت اور سخت گرمی ہی انہیں پسپا کردے گی۔ جب وہ واپس ہونے لگیں تو ہم ان کے عقب پر حملہ کردیں۔ اس طرح ہم صلاح الدین پر ایسی ضرب لگائیں کہ اگر خدا نے چاہا تو ہم اور یروشلم کی سلطنت ہمیشہ امن سے رہیں گے۔'' شتیلاں اور رائڈ فورٹ نے نہایت حقارت سے اس تجویز کا مذاق اُڑایا اور کہا کہ'' اس میں تو بھیڑ کے بال ملے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔'' جس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ ریمنڈ کی یہ تجویز اس کی غداری اور بزدلی ظاہر کرتی تھی۔ مجلس کے اختتام کے بعد بادشاہ فوج کا معائنہ کرنے باہر نکلا جس کی تعداد صلیب مقدس کی کشش سے برابر بڑھ رہی تھی۔ جب وہ واپس ہوا تو اس نے اپنے سرداروں کو پھر طلب کیا۔ ریمنڈ نے ایک بار پھر احتیاط کا مشورہ دیا۔ اس نے کہا: '' اعلیٰ حضرت آپ کو معلوم ہے Tiberias میری جائیداد ہے اس لئے اگر اسے کوئی نقصان ہو تو اس کا اثر صرف مجھ پر ہی پڑے گا۔ کسی اور پر نہیں۔ وہاں کی خاتون میری بیوی ہے جس کا کوئی نقصان بھی میں کبھی گوارا نہیں کرسکتا۔ میں نے اس کے لئے رسد کا انتظام کردیا ہے اور یہ ہدایت کردی ہے کہ اگر صلاح الدین کی طاقت اتنی ہو کہ اس کا مقابلہ نہ کیا جاسکے تو وہ سمندر کی طرف فرار اختیار کرے اور وہیں رہے جب تک کہ ہم اس کی مدد کرسکیں۔'' اس نے مزید کہا کہ نہ صرف فوج اس پر حملہ کرے بلکہ وہ پیچھے ہٹ کر Acre کے مضبوط قلعے میں مورچہ بنائے۔ اس تدبیر نے ہمیشہ عیسائی فوجوں کی مدد کی ہے۔ اس نے کہا: '' میں صلاح الدین کو خوب جانتا ہوں۔

اس کی غیرت یہ بھی گوارا نہیں کرے گی کہ وہ جنگ کئے بغیر اور آپ پر حملہ کئے بغیر ہمارے علاقہ سے واپس ہو جائے۔ اگر خدانخواستہ جنگ ہمارے لئے خلاف ہوئی تو ہم Acre کے پاس Acre کے قلعہ میں محفوظ ہو جائیں گے، لیکن اگر خداوند نے ہمیں فتح دی تو ہم اسے گھر تک بھگا دیں گے۔ وہ ایسا کمزور ہو جائے گا اور اس کی کمر ایسے ٹوٹے گی کہ وہ پھر کبھی کھڑا نہیں ہو سکے گا۔ ''شتیلاں نے پھر وہی طعنہ دیا کہ یہ سب تو بھیڑ کے بال ہیں۔'' ریمنڈ نے اسے نظرانداز کرتے ہوئے کہا: ''اگر یہ سب ایسا نہ ہو جیسا کہ میں کہہ رہا ہوں تو آپ میری گردن مروا دیں۔'' لیکن شتیلاں نے ایک نہ سنی۔ اس نے کہا: ''تم نے ہمیں مسلمانوں سے ڈرانے کی سخت کوشش کی ہے۔ ظاہر ہے کہ تمہاری ہمدردیاں ان ہی کے ساتھ ہیں ورنہ تم ایسے نہیں بولتے۔'' اس دفعہ سردار اس عقاب کی طرف ہو گئے اور انہوں نے نعرہ مارا ''چلو Tiberias اور اس خاتون کو بچاؤ۔'' ریمنڈ کے سوتیلے بیٹے جو اس کی بیوی کے پہلے شوہر سے پیدا ہوئے تھے، بھی ان عقابوں کے طرف دار ہو گئے۔ اور انہوں نے رو رو کر بادشاہ سے التجا کی کہ ان کی ماں کو بچایا جائے۔ اس وقت شجاعت کا جذبہ غالب تھا۔ لیکن اپنے طبعی رجحان کے مطابق بادشاہ ایک بار پھر پس و پیش میں مبتلا ہو گیا اور سردار بھی اسی کشش و پیچ میں پڑ گئے، کبھی تو وہ رائڈفورٹ کے ساتھ اور کبھی ریمنڈ اور Hospitalers کے ساتھ ہوتے۔ یہ مباحثے بدستور جاری رہے بالآخر ۳ رجولائی کو اکثریت پھر ریمنڈ کی طرف دار ہو گئی۔ درحقیقت عیسائیوں کے پاس اتنی فوج نہیں تھی کہ وہ صلاح الدین کو Tiberias سے بے دخل کر سکتے۔ ریمنڈ نے مشورہ دیا کہ اگر صلاح الدین Tiberias فتح کر لے تو وہ خود بخود اسے چھوڑ دے گا۔ اس وقت پھر غیرت اور عاقبت اندیشی کے درمیان بحث چھڑ گئی۔ تاہم شام ہونے تک عاقبت اندیشی غالب آ گئی۔ فوج کے سردار مطمئن ہوئے کہ چند دن اس زرخیز علاقہ میں جہاں کھانا اور پانی کافی مقدار میں موجود ہے آرام کیا جائے تاکہ مزید سپاہی جمع ہو سکیں اور پھر حالات کا جائزہ لیا جائے۔ رات کو Temple کا سردار (Master) خاموشی سے تنہا بادشاہ کے خیمہ میں داخل ہوا۔ وہ ذاتی طور سے ریمنڈ سے سخت

بغض رکھتا تھا چونکہ ریمنڈ نے ایک دفعہ اس کے ساتھ وعدہ خلافی کی تھی۔ اس نے کہا: ''اعلیٰ حضرت آپ ریمنڈ پر اعتماد نہ کریں۔ وہ غدار ہے۔ آپ جانتے ہیں وہ آپ کو نہیں چاہتا اور محض آپ کو بدنام کرنے کا خواہاں ہے۔ میری یہ رائے ہے کہ ہم فوراً نکلیں اور صلاح الدین کو مار بھگائیں۔ اس بار اس نے اپنی دلیل کو شجاعت و بزدلی کی کسوٹی تک پہنچا دیا۔ تین سال پہلے جب Guy یروشلم کے بادشاہ کا قائم مقام تھا اس نے Tubania کے چشموں کے پاس آٹھ دن تک صلاح الدین پر حملہ کرنے میں پس و پیش کی تھی جو سلطنت کے قوانین اور شجاعت کے بنیادی اصولوں کے برعکس تھی جس کی پاداش میں اسے برطرف کر دیا گیا تھا۔ رائڈ فورٹ نے اسے اشارۃً وہ واقعہ یاد دلایا اور کہا کہ کیا وہ اب پھر وہی غلطی کرے گا؟ Guy کی بہ حیثیت یروشلم کے بادشاہ کے یہ پہلی جنگی مہم تھی، اگر وہ اس وقت متزلزل ہو گیا تو Templars پھر کبھی اس کی حمایت نہیں کریں گے۔ رائڈ فورٹ کی یہ دلیل بہت زبردست تھی جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ایک بار پھر یہ ثابت ہوا کہ یہ کمزور اور پست ہمت بادشاہ ہر اس شخص کی بات مان لیتا ہے جو اس کے روبرو ہو۔ اب چونکہ اس کی ذاتی ہمت اور مردانگی کا سوال ہوا تو اس نے فوراً اپنا سابق فیصلہ بدل دیا اور حکم دیا کہ فوج علی الصبح کوچ کرے۔ یہ سن کر اس کے سردار احتجاج کرتے ہوئے اس کے پاس دوڑے۔ انہوں نے کہا: ''عالی جناب ہماری تو یہ رائے تھی کہ ہم اب کچھ عرصہ یہیں رہیں گے۔ آپ نے کس کے مشورہ سے کوچ کا حکم دیا ہے؟'' یہ سن کر وہ تلملا گیا اور اپنے نازک شاہی لباس میں پھول کر نہایت عصبناکی سے جواب دیا: ''تمہیں یہ معلوم کرنے کا کیا حق ہے کہ میں کس کے مشورہ سے یہ حکم دے رہا ہوں؟ میرا تو تمہارے لئے یہ حکم ہے کہ تم فوراً اپنے گھوڑوں پر سوار ہو اور Tiberias روانہ ہو۔'' پھر بھی ریمنڈ نے آخری بار التجا کی: ''Tiberias میرا شہر ہے اور وہاں کی خاتون میری بیوی ہے، عیسائیت کے دفاع کے علاوہ تم میں سے کسی کا بھی اس معاملہ سے اتنا تعلق نہیں جتنا میرا۔ لیکن ہمیں ہرگز ایک ایسا مقام چھوڑ کر جہاں غذا اور پانی کی فراوانی ہے اور جہاں ہم محفوظ ہیں، اتنے بڑے لشکر کو لے کر ایک ایسی جگہ نہ جانا چاہئے جو بے آب و گیاہ ہے

اور جہاں صرف شدید گرمی، بھوک اور موت ہے۔ بغیر پانی کے ہمارے سپاہی آدھے دن بھی زندہ نہیں رہ سکیں گے۔ لہٰذا یہ لازمی ہے کہ ہم اسی زرخیز اور محفوظ مقام پر رہیں۔'' لیکن اس مغرورانہ اور باطل شجاعت و مردانگی کی فضا میں اس کی کسی نے نہیں سُنی اور تمام سردار وفاداری سے کوچ کی تیاریاں کرنے لگے۔ بعد میں اس بارے میں ایک مورخ لکھتا ہے: ''ان سب نے حقیقی وفاداروں اور مردوں کی طرح بادشاہ کے حکم کی تعمیل کی۔ اگر انہوں نے اس کی حکم عدولی کی ہوتی تو غالباً عیسائیت کے لئے یہ بہتر ہوتا۔'' کہا جاتا ہے کہ اس رات گھوڑوں نے La Safouri کے چشموں سے پانی پینے سے انکار کر دیا۔

اگر ایک کوے کی پرواز کے مطابق دیکھا جائے تو Tiberias اور گلیلی (Galilee) کا تابناک سمندر La Safouri کے چشموں سے تقریباً ۱۵ میل مشرق کی جانب واقع ہے۔ ایک خشک وادی کا راستہ ہے جس کے جنوب میں Nazareth کی پہاڑیاں ہیں اور شمال مشرق میں کوہ توران ہے۔ یہ خشک سڑک Lubiya کے میدان سے گزر کر ایک بلند چوٹی کو پار کرتی ہے جسے Homs of Hattin کہا جاتا ہے۔ یہاں کہیں کہیں قدیم حوضوں اور تالابوں میں کچھ بارش کا جمع شدہ پانی ملتا ہے جو Lubiya اور Maskana کے دیہاتوں کی محدود آبادی کے لئے بدقت کافی ہوتا ہے۔ پانی کے علاوہ رفتار کا بھی مسئلہ تھا۔ اس سے پہلے کامیاب معرکوں میں بھی عیسائی افواج دشمن کی شدید مدافعت کے مقابلہ میں چھ سات میل سے زیادہ آگے نہیں بڑھ سکی تھیں۔ فوج نے ۳ رجولائی کو کوچ کیا جبکہ گرمی تقریباً ناقابل برداشت تھی۔ ریمنڈ نے بہ حیثیت ایک تجربہ کار سردار کے کہ جو اس علاقہ سے سب سے زیادہ واقف تھا فوج کے ہراول میں Haspitalers کے دستہ کی کمان اُٹھائی۔ بادشاہ Guy (گوئی) نے اپنے شاہی دستہ اور اصل صلیب مقدس کے ساتھ قلب لشکر میں جگہ لی۔ Balian of Ibelin نے کہ جو لاطینی سلطنت کے سب سے معزز خاندان کا رُکن تھا Templars کے ساتھ عقب لشکر کو محفوظ کیا۔ یہ فوج دوپہر تک بلا مزاحمت مستقل رفتار سے چلتے ہوئے کوئی چھ

میل طے کر کے کوہ توراَن کے جنوبی ڈھلوان تک پہنچ گئی۔ توراَن کے گاؤں میں ایک چھوٹا سا چشمہ تھا اور جیسا کہ صلاح الدین نے بعد میں لکھا ہے: "ان کے شاہین شہسوار اور پا پیادہ عقاب حرص سے اس پانی کے ارد گرد منڈلانے لگے۔" اب بادشاہ کو ایک اہم فیصلہ کرنا تھا کیا وہ آگے کوچ کرے؟ یا اس نخلستان ہی میں رات گزارے؟ دشمن کی موجودگی میں تو کوئی شک نہیں تھا۔ وہ عیسائی فوج کے ہر طرف موجود تھے۔ شمال وجنوب کی پہاڑیوں پر اور سامنے والی سطح مرتفع پر وہ ہر طرف سائے کی طرح موجود تھے۔ آئندہ چھ میل طے کرنا اس کے لئے آسان نہیں تھا۔ لیکن ابھی کافی دن تھا اور پہاڑ کی چوٹی کے اس طرف ایک خاتون خطرہ میں تھی اور بادشاہ کے شاہین وعقاب آگے بڑھنے کا غل مچا رہے تھے۔ شاید شدید گرمی نے اس کے اوسان خطا کر دیئے لیکن صلاح الدین نے بادشاہ کے غلط فیصلہ کرنے کی تعبیر قرآن مجید سے لی ہے: "شیطان نے ورغلا کر وہ کام کرایا جو عقل کے خلاف تھا اور اس نے اپنے غرور و تکبر میں انتقام لینے کے لئے Tiberias جانے کا فیصلہ کیا۔" اب توراَن کا چشمہ تو اس کے لشکر کے گرد و غبار میں گم ہو گیا اور پانی کی جھیل اس کے آگے نو میل دور تھی۔ جونہی کہ عیسائی فوج نے اس سرسبز مقام کو چھوڑا سلطان کے برق رفتار سوار ہزاروں کی تعداد میں اس خلاء میں گھس آئے۔ اس طرح دشمن کی واپسی کا راستہ بند ہو گیا۔ بجائے اس کے کہ وہ فوراً پلٹ کر دشمن کے بازو پر حملہ کرتے عیسائی اس جال میں آگے ہی بڑھتے گئے۔ اس خطرہ کا احساس سب سے پہلے ریمنڈ نے ہی کیا۔ اس نے بادشاہ کو پیغام بھیجا کہ انہیں یہاں سے جلد از جلد گزر جانا چاہئے ورنہ وہ ایک ایسی جگہ قیام کرنے پر مجبور ہو جائیں گے جہاں پانی نہ ہو۔ بادشاہ کو خطرہ کا کوئی احساس ہی نہ تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا اس وہ یہاں ہوا خوری کر رہا ہو۔ اس نے نہایت بے نیازی سے جواب دیا: "ہم جلد ہی یہاں سے گزر جائیں گے۔" بادشاہ کی رضامندی سے ریمنڈ نے شمال میں Hattin کی طرف بڑھنے کی کوشش کی جہاں کافی پانی موجود تھا۔

مگر یہ راستہ بھی بند ہو چکا تھا اور وہ بلند پہاڑی کے سامنے رُکنے پر مجبور ہو گیا۔ رات

کے قریب جب اس نے مڑ کر پیچھے نظر ڈالی تو وہ یہ دیکھ کر سخت گھبرایا کہ بجائے اس کے کہ فوج کا مرکز اس کی مدد کو پہنچے وہ لوگ Maskana کے بے آب بیاوہ مقام پر شاہی خیمہ لگانے میں مصروف ہیں۔ اس وقت عیسائی لشکر ایک ایسی جگہ گھر چکا تھا کہ جہاں نہ تو پانی تھا اور نہ ہی کسی امداد کی امید کی جاسکتی تھی۔ کوئی میل بھر کے فاصلہ پر ان کے روبرو Hatin کی چوٹی نظر آ رہی تھی۔ یہ وہ مقام تھا جہاں حضرت عیسیٰ نے اپنا مشہور وعظ (Sermon on the Mt) دیا تھا۔ اب وہاں دشمن ہی دشمن نظر آ رہے تھے۔ قسمت کی یہ ستم ظریفی ریمنڈ کے خیالات میں گزری ہوگی کہ اس وقت حضرت عیسیٰ کے پیروفی الحقیقت غریب کمزور اور بے بس ہو گئے تھے۔ اور اب حسن وتبرک کا یہ پہاڑ ایک سینگدار شیطان معلوم ہو رہا تھا۔ ریمنڈ نے ٹھنڈی سانس بھری اور کہا: ''اے ہمارے آقا جنگ ختم ہوئی اور اب ہم موت کے منتظر ہیں۔ افسوس کہ تیری سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔''

اب ایک جہنم کی پُراذیت رات شروع ہوئی۔ اسلامی لشکر رینگ کر عیسائیوں کے خیموں کے قریب پہنچ گیا۔ اتنا قریب کہ جیسا بعد میں بتایا گیا ہے کہ اگر عیسائیوں کی ایک بلی بھی بھاگتی تو مسلمان اسے پکڑ لیتے۔ صلاح الدین نے تیراندازوں کو مزید تیر تقسیم کرائے اور انہیں حکم دیا کہ وہ خاص طور پر گھوڑوں کو نشانہ بنائیں چونکہ ایک شہسوار بھاری زرہ بکتر پہنے ایک خشک اور چٹیل میدان میں انتہائی گرمی میں بغیر گھوڑے کے ایک ناکارہ اور قابل ترس ہستی بن جاتا ہے۔ پھر اس نے اطراف کی خشک گھاس میں آگ لگوادی جس نے بہت تیزی سے تمام وادی کو دھوئیں میں بھر دیا۔

سلطان نے کہا: ''اس آگ کی چنگاریاں دیکھ کر انہیں یہ اندازہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اس جہاں میں ان کے خیر مقدم کے لئے کیا انتظام کیا ہے۔'' اس بارے میں ایک عیسائی مورخ نے لکھا ہے: ''خدا نے ہمیں مصیبت کی روٹی اور آلام کا تلخ پانی دیا۔'' اس کا یہ دردناک حوالہ Book of Isaiah کی جانب ہے جس میں کہا گیا ہے: تیرے اساتذہ کونوں میں خفیہ نہ ہوں گے۔ تیری آنکھیں انہیں دیکھیں گی۔'' صبح کی روشنی نمودار ہوتے ہی عیسائی ان ''اساتذہ''

کو باوجود سخت دھوئیں کے خوب دیکھ اور سن سکے۔ رات بھر پانی نہ ملنے کی وجہ سے وہ پہلے ہی کمزور اور پست ہمت ہو چکے تھے۔ اس زبوں حالی میں ریمنڈ کے دستہ کے کچھ سوار بھاگ کر صلاح الدین سے جا ملے جو اپنے خاص لشکر کیساتھ پہاڑ کی چوٹی سے اس صورتحال کا جائزہ لے رہا تھا۔ ان سرداروں نے عرض کی: ''اعلیٰ حضرت اب آپ کیا انتظار کر رہے ہیں۔ حملہ کیجئے یہ تو اب مردہ ہیں۔'' لیکن صلاح الدین نے انتظار کیا تاکہ مشرق سے سورج اور اوپر نکل آئے اور جب دشمن پانی کی جھیل کو پہنچنے کی کوشش کرے تو سورج ان کی آنکھوں میں چمکے اور وہ گرمی اور لو سے بیتاب ہوں۔ Lubiya کے میدان میں خشک گھاس کا بڑا ذخیرہ تھا جسے دن میں آگ لگانے کے لئے خاص طور پر بچا کر رکھا گیا تھا۔ دوپہر کے قریب اس میں آگ لگا دی گئی اور اب آگ اور دھوئیں کی ایک دیوار تیزی سے عیسائی فوج کی طرف بڑھی جس کے ایک طرف لاوبی کی پہاڑی تھی جو نوجوان شیروں کے نام سے مشہور تھی اور دوسری طرف نمرین (Nimrin) کی پہاڑی تھی جو Tiger کہلاتی تھی اور ان کے بالکل روبرو Horns of Hattin کا پہاڑ تھا۔

اس اندوہ ناک اور کشت وخون کے عالم میں عیسائی فوج کے پاپیادہ دستے کہ جو ہراول میں تعینات تھے دشمن کو دھکیل کر کسی نہ کسی طرح پہاڑ کی شمالی چوٹی تک پہنچ گئے۔ اس بلندی سے اُنہیں بحر گلیلی کا صاف وشفاف نیلا پانی چمکتا ہوا نظر آیا جو انہیں وہاں آنے کی دعوت دے رہا تھا لیکن جس تک رسائی ناممکن تھی چونکہ ان کے اور سمندر کے درمیان دشمن کی زبردست فوج حائل تھی۔ ایسی صورت میں پیادہ فوج جو سواروں کے آگے ان کی سپر تھی ان سے جدا ہو گئی۔ جب بادشاہ نے دیکھا کہ سواروں کی یہ ڈھال پہاڑ کی طرف منتشر ہو رہی ہے تو اس نے اُنہیں فوراً واپس ہونے کا حکم دیا تاکہ صلیب مقدس کا دفاع کیا جا سکے۔ لیکن انہوں نے آنے سے انکار کر دیا اور کہا: ''ہم واپس نہیں ہوں گے۔ کیا تم دیکھ نہیں رہے ہو کہ ہم پیاس سے مر رہے ہیں۔ ہم جنگ نہیں کر سکتے۔'' اسی دوران مسلمان سواروں نے حسب دستور عیسائی فوج کے عقب میں Templars پر حملہ کر دیا۔ Templars نے ہر چند بار بار جوابی حملے کئے لیکن جیسا کہ

بعد میں ایک مسلمان مورخ نے لکھا ہے: ''ارے ان کے شیر تو کچھوے نکلے۔'' بادشاہ نے کسی نامعلوم وجہ سے حکم دیا کہ دشمن کے دباؤ کو روکنے کے لئے خیموں میں آگ لگادی جائے گویا اس کے خیال میں خیموں کا کپڑا (Canvas) اور میخیں حملہ آوروں کے تیروں اور نیزوں کو روکنے کے لئے کافی تھیں۔ اب محصور عیسائی سپاہی زیادہ سے زیادہ تعداد میں صلیب مقدس کے ارد گرد جمع ہونے لگے۔ انہیں امید تھی کہ اب St James بذات خود بادلوں کو چیر کر نازل ہوگا اور ہزاروں مسلمانوں کا قلع قمع کر دے گا جیسا کہ روایات کے مطابق اب سے تین سو سال پہلے Spain میں Clavijo (کلاوی جو) کی جنگ میں اس نے یہ معجزہ دکھایا تھا۔ لیکن افسوس یہاں بادل ہی نہ تھے اور مطلع بالکل صاف تھا لہٰذا کوئی معجزہ بھی رونما نہ ہوسکا۔ ان کی صفیں ٹوٹنے لگیں۔ ادھر مسلمان سواروں کی ایک خاص تعداد نے ریمنڈ کے ہراول کے دستہ کو بادشاہ کے قلب لشکر سے جدا کردیا۔ یہ دیکھتے ہوئے بادشاہ نے ریمنڈ کو حکم دیا کہ وہ اس کے مقابل حملہ آوروں پر فوراً حملہ کرے۔ لیکن یہ بہادری کا موقع نہیں تھا۔ اب شہسواروں کی شان وشجاعت کا وقت گزر چکا تھا۔ جونہی عیسائی شہسواروں نے حملہ کیا مسلمانوں نے حسب معمول ان کے لئے راستہ کھول دیا اور جب وہ اندر گھس آئے تو انہیں گھیر کر مارنا شروع کردیا۔ انہوں نے Cresson کے چشموں کے پاس بھی ایسا ہی کیا تھا۔ اب قتل و غارت پورے زور وشور سے شروع ہوئی۔ اس کسمپرسی کے عالم میں ریمنڈ نے بلند آواز سے کہا: ''جو بچ سکتا ہو بچے۔ جنگ ختم ہوگئی۔ اب تو ہمارے لئے فرار بھی ممکن نہیں۔'' شاید وہ خود اپنے لئے بول رہا ہو۔ لیکن عربوں نے اسے ایک بار پھر جان بچانے کا موقع دیا اور مع چند ساتھیوں کے اپنی صفوں میں سے بلا مزاحمت بھاگ جانے دیا۔ وہ تیزی سے اس تنگ اور ڈھلوان کے راستے سے جسے وادئ حمان کہا جاتا ہے، بھاگ کر Templars کے قلعہ صفد کو پہنچا جو میدان جنگ سے دور نہ تھا۔ جب بعد میں سلطان سے سوال کیا گیا کہ اس نے ریمنڈ کو کیوں فرار ہونے دیا تو اس نے ٹالنے کی کوشش کی اور حسب عادت کلام الٰہی کا حوالہ دیتے ہوئے کہا: ''سردار ریمنڈ خدا کی اس پر لعنت ہو اس لئے میدان چھوڑ کر

بھاگا کہ اسے قہر الٰہی نظر آنے لگا۔ جیسا کہ شیطان نے کہا تھا ''میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے۔ دیکھو میرا تم سے کوئی واسطہ نہیں۔ مجھے تو قہر الٰہی کا خوف ہے۔ چونکہ اس کا عذاب بہت سخت ہے۔'' (۸:۸۴)

باقی معاملہ کو سلطان نے شاعرانہ نظر سے دیکھا: ''گھوڑوں کی ٹاپوں نے گرد و غبار کا آسمان برپا کر دیا جس میں نیزے ستاروں کی طرح چمک رہے تھے۔ ان نیزوں نے کافروں کے دل وجگر کو نشانہ بنایا جو دوزخ کی آگ کے پیاسے تھے۔ تلواروں کے دریاؤں نے کافروں کی تشنگی بجھائی جو ان کی قسمت میں تھی۔'' لیکن عیسائی مورخین نے اس کے برعکس دیکھا: ''میں کیا کہوں؟ اس سے بہتر ہے کہ میں آنسو بہاؤں اور ماتم کروں۔ ہائے کیا میں ان ناپاک لبوں سے یہ بتاؤں کہ ہمارے آقا اور نجات دینے والے کی مقدس صلیب ان ملعونوں کے ہاتھ لگ گئی؟ افسوس مجھے اس بدنصیب زندگی میں دیکھنا پڑا'' St Martin کے تہوار کے دن اسلامی لشکر نے غیر ملکی عیسائیوں پر مکمل فتح حاصل کر لی۔ جنگ کے آخری دور میں عیسائی فوج بالکل تتر بتر ہو گئی اور صرف بادشاہ کا سرخ خیمہ ہی باقی رہ گیا جو Hattin پہاڑ کے جنوبی سینگ پر نصب تھا۔ جب یہ خیمہ گرا تو جنگ ختم ہو گئی۔ مرقد مقدس کا مجاور مارا گیا اور اصلی صلیب مقدس چھن گئی۔ شاہ گئی (Guy) شتیلاں (Chatillon) اور Templars اور Hospitalers کے سردار (Masters) گرفتار ہو گئے۔ صلاح الدین نے یوں کہا ''یہ وہ شاندار دن تھا جب بھیڑیے اور گدھ اکٹھے ہوئے اور قید و موت یکے بعد دیگرے نازل ہوتے رہے۔''

گلاب کا شربت: جونہی کے بحر گلیلی (Galilee) پر آفتاب غروب ہوا اس شاہ گئی (Guy) اور شتیلاں (Chatillon) سلطان کے چوبی شامیانہ میں حاضر کئے گئے۔ یہ شامیانہ سمندر کے کنارے لگایا گیا تھا۔ سلطان اس وقت ایک اونچے دیوان پر گاؤ تکیہ لگائے بیٹھا تھا۔ شاہی مسند کے چاروں طرف قبائل کے قالین بچھے ہوئے تھے اور لشکر کے زرد نشان جابجا

آویزاں تھے۔ اس ماحول میں یہ خاک و دھول میں آلودہ اور کیچڑ میں لت پت قیدی جن کی زبانیں پیاس کی شدت سے باہر لٹک رہی تھیں اس کے حضور میں حاضر کیئے گئے۔ بادشاہ کے چہرہ سے تو دہشت ٹپک رہی تھی لیکن شیتلاں صرف نفرت وعداوت ہی کا اظہار کر رہا تھا۔ سلطان نے نہایت اعلیٰ ظرفی سے بادشاہ کو اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا جس پر شیتلاں اپنے بادشاہ کے برابر کے تکیہ کا سہارا لے کر بیٹھ گیا۔ ایک خادم نے اشارہ پا کر سلطان کو شربت گلاب کا ایک بڑا قدح پیش کیا لیکن سلطان نے اسے بادشاہ کو بڑھا دیا۔ بادشاہ گئی نے بڑی حرص وحشت سے کچھ گھونٹ لے کر اسے شیتلاں کو دے دیا۔ سلطان نے نرم آواز سے کہا: ''آپ نے اسے پانی دینے کی مجھ سے اجازت نہیں لی۔ اسے معاف کرنے کا مجھ پر کوئی اخلاقی فرض نہیں۔'' حالانکہ اس کا لہجہ بہت پرسکون تھا مگر پھر بھی اس سے خطرہ کا اظہار ہو رہا تھا۔ پھر اس نے شیتلاں سے کہا ''خوب پی لے چونکہ اس کے بعد تو کبھی کچھ نہیں پیے گا۔'' یہ وہ شخص تھا جس نے حج پر جانے والے قافلہ کو لوٹا تھا۔ اس کی بہن کو قید کیا تھا۔ بحرالاحمر کے متعدد مقدس مقامات پر حملے کیئے تھے اور مکہ معظمہ ومدینہ منورہ کے تقدس اور طہارت پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی تھی جس کے بعد سلطان نے قسم کھائی تھی کہ وہ اس کے ساتھ بجائے رحم کے انصاف کرے گا۔ اس نے شیتلاں سے پوچھا: ''کتنی بار تم نے حلف اٹھائے اور انہیں توڑا اور کتنی بار اہم معاہدے کیئے اور ان کی خلاف ورزی کی؟'' اس نے نہایت بے اعتنائی سے جواب دیا: ''بادشاہ ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ میں نے کوئی نئی بات نہیں کی۔'' پھر اس نے پوچھا: ''اے شہزادے اگر میں تمہارے قبضہ میں اس طرح ہوتا جیسے کہ آج تم میرے قبضہ میں ہو تو تم میرے ساتھ کیا سلوک کرتے؟'' شیتلاں نے بڑی نفرت اور حقارت سے کہا: ''خدا کی قسم میں تمہارا سر اڑا دیتا۔'' اس پر سلطان نے غضبناک ہو کر کہا: ''سور کے بچے تو میرا قیدی ہے مگر پھر بھی اتنا غرور دکھا رہا ہے۔'' اس نے اشارہ کیا کہ ان خبیثوں کو علیحدہ کیا جائے۔ پھر وہ گھوڑے پر سوار ہوا کہ اس کا غصہ کچھ ٹھنڈا ہو۔ پھر وہ لشکر کے خیر مقدم کے لئے روانہ ہوا جو میدان جنگ سے واپس آرہے تھے۔ جب وہ واپس ہوا تو اس نے حکم دیا کہ قیدی پھر لائے جائیں۔ بادشاہ گئی کو تو

پیش خیمہ (Antichamber) میں بٹھایا گیا اور صرف شتیلاں کو حاضر کیا گیا۔ سلطان نے ایک بار پھر اسے جان بچانے کا موقع دیا۔ اس نے کہا: "دعوتِ اسلام قبول کر لو۔ اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک لہٗ مانو اور محمدؐ کو اس کا نبی تسلیم کرو اور عیسائیت سے انحراف کرو۔" لیکن جب اس نے اس سے انکار کیا تو اس نے اپنی ہلال نما شمشیر میان سے کھینچی اور اس نا ہنجار کے شانہ پر ضرب لگائی جس سے اس کا ہاتھ کٹ گیا۔ پھر غلاموں نے اس کا سر قلم کر دیا۔ اس کے بعد شاہ Guy کا نمبر آیا جو اس منظر کو دیکھ کر تھر تھر کانپ رہا تھا اور جسے اپنی موت یاد آ رہی تھی وہ حاضر ہوتے ہی سلطان کے قدموں پر گر پڑا اور رو رو کر جاں بخشی کا طالب ہوا۔ سلطان نے اسے اٹھنے کو کہا اور کہا: "وہ شخص تو اپنی بدعہدی اور بدکلامی کی بدولت قتل کیا گیا۔ وہ بادشاہ نہیں تھا وہ تو اپنی وقعت سے بہت آگے بڑھ گیا تھا۔ اصلی بادشاہ ایک دوسرے کو قتل نہیں کرتے۔" یہ کہہ کر اس نے قیدی کو شربت گل کا ایک اور پیالہ پیش کیا۔ کئی دن تک اس ہیبت ناک میدان جنگ میں جہاں ہر طرف عیسائیوں کی لاشیں پڑی تھیں اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کے نعرے گونجتے رہے۔ قیدیوں کو رسیوں میں جکڑ کر دمشق بھیجا گیا جہاں بازاروں میں عام سپاہی تین تین دیناروں میں بیچے گئے۔ گو کہ مثال قائم کرنے کے لئے ایک کو صرف ایک جوتے کے بدلے ہی میں دے دیا گیا۔ لیکن ان کے سواروں کی قسمت میں کچھ اور ہی تھا۔ Templars اور Hospitalers عیسائی فوج کا دل تھے اور ان کا عہد و ایمان متزلزل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ سلطان نے کہا "میں ان دونوں نجس فرقوں سے اس سرزمین کو پاک کر دوں گا۔" اس نے ہر اس شخص کو ۵۰ دینار دیئے جس نے کسی جنگجو راہب کو پکڑا تھا۔ پھر اس نے ان سب کو قتل کرا دیا۔ صلاح الدین کی ساری زندگی میں اس کی رحم دلی اور سخاوت پر یہ واحد دھبہ ہے اس نے درویشوں اور علماء کو انہیں قتل کرنے کا سب سے پہلا حق دیا۔ ایک مسلمان مورخ نے اس چشم دید واقعہ کو یوں بیان کیا ہے "بعض نے تو ایک ہاتھ ہی میں صفائی سے کام تمام کر دیا اور بعض نے اس خدمت سے انکار کر دیا اور انہیں معاف کر دیا گیا لیکن کچھ اور ایسے بھی تھے جنہوں نے خود کو تماشہ بنایا اور ان کی یہ خدمت دوسروں نے انجام دی۔" قسمت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ

Templars کا سردار Gerard of Ridefort (Master) کو قتل نہیں کیا گیا چونکہ آئندہ مذاکرات کے لئے اس کے سر کی بڑی قیمت تھی۔ اس قتل عام کے بارے میں ایک عرب مورّخ یوں لکھتا ہے: "کفر قتل کیا گیا تاکہ اسلام حیات پائے۔ وحدانیت نے شرک کا خاتمہ کیا اس کے برخلاف عیسائی مورخین کہتے ہیں کہ اس مقتل میں عیسائی جنگی شہداء کی لاشوں پر جنت کی شعاعیں چمکتی رہیں۔ اسی دوران میں اصلی صلیب مقدس کو ایک نیزہ پر اُلٹا ٹانگ کر دمشق بھیجا گیا۔ مسلمانوں کے لئے تو یہ بے حرمتی صرف حضرت عیسیٰ کو صلیب پر چڑھائے جانے کی بدعت کے خلاف تھی نہ کہ خود حضرت عیسیٰ کے خلاف حضرت عیسیٰ تو اسلام کے ایک اعلیٰ قدر پیغمبر ہیں۔ وہ ایک تقدّس مآب ہستی تھے نہ کہ خدا۔ وہ ایک انسان تھے نہ کہ اللہ۔ وہ ایک رسول تھے نہ کہ ذات الٰہی۔ محمدؐ الرسول اللہ نے اللہ تعالیٰ کی رہنمائی سے عیسائیوں کی اس غلطی کی صفائی کردی تھی۔ اسلام حضرت عیسیٰ کی موت کی داستان کو ایک عظیم مذہب کے شایان شان نہیں سمجھتا۔

عاشق اور بادشاہ: ۱۱۵۹ء کی دہائی میں روم میں قدامت پرست Alexender III پوپ تھا۔ جس کا ڈرامائی دور بیس سال تک رہا جس میں اس نے متعدد بغاوتوں کو کچلا اور بہت سے مخالفین کو اس دائمی شہر سے دربدر کیا۔ یہ وہ شخص تھا جس نے انگلستان کے بادشاہ ہنری دوم (Henry II) کو Thomas Backet کے قتل کے جرم میں عاجز و شرمندہ کیا تھا۔ وہ غریبوں اور بے کسوں کی فریاد سننے کے لئے مشہور تھا اور خصوصاً اسے یہودیوں کی کس مپرسی کا بڑا احساس تھا۔ اس کے خاص مشیروں میں ایک ربّی اور ایک یہودی عالم تھے جنہیں قصر پوپ (Vatican Palace) میں ایک اعلیٰ رتبہ دیا گیا تھا، پھر بھی جیسا کہ اس کے ایک فرمان سے ظاہر ہوتا ہے وہ بھی اپنے دور ہی کی پیدائش تھا: "ہم یہ حکم نافذ کرتے ہیں کہ جو لوگ یہودیوں کو عیسائیوں پر ترجیح دیں گے انہیں عیسائیت سے خارج کر دیا جائے گا، چونکہ یہ درست اور صحیح ہے کہ وہ عیسائیوں سے کمتر ہیں اور عیسائی محض بہ تقاضۂ انسانیت ان کی مدد کر سکتے ہیں۔" بہرحال روم

کے دوسو یہودی پوپ کے لئے کوئی مسئلہ نہیں تھے۔ اُسے تو ارض مقدس میں رہنے والے لاکھوں مسلمانوں سے خطرہ تھا۔ اسے یروشلم کی سلطنت کی نازک حالت کا پورا احساس تھا۔ پوپ Alexander کا انتقال ۱۱۸۱ء میں ہوا۔ اپنے دور کے آخر میں ارض مقدس میں صلاح الدین کی فتوحات اور یورپ کے عیسائی حکمرانوں کی بے اعتنائی کو دیکھ کر وہ سخت پریشان ہوا۔ اس نے لکھا: ''عیسائیت خوابیدہ نہیں رہ سکتی جبکہ ارض مقدس کو ایسے خطرات کا سامنا ہو۔ خدا کرے کہ اس کی محبت تمہیں حرکت میں لے آئے۔'' اسے خاص طور پر ان عیسائی سرداروں کا افسوس تھا جو مسلمانوں سے مل کر فائدہ اُٹھا رہے تھے۔ چنانچہ اس نے ۱۱۷۹ء میں ایک اور فرمان نافذ کیا جس میں اس نے پھر عیسائیت سے خارج کرنے کی دھمکی دی: ''بعض لوگوں کے دماغ پر شیطان نے ایسا قبضہ کیا ہے کہ اگرچہ وہ عیسائیت کی شان کے گیت گاتے ہیں لیکن عربوں کو ہتھیار فراہم کرتے ہیں اور وہ انہیں ہتھیار اور دیگر لوازمات جنگ فراہم کر کے یہ ثابت کرتے ہیں کہ وہ بھی ان ہی کی طرح بلکہ ان سے بھی بدتر مکار ہیں۔ ہم واضح طور پر حکم دیتے ہیں کہ ایسے اشخاص کا چرچ سے قطع تعلق کر دیا جائے اور ان کی غداری کے جرم میں انہیں عیسائیت سے خارج کر دیا جائے۔'' پوپ کو دوسری بڑی پریشانی یہ تھی کہ یورپ کے چھوٹے بڑے حاکم اپنی خودغرضی اور تنگ نظری کی بدولت مسلسل آپس میں سنگین جنگوں میں مبتلا تھے جس کی وجہ سے ان کی توجہ ارض مقدس کی طرف سے ہٹ گئی تھی جو کہیں زیادہ بڑا خطرہ تھا۔ اس سے قبل کہ عیسائیوں کو اصل خطرہ کا احساس ہو یہ ضروری تھا کہ انگلستان اور فرانس کے اختلافات دور ہوں۔ لیکن یہ کام پوپ کے لئے آسان نہیں تھا چونکہ اس نے انگلستان کے بشپ اعلیٰ (Becket) کے قتل کے الزام میں انگلستان کے بادشاہ ہنری پر سخت جرمانہ عائد کیا تھا پھر بھی جب بالآخر ۱۱۸۰ء میں ان دونوں ملکوں نے صلح کی تو پوپ نے انہیں مبارک باد دی حالانکہ اسے یہ غلط فہمی نہیں تھی کہ یہ صلح زیادہ دن قائم رہے گی۔ انگلستان کے بدمزاج اور ناقابل بھروسہ بادشاہ کے لئے تو یہ صلح نامہ مناسب تھا لیکن فرانس میں اب ایک نیا بادشاہ تھا۔ یہ نوجوان Philip Augustus (فلپ آگسٹس) تھا جو Louis VI کی

تیسری بیوی Adele of Champagne (شمپین کی شہزادی) کے بطن سے تھا۔ اس کی پیدائش ۱۱۶۵ء میں ہوئی تھی جو بجائے خود ایک معجزہ تھی۔ اس وقت اس کے باپ کی عمر ۴۵ سال تھی اور وہ اس سے پہلے بیس سال سے دو اور بیویوں سے ولی عہد پیدا کرنے کی کوشش میں ناکام رہا تھا۔ ان سابقہ بیویوں میں سے عیش پسند اور زندہ دل Eleanor بھی تھی جس نے بعد میں انگلستان کے بادشاہ ہنری سے شادی کی اور چارلڑکے پیدا کئے جن میں سے رچرڈ شیر دل منجھلا لڑکا تھا۔ لہٰذا فرانس کے عوام میں یہ غیر متوقع بچہ Dieu- Donne کے نام سے مشہور ہوا (یعنی طفل خداداد) اس کی ولادت نے فرانس کے Capetian خاندان کی حکومت کو برقرار رکھا جس سے ان کے رقیب انگلستان کے Plantajenet کے خاندان والوں کو سخت مایوسی ہوئی۔ بازار میں ایک فرانسیسی عورت نے ایک انگریز سے یوں کہا: "اب اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ہمیں سلطنت کے لئے ایک طاقتور ولی عہد عطا کیا ہے۔ ایک دن وہ تمہارے بادشاہ کے لئے ذلت وخواری اور شرم وابتری کا باعث ہوگا۔" اس کی پیدائش کی خبر سن کر پیرس میں لوگ سڑکوں اور گلیوں میں مشعلیں اور قندیلیں لے کر نکل آئے اور تمام گرجا گھروں نے پورے زور وشور سے گھنٹے بجانا شروع کر دیئے۔ جہاں بھی انگریز ملے انہوں نے خوب ان کا مذاق اُڑایا اور کہا کہ یہ بچہ تمہارے لئے ایک دن ہتھوڑا ثابت ہوگا۔ بارھویں صدی میں ان دونوں خاندانوں کی رقابت ایک مرکزی حقیقت تھی۔ گہوارہ کی عمر سے ہی فلپ کی گھٹی میں یہ بٹھایا گیا کہ یہ اس کا فرض تھا کہ وہ انگریزوں کو ملک سے نکال کر Charlemagne (شارلیمین) کی شاندار سلطنت کو پھر قائم کرے۔ واقعی فلپ کی پیدائش نے انگریزی حکومت کی بڑی ہمت شکنی کی خصوصاً یہ اس وقت ہوئی جبکہ انگریزی فوج شکستیں کھا رہی تھی اور انگلستان کے آسمان پر دو شہاب ثاقب رونما ہوئے تھے۔ اجرام فلکی کے اس قسم کے مظاہروں کی تعبیر شاہی نجومی یہ بتاتے تھے کہ یا تو بادشاہ مرے گا یا پھر ساری قوم ہی تباہ ہو جائے گی۔ فلپ ایک بے ڈھنگا اور بے راہ رو لڑکا تھا، ہر وقت اس کے بال بکھرے رہتے تھے اور شاہی لباس گندہ رہتا تھا لیکن ۱۱۷۹ء میں اس کے باپ Louis VII پر

فالج گرا اور اس نے اس ڈر سے کہ موت قریب ہے اپنے بیٹے فلپ کو اپنی زندگی ہی میں تاج پہنا دیا تاکہ اس کی زندگی ہی میں سلطنت کا وارث موجود ہو۔ فلپ اس وقت پندرہ سال کا تھا۔ اب اس لڑکے کو جلد ہی جوان ہونا تھا۔ یکم نومبر ۱۱۷۹ء میں Rheims (ریم) میں بڑی دھوم دھام سے اس کی تاج پوشی کی گئی۔ اس شہر میں یہ رسم اس لئے ادا کی گئی چونکہ وہاں کا پادری اعلیٰ (Archbishop) فلپ کا ماموں تھا۔ اس خوشی کے موقع پر ملک بھر کے اعلیٰ ترین شعراء اور موسیقاروں نے حصہ لیا اور خوب خوش حالی اور شادمانی کے ترانے گائے گئے۔ کیا تعجب ہے کہ ان جذباتی نغموں کو سن کر اکثر شادی بیاہ یا تاج پوشی کے موقعوں پر لوگ خوب آنسو بہاتے تھے۔ لہٰذا Louis VII کی وفات تک فرانس کے دو بادشاہ تھے۔ Louis VII کا انتقال ۱۱۸۰ء میں ہوا۔ شاید ان کی طبیعتوں کا تضاد ہی ان کی باہمی جسمانی کشش کا باعث ہو لیکن نوجوانی کے دور میں رچرڈ شیر دل اور فلپ عاشق و معشوق تھے جو ہمیشہ ہر جگہ ایک دوسرے کے ساتھ پائے جاتے تھے۔ Wales کے گورنر Gerald (جیرالڈ) نے اسے ایسے تعظیماً بیان کیا ہے: ''رچرڈ فلپ کی ایسی عزت کرتا تھا کہ دن میں وہ ایک میز پر اور ایک ہی رکابی سے کھاتے تھے اور رات کو ایک ہی بستر میں سوتے تھے۔ اور فرانس کا بادشاہ اسے اپنی جان کی طرح عزیز رکھتا تھا۔'' یہ عشق ان دونوں کے خاندانوں کے اُلجھاؤ سے اور بھی پھلا پھولا۔ انگلستان کا بادشاہ ہنری اور فرانس کا Louis VII اکثر شمالی فرانس کے شہر Gissors میں ایک خاص درخت کے نیچے مذاکرات کیا کرتے تھے جہاں عموماً ان کے ساتھ ان کے لڑکے رچرڈ اور فلپ بھی ہوتے تھے جہاں پہلی بار وہ ملے تھے۔

Gissors نارمنڈی کے زرخیز صوبہ Vexin کا ایک اہم شہر تھا جہاں انگلستان اور فرانس کی حکومتوں کی سرحدیں ملتی تھیں اور جس علاقہ پر دونوں ملکوں کا دعویٰ تھا۔ ۱۱۸۰ء میں ہنری بھی بوڑھا ہو چکا تھا اور ہر دم خراب شراب اور بدمزہ مچھلی کی شکایت کرتا رہتا تھا۔ چونکہ وہ متواتر جھگڑوں سے تنگ آ گیا تھا اس لئے وہ اب نوجوان فلپ اور اس کے مشیروں سے سمجھوتہ کرنا

چاہتا تھا۔ ویسے بھی اب تو اس کے ٹولے میں رنڈیاں، جواری، مسخرے اور دیگر اوباش ہی رہتے تھے جن کی موجودگی میں اسے قدیم عظیم حکمرانوں کی جاہ وحشمت کا احساس ہوتا تھا۔ ۱۱۶۱ء میں جبکہ رچرڈ ۴ سال کا تھا اس کی منگنی فلپ کی بہن الیش (Alais) سے کردی گئی تھی اور Gissors کا قلعہ اور اس سے ملحقہ علاقہ اس کا جہیز مانا گیا تھا۔ رچرڈ کی خواہش کے مطابق الیش نے سن بلوغت تک رچرڈ کی ماں Eleanor کے دربار میں ہی پرورش پائی تھی۔ جوان ہونے پر وہ نہایت ہی حسین عورت بنی اور لامحالہ رچرڈ کے باپ ہنری کو پسند آ گئی جو کبھی کسی حسین عورت کو ہاتھ سے نہ جانے دیتا تھا لہٰذا اس نے بلا تامل اس پر قبضہ کرکے اسے شاہی خواب گاہ سے لطف اندوز ہونے کا موقع دیا اور خوب نوازا۔ اس اشتعال انگیز فعل سے نہ صرف فلپ کی ذلت ورسوائی ہوئی بلکہ اس کے اہم سیاسی منصوبوں پر بھی پانی پھر گیا۔ اس کی بہن کی عصمت دری ہوئی تھی اور اب وہ ناپاک اور ایک استعمال شدہ مال بن گئی تھی جس کی شاہی درباروں میں کوئی قیمت نہیں تھی۔ البتہ رچرڈ اس تمام ہنگامہ سے علیحدہ ہی رہا۔ غالباً وہ تو دل میں خوش ہوا ہوگا چونکہ اس رشتہ سے اسے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس طرح ان دونوں ملکوں کی سازشوں سے مخالفین کا ایک مثلث بن گیا۔ ایک طرف تو بڈھا اوباش ہنری۔ دوسری طرف اس کی بیوی Eleanor (الینور) اور تیسری طرف اس کی داشتہ اور محبوبہ Alais۔ یہ منظر ہم مشہور فلم The Lion in Winter میں دیکھ ہی چکے ہیں۔ لیکن اس کے دوسری طرف ایک اور مثلث بھی تھا۔ حالانکہ رچرڈ اور فلپ عاشق ومعشوق تھے لیکن Vexin کے زرخیز صوبہ پر قبضہ کرنا اور انگریزی خزانہ سے کافی مال حاصل کرنے کا ذریعہ فلپ کی بہن Alais ہی تھی۔ لہٰذا فلپ نے رچرڈ سے مطالبہ کیا کہ وہ اس کی بہن سے حسب وعدہ (یعنی منگنی) شادی کرے۔ پھر بھی اس سے حالات کی پیچیدگی کا اندازہ پوری طرح نہیں ہوسکتا۔ اس بوڑھے بادشاہ کی عیاشی، رچرڈ اور فلپ کے تعلقات اور فلپ کا Charlemagne کی سلطنت کو دوبارہ قائم کرنا ان سب خرافات کو نظرانداز کردینا چاہیے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہنری خود کو لافانی سمجھتا تھا۔ وہ کسی طرح اپنے کسی بیٹے کو بھی شاہی اختیارات

میں شامل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بلکہ رچرڈ کو تو وہ برسوں سے ہی وراثت سے عاق کرنے کے منصوبے بنا رہا تھا۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ اس کے لڑکوں میں رچرڈ سب سے زیادہ بے باک، طاقتور اور شاہانہ مزاج رکھتا تھا۔ اس کے یہ تمام اوصاف ہنری ہی کی طرح تھے۔ رچرڈ کو Duke of Aquitain کی جائیدا اس کی ماں کی طرف سے وراثت میں ملی تھی۔ اس لئے وہ ہنری کے لئے زبردست خطرہ بن گیا تھا۔ ہنری نے اپنی ساری پدرانہ شفقت اپنے چھوٹے بیٹے John پر نچھاور کی ہوئی تھی جو اس کے لڑکوں میں سب سے زیادہ ناکارہ تھا۔ ۱۱۸۰ء اور ۱۱۸۷ء کے درمیان بالآخر وہی ہوا جس کا پوپ الیگزنیڈر کو ڈر تھا۔ اس دور میں یورپ کے شاہی خاندانوں میں وراثتی جنگیں اپنے عروج کو پہنچ گئیں۔ طاقتور انگریز شاہی خاندان خانہ جنگی اور ساتھ ہی ساتھ فرانس کے ساتھ بھی جنگ میں مبتلا تھا۔

۱۱۸۰ء تا ۱۱۸۳ء ہنری رچرڈ پر زور ڈالتا رہا کہ وہ اپنے بڑے بھائی کو (جس کا نام بھی ہنری تھا) خراج ادا کرے چونکہ وہ Angevin کا مستقبل کا بادشاہ بنا دیا گیا تھا۔ لیکن جب رچرڈ اس کے لئے آمادہ نہ ہوا تو اس نے Henry Jr کو بھڑکایا کہ وہ اس کی نافرمانی کو کچل دے۔ لہٰذا Henry Jr نے رچرڈ پر حملہ کر دیا۔ رچرڈ کے چھوٹے بھائی جعفری (Geoffery) کو ہنری نے Brittany دیا تھا جو ہنری کی فرانس کی سلطنت کا سب سے چھوٹا صوبہ تھا۔ جعفری بڑے جوش و خروش سے رچرڈ کے خلاف جنگ میں حصہ لینے کے لئے تیار ہو گیا۔ لیکن جعفری باغیوں کے لئے کوئی خاص شکار نہیں تھا۔ Gerald of Wale نے اس کے بارے میں لکھا ہے: "وہ نہایت چرب زبان تھا۔ اس کے منہ سے تو روغن اور شیرینی میں ملے ہوئے الفاظ ایسے ٹپکتے تھے اور اس کی فصاحت کلام اس پایہ کی تھی کہ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ محض منہ سے ہی دونوں سلطنتوں کا خاتمہ کر دے گا۔ مگر حقیقت میں وہ نہایت جھوٹا، دغاباز اور دوغلا انسان تھا۔" بہرحال رچرڈ ایک رات ایک مختصر سا دستہ لے کر نکلا اور اس نے دشمن پر کہ جو Limoges سے چند میل دور ہی جنوب کی طرف ڈیرے ڈالے ہوئے تھے، شب خون مارا۔ اس غیر متوقع حملہ سے دشمن کے اکثر لوگ قتل ہوئے اور باقی کو پکڑ کر Aix لے جایا گیا جہاں مورخین کے مطابق کچھ کو دریائے Vienne میں ڈبویا گیا، کچھ تہ تیغ ہوئے اور باقی کی آنکھیں

نکال دی گئیں۔ گویا وہ اس فعل سے تمام یورپ پر اپنی بیدردی اور سنگدلی کا سکہ جمانا چاہتا تھا۔
ہنری دوم کے خیال میں جو نادیبی مہم تھی وہ اب قابو سے باہر ہوگئی اور قسمت کی ستم ظریفی سے
بوڑھے ہنری کو اسے روکنے کے لئے خود Poitou جانا پڑا۔ لیکن یہ جنوں تب ہی رک سکا جب
رچرڈ کا مخالف بھائی ہنری دفعتاً ۱۱۸۳ء میں بیمار ہو کر انتقال کر گیا۔ ہنری دوم کے مستقبل کے تمام
منصوبوں کا یک لخت خاتمہ ہوگیا۔ اس کا ولی عہد فوت ہوگیا۔ Aquitaine کے باغی
سرداروں کا رہبر ضائع ہوگیا اور اب ظالم، خودسر اور بدمعاش رچرڈ اس کا سب سے بڑا بیٹا ہونے
کی وجہ سے انگلستان کے تخت کا ولی عہد بننے کا دعویدار ہوگیا۔ حالات کے غیر متوقع انقلاب کی وجہ
سے ہنری نے ایک اور چال چلنے کی کوشش کی۔ چونکہ رچرڈ کو اب انگلستان، نارمنڈی اور انجو
(Anju) کی وراثت ملنا تھی، اس کے سب سے چھوٹے بیٹے John کو بھی کچھ ملنا چاہیے تھا
چونکہ اس کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ لہٰذا بادشاہ نے رچرڈ سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنی Aquitaine
کی پیاری ملکیت اپنے بھائی John کو دے دے اور اس کے عوض میں John اس کی
اطاعت قبول کرے۔ یہ ایک بے تکوں کا منصوبہ تھا چونکہ رچرڈ کو Aquitaine اپنی جان کی
طرح عزیز تھا۔ اس نے فوراً جواب دیا کہ یہ جائیداد اسے اپنی ماں کی طرف سے ملی ہے جسے وہ ہرگز
کسی کو نہیں دے گا۔ اور اگر وہ اس سلسلہ میں کسی کا مرہون منت ہوسکتا ہے تو وہ فرانس کا بادشاہ
ہے۔ جب ہنری نے اس سے کہا کہ وہ کم سے کم اس کا کچھ حصہ تو اپنے بھائی کو دے دے تو پھر بھی
اس نے وہی جواب دیا۔ لہٰذا ہنری اپنی خصلت کے مطابق غصہ میں آپے سے باہر ہوگیا اور جیسا
کہ اس نے Becket کے معاملہ میں کیا تھا اس نے ہنری جونیر کی طرح جان کو بھی بھڑکایا کہ وہ
رچرڈ پر حملہ کردے۔ اس طرح ایک نیا دائرہ بنا جس میں باپ اپنے بیٹوں کے درمیان جنگ
کرانے والا اور ساتھ ہی ان کے درمیان مصالحت کرانے والا بھی بنا۔ اب حالات مضحکہ خیز حد
تک بگڑ چکے تھے خصوصاً جب شاہ فرانس فلپ نے اپنے سابق عاشق رچرڈ پر زور ڈالا کہ وہ اس کی
بہن Alais سے شادی کرے جو ہنری کی محبوبہ تھی۔ ادھر ہنری کے بیٹے ایک آن تو باپ کے
قدموں پر گر معافی مانگتے تھے اور دوسری آن میں اس کے خلاف جنگ کر رہے تھے۔ کبھی تو وہ
انگلستان کے دربار میں ہوتے تھے اور کبھی فرانس کے۔ ادھر ان کی ماں Eleanor دور دراز
ایک قید خانہ سے اس تماشہ کو بے بسی سے دیکھ رہی تھی۔

غازی صلاح الدین اور تیسری صلیبی جنگ

تحریر: جیمس ریسٹن جونیئر۔ ترجمہ: علی خاں، جرمنی

فرانس کے دربار میں انگلستان کے شہزادوں میں فلپ (Philip) کو رچرڈ کے چھوٹے بھائی جعفری (Geoffrey) سے سب سے زیادہ لگاؤ تھا۔ یقیناً بادشاہ کے لئے جعفری کی یہ کشش جسمانی تعلق کا بھی نتیجہ تھی۔ اس نے جعفری کو فرانس کے ایک صوبہ کا حاکم بنادیا۔ اس نے خاص طور پر یہ جعفری کے بوڑھے باپ ہنری کو طیش دلانے کے لئے کیا۔ بدقسمتی سے ۱۹ راگست ۱۱۸۶ء میں ایک جنگی مقابلہ (Tournament) میں حصہ لیتے ہوئے جعفری گھوڑے کی ٹاپوں کے نیچے گر کر کچل گیا۔ پیرس کے مشہور و معروف کلیسا میں بڑی شان سے اسے دفن کیا گیا۔ اس کی موت سے فلپ کو ایسا صدمہ ہوا کہ اسے بڑی مشکل سے قبر میں کودنے سے تھاما گیا۔ لیکن بادشاہ نے جلد ہی اپنے سوگ پر قابو پالیا اور ۱۱۸۷ء کے موسم بہار تک اس کے جذبات محبت پھر رچرڈ کی طرف مائل ہو گئے۔ جب ہنری کو ان واقعات کی خبر پہنچی تو وہ سخت پریشان ہوا کہ آخر اس دوستی کا کیا مطلب ہے؟ اسے جلد ہی اس عقدہ کا حل مل گیا۔ رچرڈ Chinon پہنچا جہاں اس نے Loire کے محل میں باپ کا سارا خزانہ لوٹا اور پھر اس کے خلاف ایک بڑی فوج جمع کرنے کے لئے Aquitaine واپس ہوا۔ لیکن اسی سال موسم خزاں میں ہی دور دراز ملک سے ایک ایسی سنسنی خیز خبر پہنچی جس نے یورپ کے تمام شاہی خاندانوں کے باہمی جھگڑوں اور رقابتوں کی بنیادوں کو ہمیشہ کے لئے متزلزل کر دیا۔

☆☆☆☆

عروس وشتر: ۴ رجولائی ۱۱۸۷ء کی عظیم الشان فتح کے بعد صلاح الدین تیزی سے شمال

کی جانب بڑھا اور Sidon اور Beirut, Acre بغیر کسی خاص مزاحمت کے فتح کر لئے
یہ شہر زیادہ محفوظ نہیں تھے اور جلد ہی مسلمانوں کے دائرہ اثر میں آ گئے۔ لیکن Tyre پہنچ کر
سلطان کو حیرت کا سامنا کرنا پڑا۔ اسے توقع تھی کہ بیروت کے جنوب میں واقع یہ مورچہ بھی
دوسرے عیسائی مورچوں کی طرح قبضہ میں آ جائے گا۔ اپنے میدان جنگ سے فرار کے دوران
میں Raymond of Tripoli بھی پہلے یہاں آیا تھا مگر وہ اسے غیر محفوظ دیکھ کر آگے
بڑھ گیا تھا۔ درحقیقت صلاح الدین اس قلعہ کے حاکم سے پہلے ہی معاہدہ کر چکا تھا کہ اگر وہ اسے
بلا مزاحمت حوالہ کر دے تو شہریوں کی جان و مال محفوظ رہے گی۔ لیکن وہاں آ کر اسے معلوم ہوا کہ
اس کی مدافعت کا انتظام نہایت پختہ طریقہ سے کیا گیا ہے۔ اس دفاعی تنظیم کا ذمہ دار ایک تجربہ کار
اور جنگجو سردار تھا جس کا نام Conrad of Montferrat تھا۔ یہ شخص مسلمانوں کے وہاں
پہنچنے سے چند دن پہلے ہی آیا تھا۔ یہ بھی شاہ Guy اور Chatillon کی طرح ایک حادثہ
پسند انسان تھا جس کا ماضی قتل و سازش کی وارداتوں سے آلودہ تھا۔ یہ قسطنطنیہ کی سازشوں سے فرار
ہو کر بذریعہ بحری جہاز Acre پہنچا جہاں اسے معلوم ہوا کہ یہ بندرگاہ صلاح الدین کے قبضہ میں
آ گئی ہے تو اس نے جہاز کو جانب شمال ٹائر (Tyre) کو جانے کا حکم دیا۔ Tyre لاطینی
سلطنت کا آخری مورچہ رہ گیا تھا جہاں شکست خوردہ صلیبی مجاہدین کے گروہ جمع ہو رہے تھے۔
Montferrat ٹائر کے لوگوں کے لئے ایک خداداد تحفہ تھا، انہوں نے بڑی منت سماجت سے
اس سے درخواست کی کہ وہ انہیں مسلمان حملہ آوروں سے بچائے۔ اس نے یہ اس شرط پر منظور کیا
کہ تمام لوگ اسے اپنا سردار تسلیم کریں۔ اس نے فوراً عیسائیوں کو جوش و خروش دلا کر ایک نہایت
مضبوط دفاعی مورچہ قائم کیا۔ لیکن اس کا باپ Wm of Montferrat دمشق میں
مسلمانوں کی قید میں تھا، جب صلاح الدین کو یہ پتہ چلا کہ اس کا لڑکا Conrad اس قلعہ کی
مدافعت کر رہا ہے تو اس نے اس بوڑھے عیار کو دمشق سے منگوایا پھر اس نے اس کے بیٹے
Conrad کو پیغام بھیجا کہ اگر وہ ہتھیار ڈال دے تو اس کے باپ کو رہا کر دیا جائے گا اور اسے

کثیر مال و دولت بھی دیا جائے گا۔ قلعہ کی فصیل پر سے Conrad نے جواب دیا: ''مجھے اس ناکارہ بڈھے کی کوئی ضرورت نہیں، تو اسے ایک ستون سے باندھ۔ میں خود ہی سب سے پہلے اس کو نشانہ بناؤں گا۔ جب ولیم کو بطور آزمائش ذرا قریب لایا گیا تو اسے بیٹے کی بدکلامی پر ذرا بھی تعجب نہیں ہوا اور اس نے چیخ کر کہا۔ ''Conrad شہر کی حفاظت کر'' اس پر Conrad نے کمان اٹھائی اور باپ کو نشانہ بنایا۔ صلاح الدین پر اس کا گہرا اثر ہوا اور اس نے کہا: ''یہ شخص کافر اور بڑا ظالم ہے۔'' پھر اس نے خیال کیا کہ وہ اگر Tyre کی دلدل میں پھنسا رہا تو ایک نہایت اچھا موقع ہاتھ سے نکل جائے گا جسے وہ کسی صورت میں بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ حالانکہ اس کے سپاہی جنگ کرتے کرتے تھک گئے تھے مگر پھر بھی انہیں مال غنیمت کا شوق تھا۔ لہٰذا وہ فوراً ان دوسرے نشانوں کی طرف بڑھا جن کا ہاتھ آنا آسان تھا۔ جنوب کی طرف مڑ کر اس نے Arsuf اور Jaffa پر قبضہ کیا اور پھر وہ Caesarea کے روبرو آ کھڑا ہوا۔

Ascalon فلسطین کے پانچ شہروں میں سے ایک تھا اور یہ لاطینی سلطنت کی آخری جنوبی چوکی تھی۔ اس کا شہر ایک کمان کی طرح واقع تھا اور اس کی بندرگاہ کو نہایت باقاعدگی سے مضبوط کیا گیا تھا۔ شہر کے چاروں طرف ایک اونچی فصیل تھی جس پر جا بجا بلند و بالا مینار تعمیر کئے گئے تھے۔ Ascalon Jaffa سے تیس میل دور جنوب کی جانب واقع تھا اور اس کا یروشلم تک صرف ایک دن کا راستہ تھا۔ اس کے علاوہ مصر کے تعلق سے اس کی بڑی اہمیت تھی۔ اگر یہ مسلمانوں کے ہاتھ آ جائے تو بحری اور بری دونوں مہموں کے لئے بہت کارآمد ہو سکتا تھا۔ پھر بھی سلطان نے خیال کیا کہ وہ اسے فتح کر سکے گا۔ جہاں بھی وہ طویل محاصرہ یا دست بدست جنگ سے بچ سکتا تھا وہ اسے ترجیح دیا کرتا تھا۔ پھر ویسے بھی یہاں وقت کی بہت قیمت تھی چونکہ عروس یروشلم اس کا انتظار کر رہی تھی۔ قرآن کریم کے الفاظ اس کی رہنمائی کر رہے تھے۔ ''جس کے لئے حق کا دروازہ کھلا ہوا سے چاہئے کہ اس موقع سے فائدہ اٹھائے چونکہ اسے معلوم نہیں کہ یہ دروازہ کب بند ہو جائے۔'' اس قلعہ سے ہتھیار ڈلوانے کے لئے اس نے ایک بار پھر ایک اہم قیدی کو استعمال

کیا۔ یہ قیدی بادشاہ Guy تھا۔ صلاح الدین نے اس سے وعدہ کیا کہ اگر وہ قلعہ کے مدافعین کو ہتھیار ڈالنے پر رضامند کرلے تو اسے آزاد کردیا جائے گا۔ چنانچہ اس سابق بادشاہ کو فصیل کے پاس لے جایا گیا جہاں اس نے بڑی عاجزی سے اپنی رہائی کی بھیک مانگی۔ اس نے قلعہ والوں سے کہا: ''اے معزز سردارو! صلاح الدین نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ اگر تم یہ قلعہ بغیر لڑے اس کے حوالے کردو تو وہ مجھے آزاد کردے گا۔ ایک عمدہ شہر کو صرف ایک شخص کی آزادی پر نذر کردینا مناسب نہیں، پس اگر تم سمجھتے ہو کہ تم Ascalon کو عیسائیت کے لئے بچا سکو گے تو اسے مت دو۔ لیکن اگر تمہارا خیال ہے کہ تم ایسا نہیں کرسکتے تو میری درخواست ہے کہ تم ہتھیار ڈال دو اور مجھے رہا کرادو۔'' اس نے مزید یہ بھی وعدہ کیا کہ آزاد ہونے پر وہ سمندر پار یورپ کے سرداروں سے بھی مدد حاصل کرے گا۔ لیکن قلعہ والوں نے اس کی تجویز نہیں مانی۔ وہ تو اس کے قول پر صلاح الدین کے قول سے بھی کم اعتبار کرتے تھے۔ ان مذاکرات کے دوران میں بھی سلطان کے فصیل شکن انجینئر اپنے کام میں مصروف تھے اور دم بہ دم اسے منہدم کرنے کے قریب ہی ہوتے جارہے تھے۔ لہٰذا قلعہ کے مدافعین نے اسی میں خیریت سمجھی کہ وہ ہتھیار ڈال دیں۔ لیکن چونکہ Guy اپنی کوشش میں ناکام رہا تھا لہٰذا وہ قیدی ہی رہا۔

پس یہ شہر جو عیسائیوں نے ۳۴ سال پہلے فتح کیا تھا اور جو ان کی فتوحات کے عروج کا نشان تھا، اتنی آسانی سے پھر مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔ بعد میں سلطان نے اپنے بھائی الملک العادل کو اپنی فراخدلی کی یہ وجہ بتائی: ''ہم نے یہ شرائط اس لئے قبول کیں کہ ایک کی قسمت دوسرے کی قسمت سے وابستہ تھی۔ میرا یہ رحم مسلمانوں کے بیوی بچوں کو عیسائی فوج کے ظلم سے بچانے کے لئے تھا اور ساتھ ہی مجھے تمام شہر کو غارت گری اور کشت وخون سے بھی بچانا تھا۔'' جبکہ سلطان Ascalon کے مدافعین سے مذاکرات میں مصروف تھا اس کے لشکر کے کچھ دستوں نے آس پاس کے مورچے جو زیادہ مضبوط نہیں تھے فتح کئے جن میں Ramla, Latrun, Gaza اور Darum شامل تھے۔ Templars کے قلعہ Gaza میں سلطان نے

دوسرا پانسہ استعمال کیا۔ اس دفعہ اس نے Templars کے سابق ماسٹر de Ridefort کو ان جنگجو راہبوں کے پاس بھیجا۔ شاہ گئی کے مقابلہ میں de Ridefort زیادہ کامیاب رہا جس کے نتیجہ میں وہ اور قلعہ کے تمام راہب آزاد کر دیئے گئے۔ de Ridefort ان راہبوں کے ساتھ فوراً جانب شمال Tyre پہنچا جس کی وجہ سے سلطان کو مستقبل میں سخت دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ تاہم اسے اپنے فوری مقصد میں کامیابی ہوگئی۔ اب یروشلم کے گرد پھندا مکمل ہو چکا تھا۔ سلطان نے کچھ دن Ascalon میں قیام کر کے خود کو یروشلم کی مہم کے لئے روحانی طور پر تیار کیا۔ مسلمانوں کے لئے مکہ اور مدینہ کے بعد یروشلم تیسرا مقدس ترین شہر ہے جہاں تمام گزرے ہوئے انبیاء نے جس میں حضرت عیسیٰ بھی شامل ہیں، محمدؐ کا معراج کے موقع پر استقبال اور ضیافت کی تھی۔ مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق یہ تینوں شہر زمین کی تخلیق سے بھی پہلے ایک ہی مادہ یا جھاگ سے بنائے گئے تھے۔ یہ شہر حضرت ابراہیمؑ اور متعدد دیگر پیغمبروں کی رہائش گاہ تھا جہاں ان پر آسمانی صحیفے نازل کئے گئے تھے۔ اسی شہر کی مقدس چٹان سے محمدؐ نے سفید بُراق پر سفر کیا تھا، وہ مسجد حرام سے یہاں مسجد اقصیٰ لائے گئے تھے۔ پھر وہ اس بیری کے متبرک پیڑ کے نیچے پہنچے جو جنت کے پاس ہے جہاں سے آپ جنت میں داخل ہوئے، پھر آپ ساتویں آسمان پر تخت ایزدی کے حضور لے جائے گئے۔ آپ کا رات کا یہ سفر تمام مذاہب کے اعتقادوں میں ایک اہم ترین اعتقاد ہے۔ یہ وہ شہر تھا جہاں صلاح الدین سے پہلے طاقتور عرب سردار نور الدین زنگی کوشش کر چکا تھا کہ اسے اسلام کے لئے فتح کرلے۔ صلاح الدین کے لئے یروشلم سب سے بڑا انعام اور اس کا مقصد حیات تھا۔ اس کے لئے جہاد کی یہ تکمیل تھی۔ عرب مورخین کے بقول عروس یروشلم ۸۹ سال کافروں کی قید میں رہنے سے نڈھال ہو چکی تھی۔ ایک شخص یوں لکھتا ہے: ''اسلام یروشلم کا ماتم کر رہا ہے اور ہم اس کا مہر ادا کرنے کے لئے اپنی جانیں قربان کرنے کو تیار ہیں تاکہ اس کا چہرہ جگمگا اٹھے اور مقدس چٹان سے نکلی ہوئی پکار گونجے کہ کافروں پر لعنت پڑے اور مسجد اقصیٰ سے باہر ہوں۔'' اس وقت جبکہ مسلمانوں کی توقعات عروج پر تھیں صلاح الدین اپنے وفور جذبات میں

غرق تھا۔ اس کا کاتب لکھتا ہے: ''اس نے اپنی خواہشات پر قابو کیا اور ان نیلی آنکھوں والے حملہ آوروں سے انتقام لینے کے جذبہ پر قابو پایا، حالانکہ یہ جذبہ جائز تھا۔'' صلاح الدین نے ۱۹ ستمبر کو کوچ کیا اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے یہ امید کی کہ اسے کامیابی کا دروازہ کھلا ملے گا۔ اس کے لشکر کے گرد و غبار کے بادلوں سے سورج چھپ گیا اور دن دھندلا ہو گیا۔ اس کے سپاہیوں نے بھی اس کی توقعات میں پوری شرکت کی اور پر جوش اللہ اکبر کے نعرے لگائے۔ ان کے زرد جھنڈے جن پر کلمہ طیبہ لکھا تھا لہرا رہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ جلد ہی یروشلم میں ناقوسوں کی دل خراش آواز خوش الحان اذانوں میں تبدیل ہو جائے گی۔ اس امید افزا ماحول میں سلطان اپنے چوبی شامیانہ میں سفر کر رہا تھا۔ یہی شخص تھا جو دین اسلام کو فتح یاب بنا رہا تھا۔ دوسرے ہی دن اس کا یہ لشکر جرار اس مقدس شہر کی مغربی دیوار کے پاس داؤدی مینار (Tower of King David) کے مقابل آ پہنچا۔ اس تاریخی لمحہ کا بار صلاح الدین کے دماغ پر ضرور پڑا ہوگا۔ اُسے پہلی صلیبی جنگ کی شرم و توہین کا پورا علم تھا۔ ۸۸ سال پہلے ان کے سردار Tancred نے بھی اپنی فوج کو اسی مقام پر صف آرا کیا تھا۔ اور اس نے بھی اسی داؤدی مینار پر نظریں جمائی تھیں۔ اور اس وقت بھی مسلمانوں نے شہر کا اسی مضبوطی سے دفاع کیا تھا۔ اور ان عیسائی حملہ آوروں میں بھی مذہب کا ایسا ہی جوش تھا۔ شہر کی فصیلوں پر حملہ کرنے سے پہلے انہوں نے بھی اسی طرح مذہبی مشقیں کی تھیں۔ انہوں نے بھی روزے رکھے تھے۔ اپنے گناہوں کا اعتراف کیا تھا، غریبوں کو خیرات دی تھی اور پادریوں کے وعظ سنے تھے اور نہایت عاجزی سے ننگے پاؤں چلے تھے۔ اور انہوں نے بھی اس مقدس شہر کو آزاد کرانے کی تمنا کی تھی جہاں ان کا آقا اور نجات دہندہ رہا تھا اور فوت ہوا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی صلیبی مجاہدین پر نفرت کا بھوت بھی سوار تھا یہی ان کے ایمان کی خرابی تھی۔ وہ خون بہانے کے لئے بیتاب تھے۔ ان کے لئے تو یہ انتقام کا لمحہ آ گیا تھا۔ ان کا محاصرہ ۷ رجون سے ۱۵ رجولائی ۱۰۹۹ء کل سات ہفتے رہا۔ پہلے تو Raymond of Giles نے فصیل کے جنوبی حصہ میں خندق کو پٹوا کر سیڑھیاں لگوائیں اور فصیل پر پے در پے حملے کئے

حالانکہ اس جگہ فصیل Jehoshapat کی وادی سے اوپر بہت خطرناک بلندی پر تعمیر کی گئی تھی۔ جبکہ سپاہی متواتر حملہ کرتے رہے، فوج کے انجینئروں نے دو مینار تیار کیے اور فصیل توڑنے کے لئے ایک زبردست ہتھوڑا بنایا اور مزید سیڑھیاں بنائیں۔ چار ہفتوں بعد Tancred داؤدی مینار چھوڑ کر فصیل کے ساتھ ساتھ شمالی دروازہ کی طرف بڑھا جسے "باب دمشق" کہا جاتا تھا۔ یہاں وہ صلیبی لشکر کے سالار جنگ Godfrey of Bouillon سے جاملا۔ Godfrey ان کا سب سے بڑا ہیرو تھا جسے "حضرت عیسیٰ کا غلام" کہا جاتا تھا۔ یہ عیسائی شہسواروں کا نمونہ تھا، Holy Sepulcher پر ایمان رکھتا تھا اور عملاً یروشلم کی لاطینی سلطنت کا پہلا بادشاہ تھا۔ ۱۵ر جولائی کو بالآخر Tancred فصیل میں شگاف پیدا کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ یہ وہ جمعہ تھا جسے Dies Veneris کہا جاتا ہے اور جس دن قدیم اعتقاد کے مطابق حضرت عیسیٰ نے صلیب پر چڑھ کر تمام عالم کی نجات حاصل کی تھی۔ Tancred کے سپاہی دیوار کے شگاف سے شہر کے یہودی محلہ میں گھس آئے۔ اور انہوں نے قلعہ کا دروازہ کھول دیا جس سے Godfrey کے ساتھی شہر میں داخل ہوگئے، تقریباً اسی وقت Raymond کے سپاہی بھی جنوبی فصیل کو پار کر کے اندر گھس آئے۔ یہ سب متحد ہو کر مقدس پہاڑ (Temple Mount) پر حملہ آور ہوئے جہاں مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد آخری مدافعت کے لئے تیار تھی۔ اب وہاں کشت و خون کی ہولی شروع ہوئی۔ دو دن تک ان عیسائی حملہ آوروں نے ہر اُس متنفس کو قتل کیا جو ان میں سے نہیں تھا۔ کہا جاتا ہے کہ صرف اسی مقام پر دس ہزار قتل ہوئے، بقول ایک مورخ کے ان میں سے بعض کے پیٹ چاک کر دیئے گئے تھے چونکہ یہ افواہیں تھیں کہ انہوں نے اشرفیاں نگل لی تھیں۔ عیسائیت کا مقدس ترین مقام Holy Sepulcher جو خاص طور پر نشانہ تھا خون کا تالاب بن گیا تھا۔ اندازہ کے مطابق سب ملا کر شہر بھر میں تقریباً چالیس ہزار مسلمان قتل ہوئے جن میں مرد، عورتیں، بچے سب ہی شامل تھے۔ ادھر یہودی اپنے Synagogue میں چھپے ہوئے شہادت کا انتظار کر رہے تھے۔ عیسائی

مجاہدین نے اس خانۂ خدا کو نذرِ آتش کیا اور اس کے چاروں طرف خوشی سے خوب ناچ کودے اور (Te Deum) ''اے تو خدا'' کے ترانے گائے۔ قتل وغارت کے بعد لوٹ مار شروع ہوئی۔ مسجد عمر جو خلیفۂ دوم کے نام سے موسوم ہے اور جو مرقد مقدس Holy Sepulcher سے متصل ہے خوب لوٹی گئی، پھر حضرت ابراہیم کا مقبرہ مسمار کیا گیا۔ صلیبی مجاہدین بڑے جوش وخروش سے ان تخریبی کارروائیوں کو عمل میں لائے۔ وہ تو خود کو اللہ تعالیٰ کا آلۂ کار سمجھنے پر فخر کر رہے تھے۔ اور انہیں یقین تھا کہ وہ حق پر ہیں۔ ایک چشم دید گواہ کا بیان ہے: ''گرجا گھر میں اور حضرت سلیمان کے دالان میں سواروں کے گھٹنوں اور گھوڑوں کی لگاموں تک خون بھرا ہوا تھا۔'' بالآخر جب یہ المیہ ختم ہوا تو Godfrey اور اس کے ساتھیوں نے زرہ بکتر اُتار کر صلیبی نشانوں سے مزین لباسوں کو خون کی آلودگی سے پاک کیا اور نہایت عاجزی اور پشیمانی سے مرقد مقدس میں داخل ہوئے اور خوشی سے آنسو بہا بہا کر دعائیں مانگیں۔ انہیں یقین تھا کہ حضرت عیسیٰ کے مجاہد کی حیثیت سے انہوں نے نہایت شاندار خدمت ادا کی ہے۔ یروشلم کے اعلیٰ پادری نے کوہ مقدس (Temple Mount) پر ایک زبردست جلوس نکالا جہاں ''آقا'' کی شان میں ایک اور نیا ترانہ گایا گیا۔ یہاں سے جلوس عیسائی شہداء کے قبرستان پہنچا جو جلد ہی تیار کیا گیا تھا۔ پھر وہاں سے اس جگہ پہنچا جہاں فصیل میں شگاف کیا گیا تھا۔ اس مقام پر ایک بار پھر شکر الٰہی ادا کیا گیا جسے پادری نے خیر وبرکت سے نوازا۔ Guibert of Nogent جو پہلی صلیبی جنگ کا ایک اہم مورخ ہے یوں لکھتا ہے: ''اگر غیر یہودی اقوام کی ان اہم جنگوں کو دیکھا جائے جن میں سلطنتوں پر حملے کیے گئے تو ہمیں اپنی اس جنگ کے برابر کوئی اور جنگ نہیں ملے گی۔'' عورتوں کے ساتھ بے رحمی کے سلوک کے بارے میں اسے کوئی افسوس نہیں۔ وہ کہتا ہے: ''فرنگیوں نے عورتوں کے ساتھ کوئی ظلم نہیں کیا۔ انہوں نے بس ان کے پیٹوں کو نیزوں سے چھیدا۔'' ایک اور مورخ Fulcher کہتا ہے: ''یہ شادمانی کا وہ دن تھا جس کی دلی تمنا تھی چونکہ ہر باایمان کیتھولک کے دل کے پردہ میں ہمیشہ یہ آرزو رہی ہے کہ وہ مقام جہاں خالق عالم انسان کی شکل میں اس دنیا میں

آیا اور بنی نوع انسان کے لئے باعث رحمت بنا جہاں وہ پیدا ہوا، فوت ہوا اور پھر زندہ ہوا۔ جہاں اس نے اپنی بخشش ورحمت سے سارے عالم کو نوازا وہ مقام اپنی جائز شان وشوکت حاصل کرے۔ انکی یہ آرزو تھی کہ یہ شہر جو کافروں کے الحاد وتوہمات سے نجس ہو گیا تھا اسے اس گندگی سے پاک کیا جائے۔'' جو بات ایک کے لئے باعث شان وشوکت ہے وہ دوسرے کے لئے باعث شرم وذلت ہے۔ اگر اس شہر سے اس قتل عام کی بدبو چھ مہینہ بعد بھی آتی رہی تو اس کی یاد بھی ۹۰ سال تک باقی رہی۔ اس کا داغ صلاح الدین کے دماغ اور نفسیات پر ایسا لگا جو اس کی ساری تعلیم وتربیت اور اس کے آہنی ارادے کی جان بن گیا تھا۔ ایسی قابل شرم فتح جو صلیبی جنگ والوں کو حاصل ہوئی اس کے پیش نظر اسے اپنے انتقام وانصاف، ذاتی غم وغصہ اور حسد ونفرت کے جذبات پر قابو پانا تھا۔

اب اس کی باری تھی۔ سلطان نے پانچ دن تک شہر کی دفاعی نوعیت کا اچھی طرح جائزہ لیا پھر ۲۶ رستمبر کو حملہ کا آغاز کیا۔ اندازہ کے مطابق عیسائی فوج کوئی دس ہزار ہوگی۔ وہ کافی شور وغل مچا رہے تھے اور فصیل پر سے بگل بجا بجا کر خوب نعرے لگا رہے تھے: ''اے حقیقی اور مقدس صلیب یروشلم کو بچا۔ مرقد مقدس کو بچا۔'' وہ ایک دوسرے کو ہمت دلانے کے لئے اپنے ایمان کو پختہ کر رہے تھے کہ ''ان کا ایک فرد سو مسلمانوں کے برابر ہے۔'' وہ اپنے مستحکم ارادوں کو ثابت کرنے کے لئے آپس میں جام شراب کی گردش کر رہے تھے۔ ایک عیسائی کا بیان ہے کہ ابتدائی حملہ میں تیروں کی ایسی بارش ہو رہی تھی کہ دیوار پر سے کوئی انگلی بھی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ تاہم اس ہوائی حملہ سے کچھ حاصل نہیں ہوا۔ مدافعین نے فصیل پر سے دیکھا کہ مسلمان کوہ زیتون، کوہ مسرت اور jehoshaphat کی وادی سے خیمے اُکھاڑ رہے ہیں اور تھوڑی دیر کے لئے ایسا معلوم ہوا کہ صلاح الدین واپس جا رہا ہے۔ چنانچہ شہر خوشی کے نعروں سے گونج اُٹھا ''حبش کا بادشاہ بھاگ رہا ہے وہ اپنی امید کے مطابق شہر فتح نہیں کر سکے گا۔'' لیکن سلطان محض اپنے لشکر کو داؤدی مینار سے ہٹا کر سطح مرتفع پر St Stephan Gate کی جانب لگا رہا تھا۔ اب اس کے لشکر کا خاص حصہ بعین اس مقام پر کھڑا تھا جہاں ۸۸ رسال پہلے Godfrey اور

Tancred کے لشکر تھے۔ اس نے محاصرہ کے آلات شمالی دیوار کی طرف بڑھائے۔ سنگ بار مشین میں ایک زبردست پتھر رکھا گیا اور رسّوں کو پوری طرح کھینچ کر فصیل کی دیوار پر مارا گیا۔ اس کے علاوہ مسلمانوں نے اپنی خاص کمانوں سے بھی کام لیا جن کے ذریعہ عام تیروں کے بجائے نیزوں سے بارش کی جاتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی فوجی انجینئروں نے شگاف کر کے فصیل کی بنیادوں میں بھری ہوئی لکڑی کو آگ لگا دی۔ دو دن کی مسلسل یلغار کے بعد دیوار گرنا شروع ہوگئی۔ پھر انجینئروں نے Stephan Gate کے مینار کے کچھ حصوں کو بھی منہدم کر دیا۔ عین اس جگہ جہاں اس سے پہلے صلیبی مجاہدین نے شگاف کیا تھا، پھر ایک شگاف ہوا اور فصیل کے پتھر خندق میں گرے اور اس کے ساتھ وہ صلیب بھی گری جو گزشتہ فتح کی یاد میں وہاں نصب کی گئی تھی۔ شہر کے مدافعین ہمت ہار کر بھاگنے لگے۔ اب عیسائی فوج کی کمان کپتان Balian کے ہاتھ میں آئی۔ یہ ایک پرانا تجربہ کار بالا قد و قامت کا انسان تھا۔ اس کا روحانی مشیر یروشلم کا پادری اعظم Eraclius تھا۔ Balian نے برسوں اپنی جائداد Nablus پر اپنے باپ کی طرح بڑی لیاقت سے حکومت کی تھی۔ یہ وہی شخص تھا جس نے یروشلم کے کوڑھی بادشاہ کے مرنے کے بعد اس کے بچہ کو گود میں لے کر مرقد مقدس میں اس کی تاج پوشی کرائی تھی۔ یہ وہی بالیان تھا جس نے لاطینی سلطنت کے اس دوسرے ستون (ریمنڈ) Raymond کے ساتھ بادشاہ کو دانشمندانہ مشورہ دیا تھا اور یہ وہی شخص تھا جس نے Hattin کی جنگ میں اس قدر دلیری سے Templars کی قیادت کی تھی اور جو بطور معجزہ مٹھی بھر Templars سمیت میدان جنگ سے فرار ہو کر Tyre پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس کا عربوں سے پرانا تجربہ تھا اور وہ صلاح الدین سے مذاکرات کا عادی تھا لہٰذا یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اس نے Tyre سے سلطان سے درخواست کی کہ اسے یروشلم جانے دیا جائے تاکہ وہ اپنی بیوی کو وہاں سے نکال سکے۔ سلطان نے یہ درخواست منظور کی بشرطیکہ وہ ہتھیار نہ لگائے اور صرف ایک رات وہاں رہے۔ لیکن جب وہ وہاں آیا تو عیسائیوں نے اس سے التجا کی کہ وہ ان کی مدد کرے۔ یہ وہ دور تھا جب شرفاء کو

اپنی عزتِ نفس کا پاس ہوتا تھا۔ وہ ایک معزز سردار تھا لہٰذا اس نے سلطان سے درخواست کی کہ اسے اس کے وعدہ سے بری کیا جائے جسے اس نے منظور کر لیا۔ دراصل سلطان کو یہ کوئی پروا نہیں تھی کہ کون شہر کی مدافعت کا ذمہ دار ہے۔ بالیانؔ نے اس سلسلہ میں پادری اعظم Eraclius سے بھی اجازت مانگنا ضروری نہ سمجھا چونکہ یہ شخص نہایت ہوشیار اور عالم دین تھا مگر کھلم کھلا ایک پارچہ فروش کی بیوی کے ساتھ رہ رہا تھا جسے عوام ''بیگم پادری اعظم'' کہا کرتے تھے۔

یروشلم میں اس وقت دو ہی سردار رہ گئے تھے اور ان میں سے وہ شخص حکومت کر رہا تھا جو نہایت تندخو اور غیر ہر دل عزیز تھا۔ اس لئے عوام نے بالیانؔ (Balian) سے منتیں کیں کہ وہ ان کی قیادت کرے۔ اس نے چار و ناچار ان کی درخواست منظور کی۔ اس نے پہلے تو شہر کے لئے خوراک کا ذخیرہ مہیا کرنے کا انتظام کیا اور پھر اہم سرداروں کے ساٹھ جوان لڑکوں کو مدافعت کے لئے تعینات کیا۔ لیکن جوں ہی فصیل میں شگاف ہونے کے آثار نمایاں ہوئے تو بالیانؔ سمجھ گیا کہ اب حالت نا امیدی کی حد تک پہنچ گئی ہے۔ اگر اسے شکست کا مزید ثبوت درکار تھا تو اس سے مل گیا کہ یروشلم کے پادری اعظم Eraclius نے پچاس محافظوں کو پانچ ہزار طلائی سکے دینے کا وعدہ کیا کہ اگر وہ کامیاب مدافعت کر سکیں۔ یہ رقم ان کی ایک رات کی تنخواہ سے سو گنا زیادہ تھی لیکن پھر بھی کوئی اس خدمت کے لئے نہیں مل سکا۔ اُس وقت تک تقریباً بارہ زرد جھنڈے فصیل پر لگائے جا چکے تھے۔ یروشلم کی عورتوں نے مرقد مقدس کے حوض کے ٹھنڈے پانی میں بٹھا کر بچوں کے بال کترے جوان کی توقعِ شہادت کی علامت تھی۔ لیکن بعض سر پھرے اب بھی قدیم شجاعت کی روایات کے مطابق کافروں پر پوری طاقت سے ایک آخری حملہ کرنے کا مشورہ دے رہے تھے لیکن پادری اعظم نے اس شعلۂ شجاعت کو نہیں بھڑکنے دیا۔ اس نے کہا کہ اگر ہمارا حملہ ناکام رہا اور ہم مارے گئے تو ہمارے بیوی بچے مسلمانوں میں فروش کر دیئے جائیں گے اور اس کے نتیجے میں ہماری روحوں پر جنت کا داخلہ بند کر دیا جائے گا۔ پس اُس نے بالیانؔ کو مشورہ دیا کہ وہ صلح کی کوشش کرے۔ اس نے صلاح الدین کے پاس صلح کے لئے وفد روانہ کیا۔ پہلے تو سلطان نے اس

میں کوئی دلچسپی ظاہر نہ کی اور نہایت تلخی سے جواب دیا: ''میرے مشیروں کا کہنا ہے کہ یروشلم عیسائیوں کے خون سے ہی پاک کیا جاسکتا ہے۔''...... پھر اس نے اٹھاسی (۸۸) سال پہلے کے واقعات یاد دلائے اور کہا: ''میرا دل تو ان مسلمانوں کے خون کا انتقام چاہتا ہے جنہیں Godfrey نے یروشلم کے گلی کوچوں بلکہ عبادت خانوں تک میں قتل کرایا تھا۔'' پھر بھی اس نے یہ وعدہ کیا کہ وہ اس بارے میں علماء سے مزید مشورہ کرے گا، جس سے اس کی اس دہشتناک دھمکی کسی قدر نرم ہوگئی۔ بالآخر بالیانؔ بذاتِ خود صلح کی درخواست کرنے کے لئے اس کے حضور میں حاضر ہوا۔ اس نے سلطان سے درخواست کی کہ وہ شہر کے بدلے میں اس کے لوگوں کی جان بخش دے۔ سلطان نے غضبناک آواز میں جواب دیا: ''تمہیں نہ تو امان ملے گی اور نہ ہی تم پر رحم کیا جائے گا۔ کل ہم تمہارے آقا ہوں گے۔ تمہیں گرفتار کریں گے اور قتل کریں گے اور تمہارے بیوی بچے ہمارے غلام ہوں گے۔'' لیکن یہ دل ہلا دینے والی دھمکی سن کر بھی بالیانؔ نے ہوش وحواس پر قابو رکھا۔ اس نے کہا: ''اگر ہمیں تمہارے رحم اور اپنی بچت کی کوئی توقع نہیں رہی تو پھر ہم مردوں کی طرح موت کا سامنا کریں گے۔ ہم میں سے کوئی شخص بھی زخمی نہ ہوگا جب تک کہ وہ تمہارے دس آدمیوں کو زخمی نہ کردے۔ ہم آگ میں کود جائیں گے مگر خود کو ذلیل نہ ہونے دیں گے۔ ہم سارے گھر جلا دیں گے اور مسجد اقصیٰ کو مسمار کردیں گے تاکہ تم اپنی بربریت سے لطف اندوز ہوسکو۔ ہمارے پاس ہزاروں مسلمان قیدی ہیں۔ ہم ان سب کو قتل کردیں گے۔ ہم اپنی ساری ملکیت کو تباہ کردیں گے تاکہ وہ تمہارے ہاتھ نہ آسکے۔'' یہ کہہ کر وہ ذرا رُکا۔ پھر اس نے کہا ''تمہیں اس بے رحمی سے کیا حاصل ہوگا؟ تمہارے ہاتھ کچھ نہیں لگے گا۔'' سلطان پر مقدس مقامات اور بالخصوص مسجد اقصیٰ کی تباہی کا سن کر بہت اثر ہوا اور بالیانؔ اس کی توجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس نے جب مدمقابل کے چہرے پر نظر ڈالی تو وہ سمجھ گیا کہ یہ وہ شخص نہیں کہ جو خالی دھمکیاں دے پھر بھی سلطان ایک آسان فتح قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ خصوصاً اس وقت جبکہ اس کا انعام تقریباً اس کے ہاتھ میں ہی تھا۔ یہ بات بالکل صاف ظاہر ہونا چاہئے کہ اس

نے یہ مقدس شہر صلح نامہ سے نہیں بزور قوت فتح کیا ہے۔ یہی تاریخ کا تقاضہ تھا اور اس نے اپنی رعایا سے اور نبی کریم ﷺ سے بھی یہی وعدہ کیا تھا۔ بالآخر اس نے بالیان سے کہا: ''وہ جنگ کی حالت میں ہتھیار ڈالیں ایسی صورت میں ان کا مال وزر نہیں لوٹا جائے گا لیکن وہ ہمارے غلام ہوں گے۔ ان میں سے جو ایک طے شدہ تاوان دے سکے گا آزاد کر دیا جائے گا باقی غلام رہیں گے۔''

اس کے بعد آزادی کی قیمت پر مزید بھاؤ تاؤ کیے گئے۔ لیکن اب مسئلہ صرف آزادی کی قیمت ہی کا تھا نہ کہ آزادی کا۔ بالیان اور Eraclius ان لوگوں کی آزادی پر بھی مصر تھے کہ جو تاوان کی ادائیگی کے قابل نہیں تھے۔ ایسے مفلس تقریباً بیس ہزار تھے۔ باقی اپنی آزادی خرید سکتے تھے۔ اس بحث ومباحثہ میں خاصا وقت لگا اور کئی بار قاصدوں کی آمد ورفت ہوئی۔ آخر یہ طے ہوا کہ ہر مرد کے لئے دس، عورت کے لئے پانچ اور بچہ کے لئے ایک طلائی اشرفی دی جائے گی۔ بالیان اور Eraclius جانتے تھے کہ ہنری دوم نے Thomas Becket کے قتل کے جرم میں Hospitalers کے خزانے کو تیس ہزار طلائی سکے ادا کیے تھے جو اس کار خیر کے لئے حاصل کیے جا سکتے تھے۔ یہ رقم تقریباً سات ہزار قیدیوں کو آزاد کرا سکتی تھی۔ اس لئے گلی کوچوں میں مزید چندہ جمع کیا گیا جس سے اور سینکڑوں آدمی چھڑائے جا سکے۔

☆☆☆

الرحمٰن الرحیم: تاریخ کے پیش نظر صلاح الدین نے یروشلم کا داخلہ دو روز کے لئے ملتوی کر دیا تا کہ وہ اس مقدس شہر کو ۲۷ رجب ۵۸۳ھ (۲ اکتوبر ۱۱۸۷ء) کو فتح کرے۔ یہ وہ سالگرہ ہے جس رات نبی کریم ﷺ نے معراج کا سفر کیا تھا۔ آج پھر اسی تاریخ کو یروشلم مسلمان ہو گیا۔ شہر کی چار دیواری میں سلطان نے فخر لیکن نہایت انکساری سے عوام سے مبارک باد قبول کی۔ امراء، علماء، وکلاء، شعراء، درویش، صوفی غرض سب ہی اس موقع پر اس کے دربار میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے مسند وقالین کو بوسہ دیا اور تحائف پیش کیے۔ ایک شخص کو تو سلطان کے تخت کے گرد چاند کا ہالا نظر آیا۔ ۱۰۹۹ء میں عیسائی فتح کی قتل وغارت گری کے مقابلے میں اس دفعہ مطلق

کسی تشدد یا جارحیت کا مظاہرہ نہ ہوا، البتہ بعض عمارتیں اس کا نشانہ ضرور بنیں۔ اس ماحول میں حفاظتی نقطہ نظر سے مرقد مقدس کے دروازے بند کر دیئے گئے تھے۔ صلاح الدین کے مشیروں میں کچھ ایسے انتہا پسند بھی تھے جو اسے گوبر کا ڈھیر کہتے تھے۔ انہوں نے عربی لفظ ''القمامۃ'' بنا دیا تھا جس کا مطلب گوبر ہے۔ ان کا مشورہ تھا کہ اسے منہدم کر دیا جائے تا کہ عیسائی آئندہ اس کی زیارت کو آ ہی نہ سکیں۔ ایک شخص نے یوں کہا: ''جب اس عمارت کو مسمار کر کے مٹی کا ڈھیر بنا دیا جائے اس کی آگ بجھا دی جائے اور سارے نشانات مٹا دیئے جائیں۔ زمین پر ہل چلا کر گرجا کی دھجیاں اُڑا دی جائیں تو پھر لوگ زیارت کو آنا بند کر دیں گے۔ لیکن اگر یہ قائم رہی تو اس کی زیارت کبھی بند نہ ہوگی۔''

مرقد مقدس کو منہدم کیا جائے یا نہ کیا جائے اس سلسلے میں بڑی پُر جوش بحثیں ہوئیں۔ بعض امیروں کا کہنا تھا کہ عیسائی مرقد مقدس کی زیارت کے لئے نہیں آتے وہ تو مسلمانوں کو یہاں گوارا نہیں کر سکتے اس لئے یہاں آتے ہیں، ایک اور شخص جس نے تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا تھا، کہا کہ مسلمانوں نے اس سے پہلے ۱۰۰۸ء میں بھی یہی بحث کی تھی کہ اس عمارت کو مسمار کر دیا جائے یا نہیں، مگر پھر خالص سیاسی نقطہ نظر سے یہی مناسب سمجھا کہ اسے قائم ہی رہنے دیا جائے چونکہ مرقد مقدس عیسائیوں کی سب سے متبرک عبادت گاہ ہے جس کی بربادی ان کی مسلمانوں کے خلاف نفرت کو بے انتہا بڑھائے گی اور ان کے انتقام کی آگ کو بھڑکا دے گی۔ صلاح الدین اس بحث کو خاموشی سے سنتا رہا۔ بالآخر اس نے فیصلہ کیا اور حکم دیا کہ مرقد مقدس کو ہاتھ نہ لگایا جائے چونکہ ایک اچھا مسلمان تمام مذاہب کے عبادت خانوں کی تعظیم کرتا ہے۔ البتہ اس متبرک مقام کو احتیاطاً تین دن بند رکھا گیا تا کہ کوئی اس کی بے حرمتی نہ کرنے پائے۔ بعد ازاں عیسائی معمولی فیس دے کر داخل ہو سکتے تھے۔ فاتحین نے دیکھا کہ مقدس چٹان (مسجد اقصیٰ) کو چرچ میں تبدیل کر دیا گیا تھا جس جگہ نبی کریم ﷺ نے قدم رکھے تھے اسے ڈھک دیا گیا تھا اور وہاں ایک بدنما اور بدمذاق قسم کا سنگِ مرمر کا عبادت خانہ بنا دیا گیا تھا جس پر مختلف جانوروں کی تصویریں بھی کندہ

تھیں جن میں سور کہ جونجس العین ہے، بھی شامل تھا۔ اس چرچ کے دروازے کے نیچے ایک غار تھا جسے صلیبیوں نے گناہوں کے اقبال کرنے کا مقام بنایا تھا، وہ اسے چرچ کا مقدس ترین مقام سمجھتے تھے۔ یہاں اس زانیہ کی تصویر بھی آویزاں کی گئی تھی جو حضرت عیسیٰ کے حضور میں سنگسار کرنے لائی گئی تھی جس کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا کہ "سب سے پہلے اس کے وہ پتھر مارے جس نے کبھی کوئی گناہ نہ کیا ہو۔" سلطان نے حکم دیا کہ عیسائیوں کی ان تمام ملحدانہ چیزوں کو ہٹایا جائے تاکہ وہاں سورج کی شعائیں پھر روشن ہو سکیں۔ جب اسے ہٹایا گیا تو پتہ چلا کہ اس کے کچھ حصے توڑ کر قسطنطنیہ میں فروخت کر دیئے گئے تھے۔ گناہوں کا اقبال کرنے کا مقام مسلمانوں کی عبادت گاہ بنادی گئی۔ کچھ سپاہیوں نے مقدس چٹان پر چڑھ کر وہاں نصب کی ہوئی لوہے کی چمکدار صلیب کو اکھاڑ دیا۔ پہلے تو اسے بطور توہین یروشلم کے گلی کوچوں میں گھسیٹا گیا اور پھر سلطان کی طرف سے تحفۃً خلیفہ کو بغداد بھیجا گیا۔ خلیفہ صلاح الدین کا نام نہاد افسرِ اعلیٰ تھا۔ خلیفہ نے صلیب نہر کو جامع مسجد کی سیڑھیوں پر دفن کرایا تاکہ غازی اسے قدموں سے روندتے رہیں۔ عیسائیوں کے اس مقدس مقام کے بالمقابل مسجد اقصیٰ تھی جسے Templars نے اپنے گھوڑوں کا اصطبل بنایا تھا اور جہاں ان کا ہیڈ کوارٹر بھی تھا۔ اب اسے صاف کر کے گلاب کے پانی سے پاک کیا گیا جو صلاح الدین کی بہن خاص طور سے دمشق سے لائی تھی۔ پھر دیکھا گیا کہ محرابِ مسجد کو بیت الخلاء بنایا گیا تھا، چنانچہ اس مقام کو بھی اچھی طرح پاک وصاف کیا گیا اور اسے پہلے خطبہ کے لئے تیار کیا گیا۔ سلطان نے محرابِ مسجد پر سنگِ مرمر کا حاشیہ لگوایا اور اس پر کندہ کیا گیا: "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کا بندہ اور اس کا ناظم الملک (Al Malik) صلاح الدین غازی نے جس کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ نے ۵۸۳ھ میں شہر فتح کرایا حکم دیا کہ اس مقدس محراب اور مسجد اقصیٰ کی مرمت کی جائے جس کی بنیاد رحمتِ الٰہی پر ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کرتا ہے کہ وہ اس کے گناہ معاف کرے اور اسے اس قابل کرے کہ وہ اس کی رحمت ونوازش کا شکریہ ادا کر سکے۔"

چنانچہ تمام انسانوں، جانوروں اور بالخصوص سوروں کی شکلیں عبادت خانے سے مٹادی

گئیں۔ Aleppo کا حسین اور مشہور چوبی منبر قیمتی کپڑے میں لپیٹ کر دمشق سے لایا گیا۔ یہ منبر استاد حامد بن تحفیر کے فنِ منبر سازی کا بہترین نمونہ تھا اور اس پر صلاح الدین کے مربی اور اس سے پہلے کے سردار نور الدین کا نام کندہ تھا۔ مسجد کی رحیل میں انجیل کی جگہ قرآن مجید نے لی۔ فرش پر قالین بچھائے گئے اور شہر کی چھتوں سے ناقوس اور گھنٹوں کی جگہ اذانوں کی آواز آنے لگی۔ ایک بار پھر ایک سب سے زیادہ خوش الحان اور پاک باز قاری نے سورۂ اوّل کی قرأت کی: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: سب تعریف ہے اللہ کے لئے جو تمام کائنات کا رب ہے...... ہدایت کر ہمیں صراطِ مستقیم کی...... یروشلم کی فتح کے ایک ہفتہ بعد ہی صلاح الدین کی سلطنت کے تمام حصوں مصر، شام بلکہ میسوپوٹامیہ تک سے لوگ جوق در جوق مبارک باد دینے کے لئے آنے لگے۔ اور سب لوگ بے چینی سے منتظر تھے کہ سلطان پہلے خطبہ کے لئے کس شخص کو منتخب کرے گا چونکہ یہ سب سے بڑی عزت تھی۔ یروشلم کے سارے درویش و علماء اس امید میں تھے کہ انہیں یہ شرف حاصل ہوگا۔ انہوں نے سلطان کے معائنہ کے لئے پہلے ہی خطبے لکھ کر تیار کر لئے تھے۔ لیکن صلاح الدین نے بجائے کسی جلیل القدر شخصیت کے ایک ۳۲ سالہ نوجوان کو جو الیپو کا قاضی تھی، یہ اعزاز بخشا۔ اس کا نام محی الدین تھا جس کے معنی ''مذہب میں جان ڈالنے والا'' ہیں۔ بعد میں یہ شخص دمشق کا قاضی بنا اور اس نے باکمال نظموں کے شاہکار لکھے۔ اس نے الیپو کے Gray Castle کے فتح ہونے پر اپنی ایک نظم میں یہ پیشن گوئی کی تھی کہ: ''تیرا ماہ صفر میں Gray Castle فتح کرنا یہ اعلان کرتا ہے کہ تُو ماہ رجب میں یروشلم فتح کرے گا۔'' اس کی اس پیشن گوئی نے صلاح الدین کے دل میں ہمیشہ کے لئے اس کا مقام بنا دیا۔ بغداد میں خلیفہ نے اسے اعزازی طور پر ایک سیاسہ جُبہ عطا کیا تھا، جب وہ اسے پہن کر خطبہ کے لئے منبر پر کھڑا ہوا تو اس نے حاضرین کو ناامید نہیں کیا۔ آئندہ ایک گھنٹہ تک وہ فتح کی مبارک باد اور کلام الٰہی پر تقریر کرتا رہا۔ اس نے فتح کی اخلاقی بنیاد کو واضح کرتے ہوئے کہا کہ لوگوں کو اس فتح کی خوشخبری پر جشن منانا چاہئے چونکہ یہ ظاہر کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور یقیناً اس وقت جنت کی سبز پوش مخلوق دنیا والوں سے زیادہ خوشیاں

منا رہی ہے۔ اس نے تنبیہ کی کہ: ''خبردار شیطان تمہیں کہیں یہ نہ یقین دلا دے کہ فتح تمہارے زورِ شمشیر، سبک رفتار گھوڑوں یا تمہاری دلیری سے ہوئی ہے۔ نہیں، بخدا فتح طاقت سے نہیں بلکہ دانشمندی سے حاصل ہوتی ہے۔'' محی الدین نے اسلام میں یروشلم کی اہمیت پر بھی روشنی ڈالی۔ اس نے کہا کہ یہ وہ مقدس شہر ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نے ابتداءً اہلِ ایمان کو بجائے مکہ کے اس کی جانب رُخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ یہ مبارک شہر گویا ایک شترِ گم راہ تھا جس کے ساتھ مشرکین نے تقریباً سو سال تک بدسلوکیاں کیں مگر اب بالآخر یہ اپنے اصل مقام پر پہنچ گیا ہے۔ پس خوشیاں مناؤ اس مقدس گھر کی طہارت پر جہاں خداوند کریم نے تمہیں اپنا نام لینے کا موقع دیا۔ اس نے اسلام کی وحدانیتِ الٰہی کا عیسائیت کی تثلیث کے تخیل سے موازنہ کرتے ہوئے قرآن کا حوالہ دیا: ''اللہ احد ہے اس کی حکومت میں کوئی شریک نہیں۔ اسے کسی نے پیدا نہیں کیا اور نہ ہی اس نے کسی کو جنا۔''

اس نے حضرت عیسیٰ کے بارے میں مسلمانوں کے ایمان کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ ''وہ ایک نبی تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے شرفِ اعزاز بخشا لیکن پھر بھی انہیں ''فانی'' کے رتبہ سے اونچا نہیں اٹھایا۔ وہ محض ایک انسان تھے۔'' وہ انتقام کے مضمون سے بھی باز نہ رہا۔ اس نے کہا: ''اس فتنہ کو نکال باہر کرنے کے لئے جہاد کرو جس کا ہم شکار ہیں۔ دشمنی کی جڑیں اُکھاڑ دو اور اس سرزمین کو اس نجاست سے پاک کر دو جس نے خدا اور اس کے پیغمبر کو ناراض کیا ہے۔ کفر و شرک کی شاخیں اور جڑیں کاٹ کر پھینک دو۔ اب وقت پکار رہا ہے کہ اسلام کا بدلہ لو۔ اللہ علی العظیم ہے، وہی فتح کرتا ہے، وہی مغلوب کرتا ہے اور وہی کفار کو ذلیل کرتا ہے۔'' پھر اس نے اپنی تقریر سلطان کی مدح پر ختم کرتے ہوئے کہا: ''اے دین کی مدافعت کرنے والے اور اس مقدس وطن کے محافظ۔ اے عظیم معاون شہزادے اور اسلام کے سلطان تُو نے اپنی تابناک شخصیت اور تلوار کے زور سے مسجد اقصیٰ اور اس سرزمین کو صلیب کے پجاریوں سے پاک کر کے اسلام کا بول بالا کیا۔'' یہ خطبہ ایسا شاندار تھا جس کے بارے میں ایک سننے والے نے یوں کہا ہے: ''یہ خطبہ نہایت

شیریں، خوشگوار، رواں، مزین، مختصر اور بے نظیر تھا۔" آئندہ چالیس دن تک عیسائیوں کا یروشلم سے شہر بدر ہونے کا قابلِ افسوس سلسلہ جاری رہا۔ شہر کے ہر دروازے پر جانے والوں سے تاوان وصول کرنے کے لئے ایک افسر تعینات تھا۔ ایسے ماحول میں جلد ہی ایک چور بازار پیدا ہو گیا۔ اور رشوت عام ہو گئی۔ لوگ طرح طرح سے فرار ہونے کی کوششیں کرنے لگے۔ کچھ رسیوں کے ذریعے دیوار پھاندے تو کچھ سامان کے صندوقوں میں چھپ کر نکلے اور کچھ مسلمان سپاہیوں کا بھیس بدل کر بھاگے۔ آزادی حاصل کرنے کی جستجو میں عیسائیوں نے اپنا مال ومتاع برائے نام قیمت پر فروخت کیا۔ گرجا گھروں سے سونا چاندی اور تمام قیمتی اشیاء لوٹ لی گئیں اور جو باقی بچا اسے پادریوں نے چھپا دیا۔ ان کا مقصد غریبوں کو آزادی دلانے کے بجائے گرجا گھر کی دولت کو بچانا تھا۔ سب سے بڑا مجرم یروشلم کا پادری اعلیٰ Eraclius تھا جس نے خود ہی اپنے چرچ کو سب سے زیادہ لوٹا۔ جب چرچ کی دیواروں سے سونے کے غلاف اور پردے چرائے جا رہے تھے تو ایک خادم نے سلطان سے عیسائیوں کے حرص کی شکایت کی۔ اس نے کہا کہ ان کی قیمت کم از کم دو لاکھ دینار ہو گی، یہ اس رقم سے دُگنی ہے جو تاوان کی شکل میں خزانے کو ملے گی۔ اس نے مزید کہا کہ آپ نے ان فرنگیوں کو اپنا مال لے جانے کی اجازت دی ہے نہ کہ چرچ کا مال۔ ان بدمعاشوں کو اس لوٹ مار کی اجازت نہ دیں۔ سلطان نے اطمینان سے جواب دیا کہ اگر ہم انہیں منع کرتے ہیں تو وہ ہم پر وعدہ خلافی کا الزام لگائیں گے۔ میں یہ ترجیح دیتا ہوں کہ معاہدہ پر حرف بہ حرف عمل کیا جائے[۳] کہ وہ اہلِ ایمان پر بدعہدی کا الزام نہ لگائیں کہ ہم نے ان کے ساتھ شریفانہ سلوک نہیں کیا۔ پھر بھی باوجود بہت سی چالوں اور رشوتوں کے چرچ کی کنجوسی کی بدولت ہزاروں غریب شہر میں بے سہارا اور بے بس ہو کر غلامی کی نذر ہو گئے۔ تاہم اس انسانی سودے سے سلطان کا دل خوش نہیں تھا اور اس نے آخر وقت تک ہر طرح کے عذر کو قبول کرتے ہوئے ہزاروں کو آزاد کیا۔ Eraclius نے براہِ راست سلطان سے کچھ لوگوں کی آزادی کی درخواست کی جس کے نتیجے میں پانچ سو آزاد ہوئے۔ Orthodox فرقہ کے عیسائیوں نے

شہر میں رہنے کی اجازت مانگی جسے منظور کرلیا گیا۔ سلطان نے ان کا تاوان معاف کر دیا اور انہیں مرقد مقدس کی مجاوری کا حق دیا، نیز انہیں عیسائیوں کی جائیداد خریدنے کا بھی حق دیا۔ مزید پانچ سو قیدی اس لئے رہا کر دیئے گئے کہ وہ آرمینیہ کے باشندے تھے۔ علاوہ ازیں ایک ہزار اور آزاد کئے گئے چونکہ وہ Edessa کے رہنے والے تھے اور یروشلم میں محض مہمان تھے۔ ملکہ Sibylla مع درباریوں کے اور بدمعاش شیتلاںؔ کی بیوہ بھی بظاہر بغیر کسی وجہ کے آزاد کر دی گئیں۔ صلاح الدین نے خاص طور پر مقتول اور گرفتار شدہ سپاہیوں کی بیویوں پر رحم کیا۔ اس نے نہ صرف انہیں آزاد کیا بلکہ انہیں ہر طرح کے تحفے بھی دیئے۔ بلکہ سلطان کے بھائی ملک العادل کو بھی ان غریبوں کی بے بسی پر اتنا رحم آیا کہ اس نے درخواست کی: ''اعلیٰ حضرت اس جنگ میں میں نے بھی آپ کی مدد کی ہے، میری درخواست ہے کہ اس انعام میں آپ مجھے ان غریبوں میں سے ایک ہزار عنایت فرمائیں۔'' سلطان نے اچھی طرح یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ انہیں آزاد کر دے گا اس کی درخواست منظور کر لی۔ بالیانؔ نے احساس کیا کہ سلطان کی دلی خواہش تھی کہ سب قیدیوں کو رہا کر دیا جائے اس لئے اس نے ذرا ڈھیل دی لیکن اسی اثناء میں ایک احمق نے شراب کے مٹکے میں سونا چھپا کر لے جانے کی کوشش کی۔ دروازے پر سپاہی نے اس پر سونے کا تو شک نہیں کیا لیکن اس نے مٹکا یہ کہہ کر پکڑ لیا کہ اس شراب ہی کی وجہ سے تو اللہ تعالیٰ نے اس شہر کو عیسائیوں سے پاک کیا ہے۔ جب اس میں سے سونا برآمد ہوا تو بالآخر سلطان کی رحم دلی بند ہوگئی۔ اب غریبوں کی تعداد کم ہو کر کوئی آٹھ ہزار رہ گئی تھی۔ ان کے بدلے میں بالیانؔ اور Eraclius نے خود کو پیش کیا۔ لیکن سلطان نے یہ کہہ کر اسے رد کر دیا کہ آٹھ ہزار کی جگہ دو آدمی نہیں لئے جا سکتے۔ پس اس مقام پر آزادی کی سودابازی بند ہوگئی۔ غلاموں میں عورتوں کی زیادہ قدر تھی۔ ایک عرب مورخ نے لکھا ہے کہ عورتوں کی گریہ وزاری خاصی دلچسپ تھی چونکہ اس کے لئے تو یہ عورتیں عصمت فروش تھیں۔ صرف ان کا خیال ہی شہوانی جذبات کو اُبھارنے کے لئے کافی تھا۔ اس کا کہنا ہے: ''یورپ کی عورتیں مغرور، جھگڑالو، گناہوں پر اُکسانے والی، جذبات بھڑکانے والی، بناؤ سنگھار سے

آراستہ، ولولہ انگیز، بے باک، حسین ودل کش، سیاہ چشم، گلابی رنگ، شہوت انگیز اور پُرکشش آواز اب بے بس احمق بن گئی ہیں اور اپنی عصمت کو ایک تبرک کے طور پر تقسیم کر رہی ہیں۔ جب یہ بے بس عورتیں کسمپرسی کے عالم میں عربوں کے لبادوں اور چغوں کو پکڑ پکڑ کر آہ و بکا کرتی تھیں تو ان کے شہوانی خیالات کو اور بھڑکاتی تھیں۔ بدنصیب قیدیوں کی کثیر تعداد کے پیش نظر انہیں تین گروہوں میں تقسیم کیا گیا۔ پہلے دو گروہوں کو تو Templars اور Hospitalers کے سپرد کیا گیا جن کی نگرانی مسلمان سپاہی کر رہے تھے۔ اور تیسرے گروہ کے ذمہ دار Balian اور Eraclius کو بنایا گیا۔ یہ آزاد کردہ عیسائی طرابلس کی سرحد تک لائے گئے تاکہ وہ وہاں سے Tyre جا سکیں۔ سلطان نے ہر گروہ کے ساتھ پچاس محافظین کا دستہ بھی تعینات کیا تھا۔ سرحد پر پہنچ کر جونہی مسلمان محافظ واپس ہوئے راہزن اور قزاق پناہ گزینوں پر ٹوٹ پڑے اور ان کا تمام مال وزر لوٹ لیا۔ اب یروشلم کے فتح کی دردناک خبر یورپ کو پہنچی جہاں مرثیے لکھے گئے۔ مثلاً اب رحیل (Rachel) اپنے ان بیٹوں کے ضائع ہونے پر ماتم کر رہی ہے کہ جو رحم مادری سے ضائع ہو گئے۔ یہ Genesis 301-2 کا حوالہ ہے۔ یا پھر آج عبادت کدہ مسمار ہو گیا اور وہ شہر جو ہمیشہ انسانوں سے بھرا رہتا تھا خالی ہو گیا۔ (Lementation 1:1) پھر بھی جس طرح اسلامی لشکر نے قابلِ مثال طور پر یروشلم کی فتح کے بعد برتاؤ کیا اگر اس کا مقابلہ ۱۰۹۹ء میں صلیبی مجاہدین کی غارت گری اور قتل وخون سے کیا جائے تو اس سے صلاح الدین کی دانشمندانہ قیادت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس نے مرقد مقدس اور عیسائیوں کے دیگر مقامات کا جو احترام کیا اور مخالفین کے ساتھ جس شرافت، رحم دلی اور اعلیٰ ظرفی کا سلوک کیا اس کی ان خوبیوں اور عقلمندی کی وجہ سے اس کا نام ہمیشہ یاد رہے گا۔

خانۂ داؤد: ۱۱۸۷ء کی اہم جنگ دو مذاہب کا تصادم معلوم ہوتی ہے۔ یہ تصادم ایک واحد قادرِ مطلق اور تثلیث مقدس جس میں خدا کی ذات میں اُلوہیت کا مجموعہ ہے (یعنی نعوذ باللہ

اللہ تعالیٰ، بیٹا حضرت عیسیٰ اور روح القدس جبرئیل علیہ السلام) کا تھا۔ یہ تصادم یورپ کے سواروں اور اس مقدس چٹان کا تھا جہاں سے محمد ﷺ نے شبانہ سفر کر کے معراج حاصل کی تھی۔ گویا یہ تصادم مرقد مقدس اور مسجد اقصیٰ کا تھا، لیکن کیا یہودیوں کے لئے بھی یروشلم اتنا ہی مقدس نہیں تھا؟ یہ ان کا مقدس ترین مقام ہے۔ MT Temple پر ان کا سب سے پہلا اور دوسرا عبادت خانہ تعمیر ہوا جس کے آثار میں مغربی دیوار اب تک باقی ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں (یہودیوں کے عقیدے کے مطابق) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسحاق علیہ السلام کو قربانی کے لئے تیار کیا تھا۔ یہاں صیحون (Zion) تھا جو ان کے مذاہب کا مرکز ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں شیکنہ (Shakinah) (جلوۂ الٰہی) نمودار ہوا، جہاں عبادت خانہ تعمیر کیا گیا جسے روم کے شہنشاہ Titus نے ۷۰ء میں دوبارہ مسمار کرایا اور اس کی جادوئی کشش سے علماء نے اسے یہودیوں کی ہجرت کا کلینڈر بنایا۔ فلسطین کے یہودیوں کے لئے یورپ کے سفید پوش سوار ہلاکت کے کوے بن کر آئے۔ پہلی صلیبی جنگ سے پہلے دریائے Rhine اور Danube کی وادیوں میں یہودیوں کے قتل و غارت کی خبریں جلد ہی مشرق وسطیٰ پہنچ گئی تھیں، اس لئے ان مغربی حملہ آوروں کے آنے سے پہلے ہی ان کے خدشات بہت بڑھ گئے تھے اور وہ شدت سے شہادت کی تیاریاں کر رہے تھے بلکہ بعض درویشوں نے تو یہاں تک گمان کیا کہ ان عیسائیوں کی آمد مسیح کی آمد کی دلالت کرتی ہے۔ اس مقدس زمین کو عیسائی اتنا پائمال کریں گے کہ جلد ہی خداوند کہے گا جیسا کہ Micah 4:13 میں آیا ہے "اے دختر صیحون اٹھ اور ان پر ضرب لگا میں تیرے سینگ کو لوہا اور تیری ٹاپوں کو تانبا بنادوں گا اور تو ان میں سے بہت کو ٹکڑے ٹکڑے کردے گی۔" ان ظالم وسفاک اور نفرت سے بھرے ہوئے مذہبی دیوانوں کی آمد نے نجومیوں کو روزِ قیامت کی آمد کا حساب لگانے میں مصروف کر دیا۔ ایک ہزار سال گزر چکے تھے جب Titus نے Temple (عبادت خانہ) تباہ کیا تھا۔ کیا یہ صلیب بردار، مذہبی گیت گانے والے اور انتقام کے پیاسے پھر اس ایک ہزار سال پرانی ہولناک تباہی کا پیش خیمہ تھے؟ کیا اب وہ دن آ گیا تھا جب Isaiah

کے بقول "رب اس مکھی کو پکارے گا جو مصر کے دریا کی تہہ میں چھپی ہوئی ہے اور اس شہد کی مکھی کو کہ جو عراق میں رہتی ہے۔" ایک یہودی نے کہا "میں یہودی لشکر کو حرکت میں دیکھ رہا ہوں مگر مجھے معلوم نہیں کہ وہ کدھر جائیں گے۔" جب ۱۰۹۹ء کی جنگ میں شہر کی فصیل میں شگاف پڑا تو عیسائی سپاہی سب سے پہلے یہودیوں کے محلّہ میں داخل ہوئے۔ یہودیوں کا یہ محلّہ داؤدی مینار کے پاس واقع تھا جہاں تقریباً دوسو لوگ رہتے تھے۔ ان سب کو زندہ ان کے Synagouge میں جلا دیا گیا اور اس تماشے سے محفوظ ہو کر ان کے قاتلوں نے خوب قہقہے لگائے، ناچے کودے اور مذہبی ترانے گائے۔ آئندہ ۸۰ رسال تک یہودی نہایت نازک حالت میں Galilee اور Acre میں رہ سکے نہ کہ یروشلم میں عیسائی حاکموں کے فرمان کے مطابق کوئی یہودی شہر کی چار دیواری میں نہیں رہ سکتا تھا، گو کہ فصیل کے باہر سیکڑوں کپڑوں کی رنگ ریزی کا کام کیا کرتے تھے۔ بارہویں صدی کے درمیان تقریباً چار سو یہودی Tyre میں اور تقریباً اتنے ہی Acre میں رہتے تھے۔ یہ لوگ بالخصوص شیشہ سازی کا کام کرتے تھے یا جہازوں کے مالک تھے۔ دوسرے شہروں جیسے Hebron, Betlehem, Ramala اور Bait Jibrin میں ان کی مٹھی بھر تعداد تھی۔ سب ملا کر لاطینی سلطنت میں یہودیوں کی تعداد ہزار سے بھی کم ہوگی۔ یہ نہایت مفلس تھے اور یورپ کے حاکموں کی نفرت وظلم کا نشانہ تھے۔ Acre کے پادری اعلیٰ نے ان کے بارے میں یوں لکھا ہے "یہ نہایت کمزور ہو گئے ہیں اور عورتوں کی طرح جنگ کے لائق نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ہر مہینے ان کا خون بدلا جاتا ہے۔ ان پر خدا کی پھٹکار ہے اور یہ ہمیشہ کے لئے ذلیل کر دیئے گئے ہیں۔ جن عربوں میں یہ رہتے ہیں وہ عیسائیوں سے زیادہ ان سے نفرت کرتے ہیں۔ یہ گندہ سے گندہ اور ذلیل ترین کام کرتے ہیں۔ تاہم یہ عربوں کے مقابلے میں عیسائیوں کے ہاتھ سے زیادہ مارے جاتے ہیں چونکہ اللہ میاں انہیں اس لکڑی کی طرح سنبھال کر رکھتا ہے جو سردیوں میں جلانے کے کام آئے۔ یہ ہمیں حضرت عیسیٰ کی موت یاد دلاتے ہیں۔" لیکن وہ مشرق وسطیٰ میں اور جگہوں پر بالخصوص Babylonia میں دولت مند اور اعلیٰ مرتبہ تھے۔ وہ اکثر

صرافہ، ریشم کی رنگ سازی، چمڑا سازی یا بینکوں کا کاروبار کرتے تھے۔ اس کے علاوہ ایشیا، افریقہ اور یورپ کی باہمی تجارت بھی ان کے ہاتھ میں تھی۔ تین ہزار سے زیادہ یہودی دمشق میں دو ہزار Palmyra (اسپین) میں آباد تھے۔ اس بین الاقوامی جماعت کا سردار بغداد میں رہتا تھا جو ''شہزادۂ اسیری'' کے لقب سے مشہور تھا۔ جب وہ ریشمی کپڑے پہنے شہر میں نکلتا تھا تو اس کی سواری کے آگے آگے خادم نعرے لگاتے تھے ''خبردار ہمارے آقا اور حضرت داؤد کے بیٹے کی سواری آرہی ہے، راستہ چھوڑو۔'' یہ شہزادۂ اسیری حضرت داؤد کی اولاد ہونے کا دعویٰ کرتا تھا۔ کافی مشرق کی طرف سمرقند میں پچاس ہزار، الیگزینڈریہ (مصر) میں تقریباً تین ہزار اور قاہرہ میں کوئی دو ہزار یہودی آباد تھے۔ قاہرہ میں ان کے دو Synagouges تھے اور ان کا ایک صدر بھی تھا جس کا جائز رتبہ اسلامی حکومت نے تسلیم کرلیا تھا، لیکن فلسطین اور یروشلم سے یہودیوں کا تعلق محض جذباتی طور پر تھا نہ کہ حقیقی۔ گو کہ صلاح الدین کی سلطنت میں یہودیوں کا برابر کا رتبہ نہیں تھا مگر پھر بھی عام طور پر ان کے ساتھ رواداری برتی جاتی تھی اور انہیں پسند کیا جاتا تھا۔ ان کا شمار غیر مسلموں کی عام اصطلاح ذمیوں میں تھا یعنی وہ اور غیر مسلموں کی طرح سلطنت کی رعایا تھے جن کی حفاظت کی حکومت ذمہ دار تھی۔ ان کے ساتھ عمل تو ہین بھی کسی حد تک خوشگوار ہی تھا مثلاً گھوڑا سواری ان کے لئے ممنوع تھی لیکن وہ خچر پر سوار ہو سکتے تھے۔ یہ قانون ممتاز طبیبوں یا سرکاری افسروں پر بھی لاگو تھا۔ متعدد یہودی ڈاکٹروں نے خود صلاح الدین کا بھی علاج کیا اور وہ عموماً ان کی خدمات سے مطمئن تھا، البتہ ایک مرتبہ دردِ شکم کے لئے ایک یہودی طبیب نے شراب پینے کا مشورہ دیا، چونکہ شراب خود اسلامی شریعت میں ممنوع ہے اس لئے سلطان نے اسے خاموشی سے نظر انداز کردیا۔ لہٰذا یہ ایک فطری امر تھا کہ یروشلم کی فتح کے بعد سلطان کے ابتدائی فرمانوں میں سے یہ بھی تھا کہ یہودیوں کو اس مقدس شہر میں واپس آنے کی اجازت دی گئی۔ سلطان نے کسی قدر جذبات سے یہ یاد کیا کہ نوے سال پہلے کی صلیبی جنگ میں یہودی بھی مسلمانوں کے دوش بدوش لڑے تھے، اس کی تمنا تھی کہ وہ یروشلم کو پھر اسی طرح بنادے جیسا کہ وہ

پہلی صلیبی جنگ سے پہلے ہوا کرتا تھا جس کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہاں پھر مختلف مذاہب واقوام کے لوگ آباد ہوں جیسے پہلے تھے۔ ایک یہودی شاعر Al- Harizi نے یوں لکھا ''یروشلم کی دوبارہ پیدائش مبارک ہو اور اہلِ یہود یہاں بخوشی واپس ہوں۔ اہلِ یہود جو مصر، موصل اور دنیا بھر کے دور دراز کونوں میں خاک چھان رہے ہیں ہر طرف سے آ کر پھر ان حدود میں آباد ہوں۔''

اس کی شہرت چاروں طرف پھیل گئی اور جلد ہی مشرق وسطیٰ اور المغرب سے یہودی جوق در جوق یروشلم آنے لگے۔ ان کے لئے شہر کے جنوبی حصے میں ایک نیا محلّہ آباد کیا گیا۔ سلطان کا یہ فعل سخاوت اور اعلیٰ ظرفی کے ساتھ ساتھ عملاً بھی نہایت دانشمندانہ تھا چونکہ فاتح سپاہیوں کے علاوہ شہر عام آبادی سے تقریباً خالی ہو گیا تھا۔ مصالحہ اور کپڑوں کے بازار خالی پڑے تھے بلکہ وہ گلی بھی جہاں سے طرح طرح کے گوشت کی ناخوشگوار بو آتی تھی اب سنسان ہو گئی تھی۔ شہر میں جان ڈالنے کے لئے ضروری تھا کہ جلد از جلد اسے نئے شہریوں سے پُر کیا جائے۔ ۱۰۹۹ء میں عیسائی فاتحین کو بھی اسی دقت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ مسلمانوں اور یہودیوں کے قتل عام کے بعد شہر کی آبادی اتنی کم ہو گئی تھی کہ صرف ایک گلی ہی میں کچھ لوگ باقی رہ گئے تھے۔ ایسی صورت میں عیسائی حکمرانوں نے یہ کوشش کی تھی کہ عرب کے دوسرے علاقوں سے جو پریشان حال عیسائی تھے انہیں لا کر یروشلم میں آباد کیا جائے۔ اسی طرح جب ۱۱۴۴ء میں زنگی نے Edessa فتح کیا تو اس نے بھی تین سو یہودی خاندانوں کو ان عیسائیوں کی جگہ آباد کرایا کہ جو وہاں سے فرار ہو گئے تھے۔

اب یہ مسلم سلطانِ اعظم یہودیوں کا ہیرو بن گیا۔ اس نے یروشلم فتح کیا تھا اور رب العزت نے یہ شہر اس کے ہاتھ میں دے دیا تھا۔ صلاح الدین یروشلم میں ایک مہینہ رہا، اس عرصے میں اس نے شہر کے انتظامات کی تفصیلات کی دیکھ بھال کی۔ شہر کے عالیشان محلات کو چھوڑ کر اس نے ایک چھوٹے سے عبادت خانے میں قیام کیا جسے الخانقہ کہا جاتا تھا۔ اس نے اس مقام کو اپنے رب کا نام دیا ''الرحمٰن الرحیم'' یہ جگہ عیسائیوں کے مقدس ترین مقامات مرقد مقدس اور Via Dolorosa (کوچہ گلاب) سے دور نہیں تھی۔ بجائے وسیع کمروں اور ضیافتی او طاقوں کے اس کے شاہی دفتر

میں صرف دو نیم روشن کمرے تھے جہاں بمشکل چھ افراد ایک دائرے کی شکل میں بیٹھ سکتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس عاجزی انکساری کے مظاہر سے وہ ہر اس تکبر اور بددیانتی سے بچنا چاہتا تھا جو عموماً فوجی فتوحات سے پیدا ہو جاتی ہے۔ اس نے شہر کی فصیل اور خندق کی پوری طرح مرمت کرائی اور شہر کے اسلامی آثار و طرز کو واضح طور پر برقرار رکھنے کا مصمم ارادہ کیا۔ جونہی کہ رخصت ہونے والے عیسائیوں سے ادا کیا ہوا سرمایہ حاصل ہوتا وہ فوراً فوجیوں، علمائے دین اور نیک لوگوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ ان لوگوں میں ایک صوفیوں کا اہم فرقہ بھی تھا جنہیں ''درویش'' کہا جاتا تھا۔ سلطان نے حکم دیا کہ مرقد مقدس کے شمال مغربی حصے میں جو اعلیٰ پادری کا محل تھا وہ ان درویشوں کو مراقبہ، حلقہ اور عام عباداتِ الٰہی کے لئے دے دیا جائے۔ درویشوں نے بطور شکریہ جواباً اس کا نام خانقاہ الصلاجیہ رکھا۔ شہر کے مشرقی حصہ میں Johoshaphat کا دروازہ تھا جہاں سے پہلی بار حضرت عیسیٰ خچر پر سوار ہو کر یروشلم میں داخل ہوئے تھے۔ اس کے پاس ہی صلیبیوں کا تعمیر کردہ سب سے عالی شان گرجا گھر ST Anna تھا۔ سلطان نے حکم دیا کہ اسے مدرسہ بنا دیا جائے جہاں دینیات اور شرع کی اعلیٰ تعلیم دی جائے۔ اس کا نام بھی المدرستہ الصلاجیہ رکھا گیا جس طرح کہ مسجد الاقصاء میں Templars کو پاک صاف کر کے اس کی سابقہ حالت میں لایا گیا تھا۔ اسی طرح مرقد مقدس کے جنوب میں مورستان میں جو سینٹ جان کا مشہور و معروف شفاخانہ تھا۔ اسے بھی علمی اور مذہبی مراقبہ کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔ مگر صلاح الدین کے لئے آرام کا کوئی وقت نہیں تھا، اس کے مشیر ہمہ وقت اس کے درپے تھے، اس کے خزانچی نالاں تھے کہ عیسائیوں کا ادا کردہ ٹیکس برباد کیا جا رہا ہے اور اس کے لشکر کے سردار مصر تھے کہ اس سے پہلے کہ سردیوں میں فوج تتر بتر ہو جائے عیسائیوں کے باقی ماندہ ساحلی مورچوں پر حملہ کرنا ضروری ہے۔ ایک مشیر نے یوں لکھا کہ عیسائی اس وقت تک اپنے مقبوضات کو ہاتھ سے نہ جانے دیں گے جب تک کہ ان کے ہاتھ کاٹ نہ دیئے جائیں۔ خود اس کے مورخوں نے اس کی فیاضی پر اعتراضات کئے۔ ایک ابن الاثیر لکھتا ہے ''ہر دفعہ جب کوئی عیسائیوں کا قلعہ جیسے

Acre, Ascalon یا یروشلم فتح ہوتا ہے سلطان دشمن کے سپاہیوں ار سرداروں کو Tyre میں پناہ لینے کی اجازت دے دیتا ہے جس کی بدولت وہ شہر نا قابلِ تسخیر ہو گیا ہے۔ کیا یہ کہنا بجا نہ ہوگا کہ صلاح الدین خود ہی اپنی فوج کے خلاف Tyre کا دفاع کر رہا ہے۔" بالآخر ۳۰ اکتوبر کو اسلامی لشکر نے اپنی اعلیٰ قدر پناہ گاہ کو خیر باد کہا۔

وراثت کے معاملہ میں کفار شامل: نومبر ۱۱۸۷ء میں Tyre کا پادری اعظم (Archbishop) جلدی سے اس مشرقی بحر روم کے شہر سے جہاز میں سوار ہو کر مغرب کی جانب سسلی کو روانہ ہوا۔ اس پادری کا نام Josias تھا۔ جیسا کہ اس کی المناک مہم کا تقاضہ تھا اس کے جہاز کے بادبان بھی سیاہ تھے۔ وہ یہ یقین نہیں کر سکتا تھا کہ اس کی واپسی تک Tyre عیسائیوں کے قبضہ میں رہے گا۔ یہ لاطینی سلطنت کا آخری مورچہ تھا جو ۹۰ سال پہلے پہلی صلیبی جنگ میں قائم کیا گیا تھا۔ Tyre نے ابھی تک کافروں کے شدید حملوں کا دفاع محض اس لئے کیا تھا کہ Templars نے غیر معمولی دلیری سے ان کا مقابلہ کیا تھا۔ لیکن کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ کب تک اسے بچا سکیں گے۔ Josias اپنی ذاتی یادوں کے علاوہ اس سانحہ کے بارے میں نہایت شر انگیز پروپیگنڈا بھی لیتا گیا۔ منجملہ دیگر اشیاء کے اس کے پاس حضرت عیسیٰ کا فوٹو بھی تھا جس کے چہرے سے خون ٹپک رہا تھا۔ اس پر لکھا تھا: "مسلمانوں کے پیغمبر نے ہمارے نجات دہندہ کو مجروح اور قتل کیا ہے۔" اس کے ساتھ ہی اس کے پاس Templars کے سردار Gerad de Ridefor کا خط بھی تھا۔ یہ وہی شخص تھا جو محض سلطان کی اعلیٰ ظرفی کی بدولت زندہ تھا۔ اس نے لکھا تھا: "خداوند نے ہمارے گناہوں کی پاداش میں کیسے کیسے صدموں اور مصیبتوں کے تازیانے لگائے ہیں۔ اے شومئ قسمت ہم نہ تو انھیں بیان کر سکتے ہیں اور نہ ہی ان پر خون کے آنسو بہا سکتے ہیں"۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے خط میں ایسی خبریں تھیں جن پر" چاند و سورج متحیر تھے"۔ پھر اس نے مسلمانوں کی تعداد چیونٹیوں سے زیادہ بتاتے ہوئے درخواست کی

کہ: ''جتنی جلد ممکن ہو ہماری اور عیسائیت کی مدد کرو کہ جو مشرق میں تباہ ہو چکی ہے تا کہ ہم تمہاری امداد اور منشاء ایزدی سے باقی شہروں کو تو بچا سکیں۔ الوداع''۔عیسائی دنیا میں یہ خیال بڑھتا جارہا تھا کہ لاطینی سلطنت کی بربادی صلاح الدین کی طاقت کی وجہ سے کم اور عیسائیوں کے اخلاق کے انحطاط کی وجہ سے زیادہ ہوئی ہے۔کیا یہ درست نہیں ہے کہ پہلے ہمیشہ عیسائی افواج کم تعداد ہونے کے باوجود اور بالخصوص جب اصل صلیب میدان جنگ میں لائی جاتی تو فتح یاب ہوتی تھیں۔اب ان کے خدا نے انھیں شکست کھانے اور برباد ہونے دیا ہے۔ وہ اپنے گناہوں کی بدولت اس تباہی کے مستحق ہوئے ہیں۔خدا نے اپنے پرستاروں کو سبق سکھانے کے لئے ایک کافر کو آلۂ کار بنایا ہے۔اس نظریہ کے پھیلتے ہی اس کافر آلۂ کار کے بارے میں بھی مضحکہ خیز افواہیں اڑنے لگیں۔کہا جانے لگا کہ Hattin کی جنگ کے بعد ایک درباری مسخرہ حاضر ہوا اور اس نے صلاح الدین سے کہا: ''اللہ میاں نے عیسائیوں کو اُن کے گناہوں کی اصلاح اور سزا دینے کا فیصلہ کرلیا ہے اور تجھے اس خدمت کے لئے چُنا ہے۔لیکن اے شہزادے اس دنیا میں کبھی ایک باپ اپنے نالائق بیٹے کو سزا دینے کے لئے غصہ میں کیچڑ میں سے ایک گندی چھڑی اُٹھالیتا ہے۔لیکن بیٹے کو پیٹنے کے بعد وہ اس چھڑی کو پھر اسی کیچڑ میں پھینک دیتا ہے''۔لیکن اب افسوس یہ ہے کہ صلاح الدین کے دربار میں کوئی مسخرہ تھا ہی نہیں اور اگر ہوتا بھی تو یہ تصور کرنا مشکل ہے کہ یہ زبردست سلطان اسے ایسی بدتمیزی کی اجازت دیتا۔تاہم یورپ میں اس کہانی کی بڑی قدر کی گئی۔ابتدائی دسمبر میں پادری Josias سِسلی کے ساحل پر پہنچ گیا اور ایسی خبریں لایا جنھیں پا کر زمین و آسمان کے ہوش اُڑ گئے۔نارمن بادشاہ ولیم دوم پر تو اس کا ایسا اثر ہوا کہ وہ چار دن تک ٹاٹ کے کپڑے پہنے رہا۔پانچویں دن وہ خلوت سے نمودار ہوا اور اس نے یہ مصمم ارادہ کیا کہ وہ یورپ کے تمام حاکموں کو خط لکھے گا اور زور ڈالے گا کہ وہ ایک نئے جہاد کے لئے کمربستہ ہو جائیں۔اس کے لبوں پر ۷۹ویں آیت جاری تھی: ''اے خدا کافر تیری وراثت میں داخل ہو گئے ہیں۔انہوں نے مقدس عبادت گاہ کو ناپاک کردیا ہے اور یروشلم کو مسمار کردیا ہے'' روم میں

اس کا اثر اس سے بھی زیادہ ہوا۔ پوپ اُربان سوم کا Josias کے آنے سے کچھ ہی دن پہلے انتقال ہوا تھا اور وہاں انتخابات کی کشمکش ہو رہی تھی۔ نیا پوپ Gregory VIII تھا۔ ہر چند کہ وہ دل شکستہ تھا لیکن پھر بھی اس نے جہاد کی مہم کو بڑی طاقت سے آگے بڑھایا۔ اس نے کہا کہ عیسائی دنیا کو یروشلم اور اصل صلیب کھو جانے کی کچھ ذمہ داری تو لینا ہی پڑے گی چونکہ عیسائیوں نے پوپ کے گزشتہ احکامات کو نظر انداز کیا ہے اور عیسائی حاکموں نے اپنے ذاتی چھوٹے چھوٹے جھگڑوں کو ''نجات دلانے والے'' (حضرت عیسیٰ) کے مفاد پر ترجیح دی ہے۔ گریگوری نے اس مقصد کے لئے دل و جان کا زور لگا دیا۔ اس نے کہا: ''ہر معمولی فہم و ادراک کا آدمی بھی خطرہ کی سنگینی کو سمجھ سکتا ہے اور یہ جان سکتا ہے کہ یہ وحشی کس قدر جوش سے عیسائی خون کے پیاسے ہیں۔ ان مقدس مقامات کو نجس کرنے والوں کا نصب العین اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ خدا کا نام دنیا سے مٹ جائے''۔ اس نے مزید وعدہ کیا کہ: ''جو شرفاء جن کے دلوں میں ایمان اور روحوں میں انکساری ہے جو اس سفر کی صعوبت کو برداشت کریں گے وہ اپنے گناہوں کی معافی اور حیات ابدی کی توقع کر سکتے ہیں''۔ اس دل سوز درخواست کے ساتھ پوپ Pisa اور Genoa کی طرف روانہ ہوا تا کہ وہ بحر روم کی ان دو بڑی حکومتوں کے اختلافات دور کر سکے۔ لیکن یہ ضعیف اور دل کا مریض پوپ اس مشکل سفر کو برداشت نہیں کر سکا اور پوپ منتخب ہونے کے دو ماہ بعد ہی انتقال کر گیا۔ اس کا جانشین Clement III بنا۔ اس نے بھی اس مہم کو پورے جوش و خروش سے کامیاب بنانے کی کوشش کی۔ اس نے بھی یورپ کے حاکموں پر زور دیا کہ وہ باہمی جھگڑوں کو چھوڑ کر حضرت عیسیٰ کی آواز پر لبیک کہیں۔ پوپ نے خاص توجہ انگلستان پر کی چونکہ یہ تمام یورپ میں سب سے زیادہ متمول اور طاقتور ملک تھا۔ اس نے انگلستان کے پادریوں پر زور دیا کہ وہ سب خاص و عام کو متحد کریں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حضرت اسمٰعیل کی یہ اولاد اپنی ناقابل بیان ڈکیتی میں کامیاب ہو جائے۔ Clement نے Josias کو بھی Gisors روانہ کیا جہاں ۱۱۸۸ء میں انگلستان اور فرانس کے بادشاہ سے مذاکرات کے لئے ملنے والے تھے تا کہ Josias جو

Tyre کا پادری اعظم تھا خود اپنی زبان سے ان کے سامنے تفصیلات بیان کرے۔ جب Aquitaine کے شہزادہ اور انگلستان کے مستقبل کے بادشاہ Richard نے یہ درخواست سنی تو اس نے گھٹنوں پر گر کر صلیب تھام لی۔ وہ یورپ کا پہلا عیسائی شہزادہ تھا جس نے ایسا کیا۔ ۲۱ رجنوری ۱۱۸۸ء کو انگلستان اور فرانس کے بادشاہ پھر Gisors میں مذاکرات کے لئے ملے۔ رچرڈ جنوبی فرانس ہی میں رہا لیکن ان بادشاہوں کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ اس پر مشرق کی اس تباہ کن خبر کا کتنا گہرا اثر ہوا تھا۔ اب Gisors میں انھوں نے Josias کی زبانی ارض مقدس کے کھو جانے کی تفصیلات سنیں۔ اس کا غم و غصہ شدید تھا اور بعد میں اس کے جذبات کو ایک مرثیہ کی صورت میں پیش کیا گیا جس کا عنوان ہے: "Sede Syon Pulvere": ''اے یروشلم دھول میں بیٹھ، سر پر خاک ڈال اور ٹاٹ کے کپڑے پہن۔ جس جگہ امید کی مستحکم بنیاد تھی وہاں آج ایمان و خیرات کا نام و نشان مٹ چکا ہے اور آج یروشلم میں گیدڑ کتے کے پلّوں کو دودھ پلا رہے ہیں۔ انھوں نے اس مقدس مقام پر سنگ باری کی ہے اور مصریوں نے عبرانی کاوشوں کو برباد کر دیا ہے''۔ پادری اعظم کے اصرار پر ہنری اور فلپ نے بھی گھٹنوں پر گر کر صلیب تھام لی۔ یہ طے ہوا کہ آنے والی مہم کے لئے فرانسیسی اپنی وردیوں پر سرخ صلیبی نشان، انگریز سفید اور ہالینڈ و بلجیم والے سبز نشان لگائیں گے اور دونوں بادشاہ ایک سال میں ارض مقدس روانہ ہوں گے۔ اس کانفرنس میں ایک نئے ٹیکس کا تخیل پیدا ہوا جسے ''صلاح الدین ٹیکس'' کہا گیا۔ اس مختصر وقت میں ایسا معلوم ہوا کہ پوپ کا سیاسی جہاد کا نظریہ کامیاب ہوا۔ ایک بار پھر اس نے یورپ کے حاکموں کی توجہ فضول خانہ جنگی سے ہٹا کر ایک مشترکہ دشمن کی طرف لگا دی۔ ایک مشترکہ دشمن نے ان سب کو متحد کر دیا۔ یہ ایک نہایت اچھا خیال تھا۔ مزید یہ کہ ان سرداروں کو شوق جنگ بھی پورا کرنے کا ایک موقع مل گیا۔ ''صلاح الدین ٹیکس'' فرانس اور انگلستان دونوں ملکوں پر عائد کیا گیا۔ چونکہ بوڑھا ہنری اب ان مسلسل جھگڑوں سے بیزار ہو چکا تھا اس لئے وہ جوان فلپ اور اس کے شیروں کے ساتھ Vexin کے معاملہ میں فراخ دلی کے لئے آمادہ ہو گیا۔ یہ طے کیا گیا کہ Gisors

کا قلعہ اور اس سے متعلقہ اراضی فلپ کی حسین سوتیلی بہن Alais کا جہیز مانا جائے گا۔ Alais کی منگنی رچرڈ سے کردی گئی تھی جبکہ وہ چار سال کی تھی۔ فلپ نے ایک بار پھر یہ مطالبہ کیا کہ Alais کی شادی رچرڈ سے بلاتاخیر کی جائے۔ بہر حال مقدس انتقام کا جذبہ زیادہ دن قائم نہیں رہا اور جلد ہی فریقین پھر دنیاوی انتقام میں لگ گئے۔ دراصل ہنری کا صلیب تھامنا ایک کھلم کھلا چال تھی جس کے ذریعہ سے وہ اپنے جوان مخالف سے چھٹکارا پانا چاہتا تھا۔ فی الحقیقت ارض مقدس جا کر جہاد کرنے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس نے Thomas Becket کے قتل کی پاداش میں ہر سال دو مرتبہ ارض مقدس میں Templars کو کثیر رقم بھیج کر ضرورت سے زیادہ اس خدمت کا حق ادا کر دیا ہے۔ لہٰذا یہ بڈھا بادشاہ فوراً انگلستان واپس ہو کر اپنی محبوبہ Alais کی آغوش میں روپوش ہو گیا۔ لیکن پھر بھی اس کا دل Vexin میں پڑا ہوا تھا جسے فلپ نے اس وقت تک روک رکھا تھا کہ جب تک وہ Alais کی شادی رچرڈ سے نہ کردے۔ جولائی تک ہنری کی یاس اعلانیہ دشمنی بلکہ کفر کی شکل اختیار کر گئی۔ وہ چیخا: "میں کیوں عیسیٰ کو مانوں؟ میں کیوں اس کی پرستش کروں جو مجھ سے مال و دولت چھین کر ایک ناہنجار لڑکے کو میری زندگی دوبھر کرنے دیتا ہے؟" مگر اگست میں ہی یہ دونوں بادشاہ ایک بار پھر Gisors میں ملے جہاں مذاکرات خراب ہو گئے، تلواریں کھینچ لی گئیں، غصہ میں آگ بگولہ ہو کر فلپ نے اس درخت ہی کو کٹوا دیا جس کے نیچے بیٹھ کر مذاکرات ہوتے تھے۔ جب ہنری نے یہ دیکھا تو اس نے اعلان جنگ کر دیا۔ لیکن نہ تو اس میں جنگ کرنے کی طاقت ہی تھی اور نہ اس کا جوش۔ لہٰذا روم کے اصرار پر نومبر میں دونوں بادشاہ پھر ملے۔ اس دفعہ ہنری کو رچرڈ کی فلپ سے قربت دیکھ کر بڑا دکھ ہوا۔ ان کے پیار محبت کو دیکھ کر ان افواہوں کی تصدیق ہو گئی کہ اس کا جنگجو بیٹا صنف نازک پر صنف کرخت کو فوقیت دیتا ہے۔ رچرڈ نے پھر یہ مطالبہ کیا کہ اُسے انگلستان کا ولی عہد قرار دیا جائے لیکن ہنری نے پھر اس سے انکار کر دیا۔ اس نے دانت پیس کر کہا: "اب میں آخرکار اس بات کا یقین کرتا ہوں جو اس سے پہلے ناممکن معلوم ہوتی تھی۔" مگر دراصل اسے اتنی حیرت

نہیں ہوئی جتنا کہ اس نے ظاہر کیا۔ اس کے بعد رچرڈ نے فلپ سے وفاداری کا حلف اُٹھایا اور پھر وہ رخصت ہو گئے۔ پوپ کو اس تازہ ترین جھگڑے کی اطلاع مل کر سخت تعجب اور افسوس ہوا اور اس نے فوراً ایک سفیر روانہ کیا کہ وہ ان سب کی توجہ مشرق میں مشترکہ دشمن کی طرف کرائے۔ پوپ کے سفیر نے فرانس کے بادشاہ کو گول مول الفاظ میں دھمکی دی اور کہا کہ ہر اس شخص کو مذہب سے خارج کر دیا جائے گا جو اندرونی جھگڑوں کو بند کر کے اس شدید بحران میں عیسائیت کی امداد کو متحد نہ ہوگا۔ لیکن اس ایلچی کا خاطر خواہ خیر مقدم نہیں کیا گیا۔ فلپ نے اسے طعنہ دیا کہ روم تو صرف اس لئے امن چاہتا ہے کہ اسے انگریزی سونے کی خوشبو آ گئی ہے۔ اور رچرڈ تو اس مباحثہ سے ایسا غصہ میں بھر گیا کہ اس نے تلوار نکال لی اور وہ اس سفیر کی گردن ہی اُڑا دینا چاہتا تھا۔ چھ مہینہ بعد رچرڈ اپنے باپ ہنری کے خلاف جنگ کرنے کے لئے فلپ سے مل گیا۔ انھوں نے اس بوڑھے بادشاہ کو اس کی جائے پیدائش Le Mans میں گھیر کر اس شہر کو آگ لگا دی۔ ہنری نے اس تباہی کا سارا الزام اپنے بیٹے پر ہی لگایا۔ وہ وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اور ایک پہاڑی پر کھڑا ہو کر چیخا: ''تو نے کمینگی سے مجھ سے اس شہر کو چھینا ہے جو مجھے دنیا بھر میں سب سے زیادہ عزیز تھا۔ جہاں میں پیدا ہوا تھا بڑھا پلا تھا اور جہاں میرا باپ دفن ہے۔ میں بھی تجھ سے ایسا بدلہ لوں گا جس کا تو مستحق ہے اور تجھ سے وہ چھینوں گا جس سے تجھے سب سے زیادہ محبت ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے آخری بار جلتے ہوئے شہر کے شعلوں پر نظر ڈالی اور تیزی سے بھاگا۔ رچرڈ نے پوری طاقت سے اس کا پیچھا کیا۔ لیکن ہنری کے ایک افسر Wm Marshall نے غیر متوقع طور پر اسے پکڑ لیا۔ یہ شخص رچرڈ کی نوجوانی میں اس کا اُستاد ہوا کرتا تھا۔ اس اچانک حملہ سے رچرڈ سخت خوفزدہ ہوا اور اس نے چیخ کر اس تجربہ کار اور جنگجو سردار سے کہا: ''خدا کے لئے مارشل مجھے مت مار۔ میں نے تو ذرہ بھی نہیں پہنی ہوئی ہے'' جس کا جواب مارشل نے یوں دیا: ''تو پھر شیطان ہی تجھے مارے۔ میں تو تجھے نہیں ماروں گا۔'' یہ کہہ کر اس نے پوری طاقت سے اپنا نیزہ رچرڈ کے گھوڑے کے پیٹ میں گھونپ دیا۔ لیکن چند ہفتوں ہی میں ہنری کو اس کے دشمنوں نے

Templars کے مکان میں Ballan میں پکڑ لیا۔ اس کے نمک حرام خادم اس کا مال لوٹ کر رفو چکر ہو چکے تھے۔ جیسا کہ اس کا مورخ لکھتا ہے: ''یہ صحیح ہے کہ جیسے مکھیاں شہد پر، بھیڑیے لاش پر اور چونٹیاں غلہ پر چپٹتی ہیں اسی طرح اس گروہ نے انسان کا نہیں اس کے مال کا ساتھ دیا''۔ تقریباً نزاع کے عالم ہی میں اسے آخری بے عزتی بھی گوارا کرنی پڑی۔ اس نے رچرڈ کو ولی عہد بنایا، اس کی ماں Eleanor کو Winchester کے بُرج سے رہا کیا اور Alais کو اجازت دی کہ وہ رچرڈ کی جہاد سے واپسی پر اس سے شادی کر سکے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے سرحد کا اہم قلعہ کھو دیا اور Vexin پر قبضہ کے دعویٰ سے دست بردار ہو گیا۔ رچرڈ باپ کے بستر مرگ پر دوزانو ہو کر بہت رویا۔ اسے باپ کے خلاف اپنی حرکات پر کوئی فخر نہیں تھا اور اس کی یاد تازیست اس کے لئے ایک بھیانک خواب بن گئی۔ لیکن ہنری پر اس پشیمانی کا مطلق کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس نے بیٹے کی طرف منہ موڑ کر آخری زہر اُگلا ''خدا کرے میں اس وقت تک نہیں مروں جب تک کہ تجھ سے خاطر خواہ انتقام نہ لے لوں۔'' گویا یہ اس کی آخری ہچکی تھی۔ اسے Chinon لے جایا گیا جہاں وہ کچھ ہی دن میں مر گیا۔ اس کا جنازہ (Nuns) ننوں کے قبرستان لایا گیا جن کے درمیان اس کا دفن ہونا بھی ایک راہب کی پیشنگوئی کے مطابق ہوا۔ اس نے کہا تھا: ''اس کی عورت کا بچہ اس کا دشمن ہوگا۔ وہ پے در پے عذاب بھگتے گا اور نقاب پوش عورتوں میں رہ کر وہ بھی ان ہی کی طرح رہے گا''۔ رچرڈ دفن کے موقع پر موجود تھا اور غم واندوہ اور احساس جرم سے اس کا براحال تھا۔ ایک مورخ Gerals Wales نے یوں لکھا ہے: ''جب بیٹا جنازہ کے قریب آیا تو لاش کے نتھنوں سے خون نکل پڑا''۔ اس دل ہلا دینے والے معجزہ سے یہ ظاہر ہوا گویا کہ رچرڈ ہی نے اپنے باپ کو قتل کیا تھا''۔

ایک شیر کی تاج پوشی: والد کی موت کے بعد رچرڈ اپنی تاج پوشی کے لئے کچھ دن کے لئے انگلستان گیا۔ انگریزوں کو اپنے خوبرو اور خوش مذاق ہونے والے بادشاہ کی آمد کا بے چینی سے

انتظار تھا۔ ایک مدح سرا نے اسے یوں بتایا: ''ایک شخص جو پختہ دماغ لیکن جواں سال ہے، لوگوں کو اس کے استقبال کے لئے تیاری کرنا چاہئے جس کے الفاظ دل سے نکلتے ہیں جن میں سچائی ہوتی ہے''۔ اس کی ماں Eleanor نے مصمم ارادہ کیا کہ اس کے بیٹے کی تخت نشینی شایان شان ہو اور اس میں کوئی کسر باقی نہ رہے۔ اس نے جنوبی انگلستان کے ہر ہر قلعہ کا دورہ کر کے اپنے شوہر کے تمام سیاسی قیدیوں کو رہا کرایا۔ اسے یہ ذاتی تجربہ تھا کہ قید انسان کے لئے نہایت تکلیف دہ اور ناخوشگوار ہوتی ہے جبکہ آزادی اس کی روح کو سب سے زیادہ مسرت اور تازگی بخشتی ہے۔ اس طرح اس نے ایک ہیرو کے استقبال کا انتظام کیا۔ ۳ر ستمبر ۱۱۸۹ء کو بڑے جشن اور دھوم دھام سے Westminster میں تاج پوشی کی رسم ادا کی گئی۔ ہر طرف فضا پرامید اور تازگی چھائی ہوئی تھی۔ اس دور کے شاعر Bertran نے اس شادمانی کا اس طرح اظہار کیا: ''مجھے یہ اچھا لگتا ہے جب حکومت اور طاقت ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں جاتی ہے اور جب بوڑھے اپنے مکانات جوانوں کو سونپ دیتے ہیں اور جب ایک انسان خاندان میں اتنے بچے چھوڑتا ہے کہ ان میں سے کم از کم ایک تو لائق نکلتا ہے۔ تب مجھے خوشی ہوتی ہے، چونکہ پھولوں اور طائروں کے نغموں سے زیادہ دنیا اس طرح حسین معلوم ہوتی ہے، اور جو بھی بڈھی بیوی یا بڈھا شوہر چھوڑ کر نئی بیوی یا نیا شوہر حاصل کر سکے اسے ایسا کرنا ہی چاہئے''۔ اس قابل مثال نوجوان کی تاجپوشی کے موقع پر ہر طرف سونا ہی سونا تھا۔ چار طلائی شمعدان، تین تلواریں، گھوڑے کی رکابیں، شاہی عصاء، سونے کی بنت کاری کئے ہوئے جوتے، سونے کی صلیب اور جواہرات سے مزین تاج اور شاہی مہر جو اس کے بھائی John کے ہاتھ میں تھی، اس مہر پر تاج پہنے ہوئے تین شیروں کی تصویر کندہ تھی جن کا پس منظر سرخ تھا۔ بادشاہ نے تین حلف اٹھائے جن میں ایک یہ تھا کہ وہ گرجا گھر کی بے حرمتی کرنے والے کو شہر بدر کر دے گا۔ رسم کی ادائیگی کے لئے رچرڈ کو کمر تک برہنہ کیا گیا پھر اس پر Bishop of Canterbury (انگلستان کا سب سے بڑا پادری) نے مقدس روغن کی مالش کی۔ اس کے بعد شاہی پوشاک زیب تن کی گئی اور پھر اس کے سر پر تاج رکھا گیا۔ اس شاندار موقع

پر صرف قوی الجثہ مردوں ہی نے شرکت کی۔ وہاں کوئی خاتون مدعو نہیں کی گئی۔ تاہم اس Te Dcum (یا خدا) کے تھکا دینے والے طویل جلوس کے ساتھ ساتھ جس میں ہر طرح کے چھوٹے بڑے سرداروں، پادریوں اور مذہبی علماء نے ریشمی لباس زیب تن کر کے حصہ لیا اور جہاں خوب متبرک اور مہک دار رقیق مادوں کی آب پاشی کی گئی وہاں اس جشن مسرت پر ایک قابل مذمت اور شرمناک واقعہ کا بدنما داغ بھی پڑا۔ تاج پوشی کی رسم کے بعد کچھ یہودی علماء بادشاہ کو خراج عقیدت اور مبارک باد پیش کرنے کے لئے تحائف لے کر حاضر ہوئے۔ انھیں دروازہ پر ہی ننگا کر کے کوڑے مارے گئے اور باہر سڑک پر پھینک دیا گیا۔ اس وقت مجمع نے جوش و خروش سے یہودیوں کے خلاف مشہور ترانہ Purgator Criminum گایا:

''جس نے گناہ کا سدِ باب کیا وہ انسانوں کے زخم مندمل کرنے کے لئے باپ (یعنی اللہ تعالیٰ) کے داہنے ہاتھ سے آیا۔ اے بد بخت یہودی، اس آقا کو مان لے اب پرانا قانون (تو راۃ) ساقط کر دیا گیا ہے اور پرانا نظام گزر چکا ہے۔ اے احمق قوم تیرا دل لوہے سے زیادہ سخت ہو چکا ہے۔ تمہیں تیل نہیں دکھتا صرف اس کی تلچھٹ دکھتی ہے۔ تم گیہوں کی جگہ بھس کھاتے ہو اور چیدہ غلہ سے بے قدر روٹی بناتے ہو۔ تم گوداموں کو پاکیزہ غلہ سے پُر نہیں کرتے چونکہ تم اس پر باجرہ کو ترجیح دیتے ہو''۔ یہودیوں کے وفد کے صرف ایک رکن Benedict نے محض جان بچانے کے لئے Church of tanacent میں گھس کر عیسائیت قبول کر لی۔ اس کے بعد سارا مجمع لندن کے یہودیوں کے محلّہ پہنچا جہاں انھوں نے گھروں کو آگ لگانا شروع کر دی۔ جب اس آگ نے کچھ عیسائیوں کے گھروں کو لپیٹ میں لیا تو حکومت کے کارندے فوراً وہاں پہنچ گئے۔ دوسرے دن بادشاہ کو یہودیوں کی تباہی پر مطلق کوئی افسوس نہیں ہوا البتہ اس نے عیسائیوں کے گھر جلانے والے چند بدمعاشوں کو پھانسی پر ٹانگ دیا۔ اس کے بعد غالباً تجسس کے طور پر اس نے اس تازہ ترین عیسائی کو طلب کیا اور اس سے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا حضور میرا نام Benedict ہے اور میں حضور کی یہودی رعایا میں سے ایک ہوں۔ یہ سن کر بادشاہ غصہ میں بپھر گیا اور اس نے

Archbishop of Canterbury سے ڈانٹ کر پوچھا: تم نے تو کہا تھا کہ یہ عیسائی ہو گیا ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں حضور والا۔ بادشاہ نے پوچھا: پھر اب ہم اس کے ساتھ کیا سلوک کریں؟ بشپ نے جواب دیا: حضور اگر یہ عیسائی ہونا نہیں چاہتا تو پھر اسے شیطان ہی کے حوالہ کر دیں۔ ایک مورخ Rojer of Hoveden نے رچرڈ کے بہادرانہ کارناموں کو لکھتے ہوئے یہ واقعہ بھی لکھا ہے اور اس کے ساتھ ایک قدیم کہاوت بھی لکھی ہے: ''جیسے ایک کتا اپنی قے کی طرف واپس آتا ہے اس طرح ایک احمق بھی اپنی حماقت کی طرف لوٹتا ہے۔'' یہودیوں کے خلاف رچرڈ کا تعصب کھلم کھلا بڑھتا گیا۔ اس کے لئے ایک عمدہ لطیفہ یہ تھا جس میں یہودی کے دانت آہستہ آہستہ کھینچ کر نکالے جائیں۔ اس کے بعد جہاد کے جنون کے ساتھ ساتھ یہودیوں کے خلاف تعصب بھی بڑھتا گیا۔ رچرڈ نے اس کے سدباب کے لئے کوئی معقول قدم نہیں اٹھایا۔ بس اس سلسلے میں مختلف صوبوں کو واجبی طور پر کچھ فرمان روانہ کر دیئے۔ جونہی وہ ملک سے باہر نکلا اس کے سارے احکامات بھی بھلا دیئے گئے۔ Norwich اور York میں تو یہودیوں پر حملے ایسے بڑھ گئے کہ ایک مورخ کے بقول: ''بہت سے لوگ جو یروشلم جانے کی جلدی میں تھے انھوں نے یہ طے کیا کہ کیوں نہ پہلے یہیں یہودیوں سے ہی نبٹ لیا جائے'' ۱۱۹۰ء میں Easter سے کچھ پہلے York کے عیسائیوں نے تقریباً ۵۰۰ یہودیوں کو مینار میں بند کر دیا جبکہ باہر ان کے خون کا پیاسا ایک جم غفیر پر جوش نعرے لگانے لگا۔ مینار میں ان کے ایک رہنما نے کہا کہ اے بنی اسرائیل میری بات مانو، دشمن کے ہاتھ پڑنے سے بہتر یہ ہے کہ ہم خود ہی ایک دوسرے کو قتل کر دیں۔ اس طرح ان سب نے مشترکہ طور پر خودکشی کر لی۔ غالباً ان ہی میں Benedict بھی تھا۔ Winchester کے ایک راہب نے جس کا نام بھی رچرڈ تھا اس قتل عام کو جائز انتقام قرار دیتے ہوئے خوشی کا اظہار کیا ہے اور یہ افسوس کیا ہے کہ اس کے ہم شہر اس معاملہ میں بڑے ست نکلے۔ وہ کہتا ہے: ''خاص تاجپوشی کے دن تقریباً اس متبرک وقت جبکہ بیٹے (حضرت عیسیٰ) کو باپ (اللہ تعالیٰ) کی خاطر قتل کیا گیا۔ یہودیوں کو ان کے باپ شیطان پر قربان کر دیا گیا۔ یہ

قتل عام ایک دن میں مکمل نہیں ہوسکتا تھا۔ لہذا دوسرے شہر والوں نے بھی لندن والوں کی طرح پورے جوش سے ان خون چوسنے والی جونکوں کو معہ خون کے دوزخ واصل کردیا۔ صرف Winchester والوں نے ہی ان کیڑوں کو ذرا بچایا چونکہ شہر یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس بدہضمی کو ایک زبردست قے کرکے پھینک دے، انہیں آنتوں کے خراب ہونے کا اندیشہ تھا، اس لئے انھوں نے اسے روکے رکھا تاکہ مناسب وقت آنے پر اس کا مکمل خاتمہ کردیا جائے"۔

اسی پراگندہ ماحول میں رچرڈ نے فوجی تیاریاں شروع کیں۔ لیکن پھر بھی یہ پراگندگی سب ہی جگہ نہیں تھی۔ بعد کو یہ ڈرامہ پیش کیا جائے گا کہ انگلستان سے کوچ کرنے سے پہلے رچرڈ نے Salisbury میں ایک سہ روزہ فوجی مقابلہ (Tournament) منعقد کرایا۔ یہ بھی Lancelot اور Guinevere کی محبت کی داستان کی نقل تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس میں شہسوار مختلف بھیس بدل کر انسان محبوبہ کے لئے نہیں بلکہ ارض مقدس کے لئے لڑے گا۔ اس مقابلہ کا اصل مقصد یہ تھا کہ رچرڈ اس کے ذریعہ اپنی مہم کے لئے انگلستان کے بہترین جنگجو منتخب کرنا چاہتا تھا جو اس جنگ میں اس کے دست راست بنیں گے۔ چونکہ صرف وہ ہی ان کی شجاعت کو پرکھ سکتا تھا اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ تین مرتبہ بھیس بدل کر مقابلہ کے میدان میں آیا۔ پہلی دفعہ اس کی ذرہ بکتر سیاہ تھی۔ اس کے سیاہ خود پر ایک کوا چونچ کھولے نصب تھا جس کی گردن میں ایک گھنٹی بندھی ہوئی تھی۔ کوا جفاکشی اور استقلال کی علامت تھا اور گھنٹی چرچ کی نشانی تھی۔ اس بہادرانہ ہیئت میں وہ ایک غیر معمولی شہسوار کی طرح یکے بعد دیگرے تین مخالفوں سے نبرد آزما ہوا۔ ان میں سے ایک کو تو اس نے اپنے لمبے نیزے سے قتل کردیا اور باقی دو کو گھوڑوں سے پھینک دیا۔ پھر وہ جنگل میں غائب ہوگیا۔ دوسری دفعہ وہ سرخ لباس پہن کر میدان میں آیا۔ اس کے خود سے ایک پھندانہ بندھا ہوا تھا جو زمین تک گھسٹ رہا تھا جو گویا یہ ظاہر کررہا تھا کہ کس طرح کافر کتوں نے ارض مقدس کو ناپاک کیا ہے۔ اس دفعہ رچرڈ زیادہ کامیاب نہیں رہا چونکہ اس کے مقابل ملک کا ایک اعلیٰ جنگجو سوار تھا۔ اس کے زبردست حملہ سے رچرڈ کا پاؤں رکاب سے باہر نکل

گیا اور وہ چکرا کر پھر جنگل میں غائب ہو گیا۔ تیسری بار وہ ایک زبردست سفید گھوڑے پر سفید سوار کی شکل میں برآمد ہوا۔ اس کے شانوں پر سرخ صلیب لگی تھی اور خود پر ایک سفید فاختہ نصب تھی جو ارض مقدس کی نشانی تھی۔ اس دفعہ گرز کی ایک سخت ضرب نے اسے بیہوش کر دیا۔ اور یہ بہادر شہسوار قلعہ لے جایا گیا۔ King Arthur کی داستان کے مطابق لامحالہ اس کے آخری دونوں مخالف اس کے دست راست بننے کے لئے منتخب کئے گئے اور انھوں نے بادشاہ سے جاں نثاری کا حلف اٹھایا...... اس کے دس ماہ بعد وہ اپنے لشکر کے ساتھ Vezelay پہنچا جہاں وہ ایک بار پھر فرانس کے بادشاہ Augustus Philip کے پہلو بہ پہلو روانہ ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء ہی سے فلپ کے ساتھ اس کی تقدیر اور جذبات پیوستہ تھے۔

Vezelay (Burgundy): جولائی ۱۱۹۰ء کی ابتدائی تاریخوں میں برگنڈی کے سرسبز و شاداب لہلہاتے ہوئے کھیت اور میدان اپنے حسن و شباب کا دلکش منظر پیش کر رہے تھے۔ اس حسین و پُر فریب ماحول میں رچرڈ بھی ایک نہایت شاندار اور قابل مثال جنگجو سوار معلوم ہو رہا تھا۔ اس کی عمر اس وقت ۳۳ سال تھی اور وہ اپنے حسن و طاقت کی معراج پر تھا۔ وہ ایک اعلیٰ سپہ سالار کی حیثیت سے پوری طرح مسلح تھا۔ اس کی ذرہ پر ایک گہری سرخ صلیب کا نشان تھا اور کمر سے ایک دو ہاتھوں سے استعمال کی جانے والی بھاری تلوار بندھی ہوئی تھی اور وہ ایک شاندار سفید گھوڑے پر سوار تھا۔ اس کے بائیں ہاتھ میں پرچم جنگ تھا جس پر ایک شیر حملہ کی حالت میں نظر آ رہا تھا۔ رچرڈ نوجوانی میں ایک خاص بخار کا شکار ہو چکا تھا جس کے اثرات سے وہ مستقل طور پر رعشہ براندام ہو گیا تھا جس سے اس کی ہیئت اور بھی خوفناک معلوم ہوتی تھی۔ اس کے ایک مورخ نے یوں لکھا ہے کہ: ''اس طرح مستقل تھرانے سے وہ شیر سے بھی زیادہ خوفناک معلوم ہوتا تھا جس کی بدولت ساری دنیا اس کے سامنے تھراتی تھی''۔ ایک اور مورخ کہتا ہے کہ شمشیر زنی میں اس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ گزشتہ پندرہ سال سے جنگیں کرتا رہا تھا بلکہ Aquituine میں

تو اس نے خود اپنے باپ کے ساتھ جنگ کی تھی۔ اس کی جرأت وشجاعت کی داستانیں تمام یورپ میں مشہور تھیں۔ اس کے ساتھ ہی اس کے مظالم، دریا دلی اور شاعرانہ مذاق کی کہانیاں بھی مشہور تھیں۔ وہ یورپ کا ہیرو تھا۔ اس کے بال ہنوز مائل بہ سرخی تھے جو اس کی انگریزی وراثت کی طرف اشارہ کرتے تھے۔ غالباً صرف یہی علامت تھی جسے دیکھ کر اسے انگریز سمجھا جاسکتا تھا۔ ویسے اس کی شکل وشباہت اور عادت وخصلت سب یورپ والوں ہی کی طرح تھیں۔ اس کی مادری زبان بھی فرانسیسی ہی تھی۔ یہ وہ زبان تھی جسے عشق وجنگ کی زبان کہا جاتا تھا۔ وہ اپنی ماں Eleanor کا سب سے چہیتا بیٹا تھا۔ یہ وہ ماں تھی جس کے ساتھ سخت ظلم وناانصافی برتی گئی تھی۔ انگلستان پر تو حکومت کرنا اس کے لئے بہت آسان تھا۔ وہ تو محض اس کی بے شمار دولت کو جہاد کے لئے استعمال کرنا چاہتا تھا۔ اس مقصد کے لئے اس نے انگلستان کے بڑے بڑے چرچ، قلعے، جاگیریں اور محل فروخت کر دیئے۔ اس کا کہنا تھا کہ: ''اگر مجھے کوئی خریدار مل جائے تو میں سارے انگلستان ہی کو بیچ دوں''۔ وہاں کے ہر شہر کو اس مقدس جنگ کے لئے ایک بار برداری اور دو سواری کے گھوڑے فراہم کرنے تھے۔ اس کے علاوہ پادریوں سمیت تمام خاص وعام پر ایک خاص ٹیکس عائد کیا گیا تھا جو ''صلاح الدین ٹیکس'' کہلاتا تھا۔ اس کی وصولیابی کا ہر چرچ اپنے علاقہ کے لئے ذمہ دار تھا۔ اس ٹیکس سے صرف وہی لوگ بری تھے جو فوج میں بھرتی ہوں۔ فوجی بھرتی کا یہ بھی ایک کامیاب طریقہ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس ٹیکس کو ادا کرنے کے لئے ایک سردار نے اپنی بیوی اور تمام جائیداد کو بیچ دیا۔ ایک شخص نے لکھا ہے کہ خیرات وجہاد کے نام سے اس ٹیکس کے ذریعہ عوام اور اہل چرچ پر مظالم کرنا اور ان کا خون چوسنا تھا۔ بہر حال موسم گرما کے دلکش ماحول میں رنگ برنگ فوجی خیمے اور ان کے پس منظر میں الپس (Alps) کے پہاڑ نہایت ہی خوشنما منظر پیش کر رہے تھے۔ یہ فوجی چھاؤنی ایک شہر معلوم ہو رہی تھی جس کے بارے میں یوں لکھا گیا ہے: ''یہاں مختلف ملکوں کے مسلح نوجوانوں کو دیکھ کر یہ معلوم ہوتا تھا کہ دنیا کا کوئی ملک اور کوئی طاقت مغلوب کرنا ان کے لئے مشکل نہ ہوگا اور یہ ساری دنیا فتح کرلیں گے اور باطل کے سامنے

کبھی سر نہیں جھکائیں گے''۔ ان جھنڈوں اور ہتھیاروں کے سمندر میں دو بادشاہوں کے خیمے سب سے زیادہ واضح طور پر نظر آرہے تھے۔

ارض مقدس کا سفر: ۱۱۹۰ء میں Easter کے کچھ دن ہی بعد انگلستان کے دس جنگی جہاز Dartmouth سے ارض مقدس کے مبارک سفر کے لئے روانہ ہوئے، Godestrat سے گذر کر انھوں نے لسبن (Lisbon) کا رُخ کیا جہاں ان کا ارادہ یورپ کے متحدہ بحری بیڑہ سے ملنے کا تھا۔ اس شاہی بیڑہ کا پروگرام یہ تھا کہ پرتگال سے وہ پوری شان وشوکت سے خلیج افریقہ سے گذر کر مارسے (Marseille) پہنچیں گے جہاں وہ اپنے شاندار بادشاہ سے ملیں گے جو''شیردل'' کے نام سے مشہور ہو گیا تھا۔ لسبن کی بندرگاہ یورپ کے تمام ملکوں کے بحری بیڑوں کے متحد ہونے کا مقام قرار دیا گیا تھا۔ انگلستان کے بیڑے میں دس جنگی جہاز تھے جو پوری طرح مسلح تھے۔ ہر جہاز میں دو بادبان اور ۱۵ ملاح تھے اور جہاز کا ایک کپتان تھا۔ یہ جہاز نہایت مضبوط تھے اور کھلے سمندر میں استعمال کرنے کے لئے بنائے گئے تھے۔ ان کے سرے آہنی اور نوکدار تھے تاکہ دشمن کے جہازوں کو نشانہ بنا سکیں۔ اس بیڑہ کا افسر اعلیٰ ایک نہایت تجربہ کار اور لائق شخص تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کا بادشاہ سے بھی دور کا رشتہ تھا۔ اس کا نام Rabert de Sable تھا۔ وہ ایک متمول گھرانے کا فرد تھا۔ اس کی بیوی اور بیٹا مر چکے تھے اور دو بیٹیاں تھیں جن کی شادی ہو چکی تھی۔ پس وہ اس مقدس فریضہ کی ادائیگی کے لئے بالکل آزاد تھا۔ اس مقدس مہم کے تقاضہ کے مطابق اس کے ہمراہ دو اعلیٰ رتبہ پادری بھی تھے۔ شاہی بیڑہ کو فلسطین لے جانے کے کچھ ہی بعد وہ Temple کا افسر اعلیٰ (Grand Master) بنا دیا گیا۔ یہ اس جہاد اعظم کے لشکر کا ہراول دستہ تھا۔ اس کا سفر Poitou کے سمندر پار تک تو پرامن رہا لیکن جب یہ بیڑہ Ascension کے مبارک دن (یہ وہ دن ہے جب عیسائیوں کے اعتقاد کے مطابق حضرت عیسیٰ اٹھا لئے گئے اور دیکھا تو ان کی قبر خالی تھی) اسپین کے سمندر میں داخل ہوا

تو ایک زبردست طوفان کا شکار بن گیا۔ جس نے جہازوں کو سطح سمندر پر چاروں طرف منتشر کر دیا۔ مقدس پادریوں نے سجدہ میں گر کر سلامتی کی دعائیں مانگیں۔ کہا جاتا ہے کہ Thomas Becket کی روح ایک بار نہیں تین بار ان کے سامنے آئی اور اس شہید کی روح نے ان خوفزدہ مجاہدین کو تسلی دی۔ اس نے کہا: ”آقا نے مجھے اس بیڑہ کی حفاظت پر مامور کیا ہے۔ اگر تم پچھلے گناہوں سے توبہ کرو اور آئندہ ان سے بچنے کا عہد کرو تو آقا اس سفر کو تم پر مبارک کرے گا اور اپنے نقش قدم پر چلائے گا“ یہ کہہ کر وہ روح غائب ہوگئی۔ طوفان رک گیا اور سمندر پھر خاموش ہوگیا۔ بالآخر نو جہاز بمشکل لسبن کی بندرگاہ میں داخل ہوئے۔ دسویں جہاز کو طوفان نے دھکیل کر جنوب میں Silva کے شہر پہنچا دیا۔ یہ چھوٹی سی آبادی ایک سال پہلے ہی عیسائی بنی تھی اور اسپین کے کافر مسلمانوں کے حملوں کا متواتر نشانہ تھی۔ مقامی حکومت نے جہاز کو توڑ کر اسے اپنے دفاعی مورچہ کے لئے استعمال کیا۔ باقی جہازوں کے لوگوں نے بچ کر اس غیبی امداد کا شکر ادا کیا۔ جب لسبن میں ۶۳ اور جہاز پہنچے تو ان کی ہمتیں اور بڑھ گئیں۔ اس کے کچھ ہی بعد ۳۰ مزید جہاز آگئے۔ یہ وہ بڑے جہاز تھے جن میں پتوار چلانے والوں کی تین قطاریں تھیں۔ یہ عام جہازوں کے مقابلہ میں دوگنا سامان اور ہتھیار لے جاسکتے تھے اور اس کے ساتھ ہی ان پر ۴۰ گھوڑوں کی جگہ بھی تھی۔ اس لئے یہ ”سمندری اونٹ“ کہلاتے تھے۔ لامحالہ یورپ کے یہ حادثہ پسند جنگ کے لئے بیتاب تھے، اب انھیں غیبی امداد پر اس قدر مبالغہ آمیز بھروسہ ہوگیا تھا کہ اس پر قابو پانا ان کے سرداروں کے لئے بڑا مشکل بن گیا تھا۔ انگلستان اور پرتگال کے مجاہدین میں فساد ہوگیا جس سے موقع پا کر بعض مجاہدین نے مسلمانوں اور یہودیوں کے گھر جلانا شروع کر دیئے، خوب لوٹ مار کی اور عورتوں کی عصمت دری کی۔ یہ وہ پاکیزہ اور تقدس مآب رویہ نہیں تھا جس کی Thomas Backet کو ان سے توقع تھی جبکہ اس نے انہیں طوفان سے بچایا۔ لسبن کے دروازے بند کر دیئے گئے اور سات سو سے زیادہ غنڈوں کو قید میں ڈالا گیا۔ رچرڈ نے اس مہم کے آغاز سے پہلے ہی Loire (لوار) میں فوجی برتاؤ کا معیار اور قانون نافذ کر دیئے تھے جن کے مطابق ”اگر

کوئی کسی کو جہاز میں قتل کرے تو اسے مقتول کے ساتھ باندھ کر سمندر میں پھینک دیا جائے۔ اگر یہ جرم خشکی پر ہو تو قاتل کو مقتول کے ساتھ ہی زندہ دفن کر دیا جائے۔ اگر کوئی کسی کے چاقو مارے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ اگر کوئی ایسی ضرب لگائے جس سے خون نہ نکلے تو اس کو سمندر میں تین غوطے دیئے جائیں۔ اگر کوئی گالی دے تو ہر گالی کے بدلہ میں تین نقرئی سکے ادا کرے۔ اگر کوئی مجاہد چوری کرتے پکڑا جائے تو سر مونڈھ کر اس پر کھولتا ہوا تیل ڈالا جائے پھر اس پر تکیہ کے پر منڈھے جائیں"۔ بہرحال بادشاہ کے یہ قابل عبرت قوانین لسبن کے فسادات میں کچھ کام نہ آئے۔ نہ تو کسی کو سمندر میں پھینکا گیا اور نہ ہی کسی کے سر پر پروں کا تاج پہنایا گیا چونکہ ان کا سردار De Sable خوب جانتا تھا کہ اسے اس سخت معرکہ کے لئے ہر تندرست سپاہی درکار ہوگا۔ اگر انھیں مرنا ہی ہے تو بہتر یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کی راہ میں قربان ہوں۔ لہذا تمام جرائم کو نظرانداز کر دیا گیا۔ روانگی پر جب ان کے جہازوں کے مستول اور بادبان نظروں سے اوجھل ہوئے تو پرتگال کے بادشاہ نے اطمینان کا سانس لیا۔ یہ جہاز Calpe (کالپے) ہوکر افریقہ کے سمندر میں داخل ہوئے۔ اس طرح وہ کافر اسپین کے ساحل سے باہر ہوگئے۔ ان زائرین کو یہ معلوم تھا کہ اب ان کے بائیں طرف عیسائیوں اور داہنی طرف کفار کی آبادیاں ہیں اس لئے اب دنیا کو سمجھنا ان کے لئے اور بھی آسان ہوگیا۔ ایک طرف نیکی تو دوسری طرف بدی، ایک طرف سفیدی تو دوسری طرف سیاہی۔ ایک طرف یورپ کے ایماندار تو دوسری طرف ساری دنیا۔ وہ ۲۲ راگست کو مارسے پہنچے۔ اس بارے میں مورخین نے ساحل کی خطرناک چٹانوں، طوفان اور بہت سے خطرات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے لیکن پرتگال میں فسادات ومظالم کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اب اس مہم کی شان وشوکت پھر شروع ہوگئی۔ بادشاہ کے استقبال کے لئے تختے لگا کر قالین بچھا دیئے گئے۔ ان کا یہ وہ بادشاہ تھا جس نے تاج پوشی کی صعوبتوں کے بعد مطلق آرام نہیں کیا اور ایسا مشکل ومقدس سفر اختیار کیا۔ لیکن یہ بادشاہ تھا کہاں؟ درحقیقت رچرڈ مارسے تین ہفتہ پہلے ہی پہنچ گیا تھا جب اسے وہاں اپنا بیڑہ نہیں ملا تو اس سے انتظار کا صبر نہیں ہوسکا، وہ اٹلی کے ساحل

پہنچا جہاں سے ایک جہاز پر قبضہ کر کے سسلی میں Messina گیا۔

سسلی (Sicily): ۳۱ر جولائی کو رچرڈ مارسے (Marseille) پہنچا۔ اسے وہاں اپنا بیڑہ نہ پا کر سخت مایوسی ہوئی۔ اس وقت یہ بیڑہ افریقہ کے سمندر سے گزر رہا تھا اور اسے مارسے پہنچنے میں مزید تین ہفتے درکار تھے مگر رچرڈ کو یہ پتہ نہیں تھا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اس کے جہاز وہاں کب پہنچیں گے۔ ویسے موافق حالات میں تو مارسے سے فلسطین کا سفر صرف پندرہ دن کا تھا۔ اس کے علاوہ اسے یہ بھی پتہ چلا تھا کہ ایک زبردست جرمن فوج جو انگلستان اور فرانس کی متحدہ افواج کے برابر تھی ایک حادثہ کا شکار ہو کر بغیر سپہ سالار کے شام کے شمال مغرب میں کہیں بھٹک رہی تھی۔ پھر بھی اس نے اس بندرگاہ میں ایک ہفتہ اور گذارا، اس نے یہ وقت سینٹ وکٹر (Victor) کی خانقاہ کے سیاہ فام راہبوں سے مباحثہ میں اور سینٹ لزارس (Lazarus) کی ہڈیوں کی زیارت میں گذارا۔ آخر اس سے زیادہ صبر نہ ہو سکا۔ اس نے دو بڑے بار برداری کے جہاز اور بیس کشتیاں کرائے پر لیں اور اپنا سامان لدوا کر جنوب کی طرف روانہ ہو گیا، اس نے یہ امید کرتے ہوئے کہ اس کا بیڑہ اسے پکڑ لے گا اپنی رفتار سُست رکھی۔ جنیوا پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ فِلپ بیمار ہے تو وہ اس کی مزاج پرسی کے لئے گیا۔ فلپ نے نیم بیہوشی کے عالم میں رچرڈ سے آئندہ سفر کے لئے پانچ جہاز مانگے۔ رچرڈ اس حالت میں اس کی درخواست کو پوری طرح تو رد نہیں کر سکا البتہ اس نے تین جہاز دینے کا وعدہ کیا۔ جس پر اس کی امید کے مطابق فِلپ بُرا مان گیا اور اس نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آگے چل کر Civita Vecchia میں پوپ کا بحری محاذ تھا۔ رچرڈ دریائے Tiber کے دہانہ پر Ostia میں ٹھہرا۔ پوپ کے دو نمائندوں نے بڑے تپاک سے اس کا خیر مقدم کیا اور اسے پوپ Clement III کے دربار میں حاضری کی دعوت دی۔ رچرڈ نے بڑے ڈرامائی انداز سے پوپ کے فرمان کو رد کر دیا۔ ستم ظریفی یہ کہ رچرڈ خاص اس شخص سے ہی نفرت کرتا تھا جس کی آواز پر اس نے سب سے پہلے

صلیب اٹھائی تھی۔ چرچ اور حکومت کے تضاد کے بارے میں انگلستان کا یہ بادشاہ بھی اپنے باپ دادا سے مختلف نہ تھا۔ درحقیقت انیس سال پہلے Becket کے قتل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے اپنے دور حکومت کے آغاز ہی میں Canterbery کے خود مختار راہبوں کی پوپ سے شکایت کی تھی۔ اب اسے پوپ کو ناراض کرنے کا ایک اور موقع ملا۔ اس نے پوپ کو ایک سخت خط لکھا جس میں اس نے تشدد کی دھمکی دی۔ اس نے لکھا کہ: ''اگر روم کی مقدس سلطنت نے ان راہبوں کے غرور پر قابو پانے کی کوشش نہیں کی تو ہم خود سختی سے اس کا سد باب کریں گے''۔ بہرحال اس غصہ کے اظہار سے اسے کچھ حاصل نہیں ہوا اور اس کے چرچ کے دیگر تنازعات جن میں اس کے بھائی جعفری (Jeoffrey) کا انگلستان کا پادری اعلیٰ بننا بھی تھا طے نہ ہو سکے اور چرچ سے تعلقات اور بھی خراب ہو گئے۔ مقامی اعلیٰ پادریوں کی صحبت سے لطف اندوز ہونے کے بجائے وہ مضافات میں سیر وشکار میں مشغول ہو گیا۔ Amalfi کے ساحل پر خوب شکار کھیل کر اس نے دو ہفتے Naples اور پھر ایک ہفتہ Salerno میں گذارا۔ لیکن اسے اپنے بیڑے کے بارے میں سخت اضطراب اور پریشانی تھی۔ کیا وہ مارسے خیریت سے پہنچ گئے؟ کیا اس کا لشکر اور سامان جنگ جہازوں پر سوار ہو سکے یا کوئی حادثہ پیش آ گیا؟ وغیرہ وغیرہ۔ آخر جہاز کی قید سے تنگ آ کر وہ گھوڑے پر سوار ہو کر Calabria کی سیر کو نکلا۔ اس وقت اسے حالات کی کوئی خبر نہیں تھی۔ وہ دن میں سفر کرتا اور رات کو مقامی خانقاہوں میں ٹھہرتا۔ اس طرح ''Mileto کے قدیم شہر پہنچا جہاں وہ مرتے مرتے بچا۔ وہ رات میں صرف ایک سوار کے ہمراہ ایک نامعلوم گاؤں سے گذر رہا تھا کہ ایک جھونپڑی سے اسے عقاب کی آواز سنائی دی۔ چونکہ یہ شجاعت کے اصول کے خلاف تھا کہ ایک گنوار ایک اعلیٰ قدر شکاری پرندہ رکھے، وہ فوراً گھوڑے سے کودا اور دفعتہً جھونپڑی میں داخل ہو کر ایک کوتوال کی طرح پرندہ پر قبضہ کر لیا۔ اس اجنبی کی مداخلت پر دیہاتیوں نے لاٹھیوں اور پتھروں سے اس پر حملہ کر دیا۔ بلکہ ایک بہادر نے تو یورپ کے سب سے بڑے جانباز پر چاقو سے حملہ کرنا چاہا۔ بادشاہ نے اپنی تلوار کے الٹی طرف سے اس کی مار لگائی یہاں

تک کہ وہ ٹوٹ گئی اور صرف سنہری دستہ اس کے ہاتھ میں رہ گیا۔ اسے بھی اس نے استعمال کیا۔ اس کے بعد اس نے ان کے پتھر مارے۔ بالآخر اس نے مقامی خانقاہ میں پناہ لی۔ تیسری صلیب کے مورخین نے اس مذموم واقعہ کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ اگر رچرڈ وہاں مارا جاتا تو پھر تاریخ کا کیا رخ ہوتا؟ اس وقت رچرڈ کو ایک اور مجاہد بادشاہ کا خیال آیا ہوگا۔ یہ Fredric Barbarossa جرمن بادشاہ تھا۔ یہ ستر سالہ نامور سردار شجاعت میں رچرڈ سے کسی طرح کم نہیں تھا۔ حالانکہ اس کے سر کے بال اور سرخ داڑھی سفید ہو گئے تھے لیکن اس کی آنکھوں میں اب بھی وہی چمک تھی۔ اس نے بھی رچرڈ کی طرح ارض مقدس کے سانحہ کی خبر ملنے کے بعد فوراً صلیب پکڑ لی تھی۔ اس نے بغیر شاہی جھگڑوں کے زیادہ تیزی، یک سوئی اور اہلیت سے اپنی وسیع سلطنت کے طول وعرض سے ایک بڑا لشکر جمع کر لیا تھا۔ وہ روایات کے مطابق قدیم صلیبی راستہ سے ہنگری، رومانیہ اور بائی زن ٹائن سے گذر کر ۱۱۸۹ء میں قسطنطنیہ کے دروازوں کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ جیسا کہ ایک سچے مجاہد کا تقاضہ ہے اس نے اپنے مخالف کو آنے والے حملہ سے آگاہ کیا۔ اس نے لکھا: "اب جبکہ تم نے اس مقدس سرزمین کو ناپاک کیا ہے جو دائمی بادشاہ کے حکم سے ہمارے قبضہ میں تھی ہم اس بدتمیزی اور مجرمانہ گستاخی کا خاطر خواہ جواب دیں گے۔ ہم تمہیں ۱۲ مہینے کی مہلت دیتے ہیں کہ تم اسے بخوشی واپس کر دو اس کے بعد تمہیں جنگ کا مزا آ جائے گا۔ خدا نے چاہا تو تمہیں ہمارے شہبازوں کی قوت اور جرمنوں کے قہر وغضب کا تجربہ ہو جائے گا۔ دریائے Danube کی وادی اور Bavaria کے جوان اور الپس (Alpis) کے جانباز میدان میں پشت نہیں دکھاتے، ہم تمہیں یہ دکھا دیں گے کہ وہ بازو جنہیں تم بوڑھا سمجھتے ہو اب بھی حضرت عیسیٰ کی خاطر بخوشی اور بہ احترام تلوار کھینچنے کے قابل ہیں"۔ اس سے پہلے کے صلیبی لشکروں کے برعکس اس زبردست جرمن فوج نے بائی زن ٹائن کے حکمرانوں کی چالوں، سلجوق ترکوں کے تیروں اور اناطولیہ کے دشوار گزار پہاڑی راستوں کا بڑی کامیابی سے مقابلہ کیا تھا۔ یہ فوج ایشیاء کوچک سے گزر کر ۱۱۹۰ء کے موسم بہار میں آرمینیہ پہنچ گئی تھی۔ صلاح الدین کو مسلسل

اس کی اطلاعات بائی زن ٹائن کے حاکم کے ذریعہ مل رہی تھیں۔ وہ اس خطرے کو خوب سمجھتا تھا۔ ایسے منظم لشکر جرار کی آمد کے پیش نظر اس نے تمام اسلامی سلطنت میں جہاد کا اعلان کر دیا تھا بلکہ بغداد میں خلیفہ کو بھی مطلع کر دیا تھا۔ اس نے فرمان جاری کیا کہ حملہ آوروں کے پہنچنے سے قبل گندم کے کھیت اور غلہ کے سارے گودام جلا دیئے جائیں۔ بائی زن ٹائن کی سرحد سے ملحقہ تمام چھوٹے قلعے چھوڑ دیئے گئے اور Jaffa, Silon اور Caeserea کے مورچہ توڑ دیئے گئے۔ ان حفاظتی اقدامات کے باوجود اس نے باربروسہ کے اشتعال انگیز خط کا جواب دینے کے لئے وقت نکالا جو اپنی اشتعال انگیزی میں کم نہ تھا۔ اس نے لکھا: "ہمارے عرب تمہارے عیسائیوں سے تعداد میں بہت زیادہ ہیں۔ ہمارے اور عیسائیوں کے درمیان سمندر حائل ہے لیکن عربوں کے درمیان کوئی سمندر نہیں اور وہ بے شمار ہیں۔ ہمارے ساتھ بدو اور ترکمان ہیں بلکہ ہمارے دیہاتی بھی ان دشمنوں کا مقابلہ کریں گے جو ہم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں، ہم سب متحد ہیں اور ہم تمہارا مقابلہ کریں گے اور انشاء اللہ تمہیں شکست دیں گے اور جب اللہ تعالیٰ ہمیں فتح دے گا تو اس کی رحمت اور عنایت سے ہم تمہارے ملکوں پر قبضہ کریں گے جسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔"

۱۰ ارجون ۱۱۹۰ء شدید گرمی کے عالم میں جرمن فوج ایک گرد و غبار آلود میدان سے گزر کر ایک چھوٹے سے دریا جسے "آہنی دریا" کہا جاتا تھا، کے کنارے پہنچی۔ ملک شام پہنچنے کے لئے ان کے لئے یہ آخری رکاوٹ تھی۔ شہنشاہ پورے جوش و خروش سے احکام دیتے ہوئے دریا پار کرنے آگے بڑھا۔ وہ اپنی آہنی ذرہ میں گرمی کی شدت سے بھنا جا رہا تھا کہ دفعتہً آس پاس کے گھوڑوں نے کودنا اُچھلنا شروع کر دیا جس سے اس کا گھوڑا بھی بے قابو ہو گیا اور اس نے شہنشاہ کو پھینک دیا۔ اگرچہ دریا میں پانی گھٹنوں گھٹنوں تک ہی تھا لیکن پھر بھی ذرہ کے بوجھ سے وہ پانی میں گر گیا۔ دریا کا نسبتاً ٹھنڈا پانی ذرہ کے سوراخوں سے اس کے سخت گرم جسم پر پہنچا جس سے اسے غیر معمولی جھٹکا لگا اور اس کی حرکت قلب بند ہو گئی اور وہ وہیں پانی میں ڈوب گیا۔ اس کی اس غیر متوقع اور ناگہانی موت کے بہت خراب نتائج برآمد ہوئے۔ اس کی فوج تقریباً فوراً ہی منتشر ہو گئی۔ موقع پا کر ترکوں نے چاروں طرف

سے حملہ کردیا اور بغیر سالار کے فوج کے سپاہی دیہاتوں میں فرار ہو گئے۔ اس تقریباً ایک لاکھ کے
لشکر جرار میں سے ہفتوں بعد بمشکل پانچ ہزار سپاہی Acre پہنچ سکے۔ یہ اس مہم کی خوش قسمتی تھی
کہ جولائی کے اس المناک دن رچرڈ گاؤں والوں کی لاٹھیوں اور پتھروں سے بچ کر مقامی خانقاہ
میں پناہ لے سکا۔ اس کا زبردست جہاد بڑا نازک تھا جو بغیر ایک عظیم قائد کے وہیں ختم ہو جاتا۔
جیسا کہ باربروسہ کی موت کے بارے میں صلاح الدین کے ایک مورخ نے لکھا ہے: "اگر اللہ
تعالیٰ اپنی رحمت سے جرمنوں کے بادشاہ کو نہ مارتا تو آج لوگ کہتے کہ شام و مصر کبھی اسلام کے
قبضہ میں ہوا کرتے تھے" تاہم رچرڈ کو خوش خبری بھی ملی کہ طاقتور انگریزی بحری بیڑہ بالآخر
سسلی پہنچ رہا تھا۔ Massina کا بحری سفر صرف آدھ گھنٹہ کا تھا جس دوران میں اسے بہت
سی قدیم یونانی داستانوں کا خیال آیا ہوگا، اس نے غالباً سوچا ہوگا کہ اب سسلی کے بعد اس کی
قسمت میں کیا لکھا ہے؟ کیا ارض مقدس کو دوبارہ فتح کرنے کا بلند حوصلہ محض ایک سراب ہی تھا؟

Sicily میں قیام کے دوران رچرڈ کو متواتر میدان جنگ کی خبریں ملتی رہیں وہ ان پر
غور کرتا رہا اور خاص طور پر اپنے زبردست مخالف صلاح الدین کی تدابیر کا جائزہ لیتا رہا۔ یروشلم کی
فتح کو تقریباً چار سال ہو گئے تھے اور سلطان بھی اس دوران خالی بیٹھا نہ رہا۔ یروشلم کی لاطینی
سلطنت کا خاتمہ کر دیا گیا تھا۔ اس کے شہروں اور دفاعی قلعوں کے نشانات مٹ چکے تھے۔ اس کا
وجود اب صرف علاقہ میں چند معمولی مورچوں پر رہ گیا تھا۔ طرابلس کے جنوب میں ٹائر (Tyre)
کے علاوہ تمام بندرگاہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ چکی تھیں۔ اندرون ملک اور ساحلی علاقوں میں جو
زبردست دفاعی قلعوں کا جال صلیبی مجاہدین نے تعمیر کیا تھا ان میں سے اب صرف Krak des
Chevaliers (کراک) اور Margat ہی عیسائیوں کے ہاتھ میں رہ گئے تھے۔ تاہم کچھ
نہ ہونے سے یہ بھی غنیمت تھے کہ عیسائیوں کی اتنی شکستوں کے بعد بھی یہ مورچے بچ گئے تھے۔
رچرڈ کا منصوبہ ارض مقدس کو آزاد کرانے کے لئے انھیں استعمال کرنے کا تھا۔ ٹائر کا شاندار مضبوط
مورچہ دراصل ان کے لئے ایک قدرتی تحفہ تھا جو انھیں خود صلاح الدین نے اپنی زبردست غلطی

سے عطا کیا تھا۔ یہ اس مہم کی اس کی دو غلطیوں میں سے پہلی بڑی غلطی تھی۔ نومبر ۱۱۸۷ء کی ابتداء میں سلطان دوبارہ ٹائر فتح کرنے کے لئے بڑھا۔ اگر اس وقت اس نے یہ مورچہ فتح کرلیا ہوتا تو اس نے صحیح معنوں میں عیسائیوں کو سمندر میں پھینک دیا ہوتا اور پھر باقی کام صرف ملک میں جھاڑو دینے کا رہ جاتا۔ اس سال کے شروع میں ہی سلطان نے پہلی دفعہ ٹائر (Tyre) پر چڑھائی کی تھی۔ اس قلعہ کا سردار Conrad of Monteferrat (کونراڈ) تھا جو نہایت لائق سپہ سالار تھا۔ اس نے اس عرصہ میں قلعہ کے دفاع کو بہت زیادہ مضبوط کرلیا تھا۔ عیسائی پناہ گزیں متواتر یروشلم اور دیگر شہروں سے بھاگ کر ٹائر پہنچ رہے تھے جس کی وجہ سے شہر پھٹا پڑ رہا تھا۔ یہ ایک شاندار شہر تھا اور قدرتی طور پر نہایت محفوظ تھا۔ یہ گلاس اور شکر کی صنعت اور رنگ سازی کے لئے مشہور تھا۔ اور اس کے باشندے خوش مزاج اور زندہ دل تھے۔ اس کے اطراف میں زرخیز میدان تھے جن کے بارے میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے بھی اپنے ایک گیت میں کہا تھا: ''یہاں جنت کی نہریں ہیں اور آب حیات کا چشمہ ہے''۔ زمانہ قدیم میں یہ ملک کا دارالخلافہ ہوا کرتا تھا۔ یہ وہ شہر ہے جہاں بنی نوع انسان کے نجات دہندہ (حضرت عیسیٰؑ) نے ایک عورت سے کہا تھا جس کی بیٹی پر جن سوار تھے: ''اے عورت تیرا ایمان بڑا ہے'' پھر اس نے اس بچی کو شفا بخشی تھی۔ یہ شہر گویا ایک چوکور جزیرہ تھا جس کے تین طرف گہرا سمندر تھا جس میں خطرناک چٹانیں پوشیدہ تھیں۔ صرف ایک طرف سے یہ خشکی کے ایک تنگ راستہ سے ملا ہوا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس راستہ کا موجد و معمار سکندر اعظم تھا۔ بیس فٹ موٹی فصیل اس شہر کی حفاظت کر رہی تھی جس پر نہایت جید و مضبوط ۱۲ مینار بنائے گئے تھے۔ مشرقی حصہ جو خشکی سے ملا ہوا تھا اور جو سکندر اعظم کے نام سے مشہور تھا حملہ آوروں کے لئے سخت تنگ و دشوار تھا، اس پر بھی دو زبردست مینار قائم کئے گئے تھے۔ ایک مشترکہ بحری اور بری حملہ سے فتح کی امید کی جاسکتی تھی بشرطیکہ اس سے پہلے ایک طویل محاصرہ سے شہر والوں کو بھوکا مارا جائے جس کی مدت کا کوئی بھروسہ نہیں تھا۔ لیکن یہ سب صلاح الدین کا طریقہ جنگ نہیں تھا۔ ادھر کونراڈ اطمینان سے یہ توقع کرسکتا تھا کہ صلاح الدین اور اس کے لشکری

اتنا صبر نہیں کر سکیں گے۔ شہر کے شمال میں سمندر تھا اور اس کی بندرگاہ بھی نہایت محفوظ تھی۔ جس کے چاروں طرف ایک سنگین فصیل تھی۔ جہازوں کے داخلہ کا صرف ایک راستہ تھا جس کے دونوں طرف دو زبردست مینار تھے جن کے درمیان ایک آہنی زنجیر کشیدہ تھی جو جہازوں کی آمدورفت کے لئے نیچے گرادی جاتی تھی۔ اور دشمنوں کے جہازوں کے نمودار ہوتے ہی فوراً تان دی جاتی تھی۔ چنانچہ صلاح الدین کے پانچ جہازوں کو دیکھتے ہی بندرگاہ کا راستہ بند کردیا گیا۔ صلاح الدین شہر کی باہری فصیل کے مقابل نومبر ۱۱۸۷ء میں پہنچا اور فوراً محاصرہ شروع کردیا۔ اس کے لشکریوں کو سخت وقت کا سامنا کرنا پڑا چونکہ سکندر اعظم کا بنایا ہوا یہ راستہ بہت تنگ تھا اور بالکل کھلا ہوا تھا لہذا بہت سے حملہ آور مارے گئے۔ ادھر کونراڈ نے بہت سی کشتیاں روانہ کیں جنھوں نے صلاح الدین کی فوج کو مزید پریشان کیا۔ اس کے جواب میں صلاح الدین نے مصری بیڑے کے دس جہاز جو اس وقت Acre میں تھے Tyre طلب کئے تاکہ وہ ان حملہ آور کشتیوں کا سدباب کریں۔ اس حالت میں جنگ ایک طرح سے معطل ہوگئی۔ یہ صورت حال کرسمس تک جاری رہی۔ صلاح الدین کے پانچ جہاز خاص طور پر رات کی پہرہ داری کے لئے تعینات کئے گئے تھے لیکن ان کے ملاح اور سپاہی ناتجربہ کار تھے اور ان کی جنگی تربیت کم درجہ تھی۔ غالباً کونراڈ ان کی اس کمزوری کو بھانپ گیا۔ چنانچہ ۳۰ دسمبر کو اس نے ان پر نہایت جرأت سے حملہ کردیا۔ طلوع آفتاب کے وقت مصری سپاہی یہ سمجھ کر کہ اب رات کی ڈیوٹی ختم ہوگئی اطمینان سے خواب خرگوش کا شکار ہوگئے تھے کہ یکایک غیر متوقع طور پر دشمن کے حملہ نے انھیں جگادیا اور ہیبت زدہ ہوکر بہت سے ملاح اور سپاہی سمندر میں کود پڑے۔ ان جہازوں کی کشتیاں پکڑ کر بندرگاہ لے جائی گئیں۔ جب صلاح الدین کو اس سانحہ کی خبر ملی تو اس نے حکم دیا کہ باقی جہاز فوراً بیروت لے جائے جائیں چونکہ اب وہ دفعتہً اقلیت میں رہ گئے تھے۔ لیکن دشمن نے ان کا تعاقب کیا اور مسلمان ان جہازوں کو ساحل پر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ مجبوراً دشمن سے بچانے کے لئے صلاح الدین کو ان جہازوں کو تباہ کرنا پڑا۔ اب چونکہ اس کا بحری بیڑہ تباہ ہوگیا تھا اور بارش کا موسم بھی شروع ہونے والا تھا اس نے

یہ طے کیا کہ نقصانات کو زیادہ نہ بڑھنے دے اور خواہ مخواہ خطرات کا شکار نہ ہو۔ یہ سال (۱۱۸۷ء) اس کے لئے کامیاب رہا تھا اور اب اس کے سپاہی تھک چکے تھے اور انھیں آئندہ دشوار مہموں کے لئے آرام کی سخت ضرورت تھی۔ لہذا نئے سال کے اوائل ہی میں اس نے محاصرہ ختم کر کے کوچ شروع کر دیا۔ عیسائی قلعہ کی فصیلوں پر سے ان کی روانگی دیکھ کر خوشی سے اُچھل پڑے اور اب یکا یک ان کے حوصلے بڑھ گئے۔ جب تک یہ قلعہ ان کے قبضہ میں رہا انھیں یورپ سے کمک کی امید تھی اور بارش کے زمانہ میں انھیں دفاعی کارروائی کا مزید موقع مل جائے گا۔ اب ان فرنگیوں کو یقین ہو گیا تھا کہ انھوں نے ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کی ہمت توڑ دی ہے۔ Tyre بچ گیا تھا اور گو کہ یروشلم کی لاطینی سلطنت بہت مختصر رہ گئی تھی مگر اس کا وجود اب بھی تھا۔ جب اس معرکہ کی خبریں یورپ پہنچیں تو کونراڈ یک دم ہیرو بن گیا۔ اور اس دور کے نامور شاعر de Born نے اس کی شان میں قصیدے لکھے۔ ادھر صلاح الدین کی خود اس کے لوگوں نے ہی مذمت کی انھوں نے کہا کہ ''اس معاملہ میں صلاح الدین کے علاوہ کسی کی خطا نہیں چونکہ اس ہی نے ان شکست خوردہ فرنگیوں کو ٹائر جانے دیا۔ بس اب خدا ہی اس کی مدد کرے''۔ اس سال صلاح الدین جاڑوں بھر Acre اور دمشق کے تجربوں پر غور کرتا رہا اور منصوبے بناتا رہا۔ اس کی اس منصوبہ بندی کا ماحصل صرف یہ تھا کہ کمزور پر حملہ کیا جائے اور طاقتور سے بچا جائے۔ پھر وہ ایک اور معاملہ سے بھی نبٹنا چاہتا تھا۔ چنانچہ ۳۰ رمئی ۱۱۸۸ء میں اس نے کراک (Kerak) کے سنگین قلعہ کا محاصرہ کیا۔ یہ مہیب قلعہ وادی کے اوپر ایک بلند پہاڑی پر واقع تھا اس کی زبردست فصیلیں تھیں جن پر نیم دائرے میں نہایت مضبوط تین برج قائم کئے گئے تھے۔ یہ قلعہ عیسائی انجینئروں کی تعمیرات کا شاہکار تھا۔ اس صورت حال سے دل شکن ہو کر سلطان کا ارادہ بدل گیا اور وہ آگے بڑھ گیا۔ وہ اب سبق سیکھ گیا تھا۔ ٹائر اور کراک کے تجربہ نے اس کے ذہن میں ایک نیا جنگی منصوبہ پیدا کیا۔ اس نے طے کیا کہ ان سنگین قلعوں کو درگزر کر کے ان سے متعلق اطراف کی کمزور فوجی چوکیوں کا قلع قمع کیا جائے تا کہ ان کی کمک اور سامان رسد بند ہو سکے۔ لہذا اس نے اپنے

سپاہیوں کو حکم دیا کہ ''اب وہ ساحلی علاقوں میں داخل ہونے والے ہیں جہاں رسد کا فقدان ہوگا چونکہ یہ دشمن کا گھر ہے اور وہ ہمیں ہر طرف سے گھیرے گا اس لئے یہ لازمی ہے کہ ہر شخص اپنے ساتھ کم از کم ایک سال کا زادراہ رکھے''۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی یہ حکمت عملی عقلمندانہ ہو لیکن اس میں مبالغہ ضرور تھا چونکہ عیسائی کسی طرح اس قابل نہیں تھے کہ اسے گھیر سکتے، وہ تو خود اپنی جان بچانے میں مصروف تھے کہ کہیں سمندر میں نہ پھینک دیئے جائیں۔ اس شمالی مہم کی ایک اور وجہ بھی تھی۔ ۱۱۸۸ء تک سلطان کو یہ معلوم ہوگیا تھا کہ فلسطین کی شکست کی اطلاع یورپ پہنچ گئی تھی جہاں اس سے تہلکہ مچ گیا تھا اور جوابی حملہ کی کاروائی شروع ہوگئی تھی۔ نیز یہ کہ ایک زبردست جرمن فوج مقدس روم کے شہنشاہ Fredrich Barbarossa (باربروسہ) کے زیر کمان آرہی ہے۔ باربروسہ ایک مشہور اور نہایت لائق سپہ سالار تھا۔ قسطنطنیہ کے ذرائع سے اسے یہ خبر ملی تھی کہ یہ لشکر خشکی کے راستہ سے ترکی ہوکر Antioch کے شمال میں شام میں داخل ہوگا۔ چنانچہ اس کا فوری مقصد یہ تھا کہ ان شمالی علاقوں میں صلیبی حکومت کے مقبوضات کو کم سے کم کردیا جائے تاکہ وہاں پہنچ کر اس زبردست جرمن فوج کو رسد نہ مل سکے۔ لہذا اس نے کراک کو ہر طرف سے گھیر کر مقفل اور بے ضرر بنادیا۔ اس کے بعد وہ مغرب کی جانب ایک وسیع دائرے کی شکل میں تیزی سے بڑھا اور پہلے تو Tartus کو فتح کرکے اسے نذرِ آتش کردیا۔ پھر Margat کے مضبوط قلعہ کو چھوڑ کر Jebela کا محاصرہ کیا جس نے ہتھیار ڈال کر شہر اس کے حوالہ کردیا۔ اس کے بعد اس نے Latakia فتح کیا جو تجارت کی بدولت کافی مالدار شہر تھا۔ پھر Antioch سے مزید شمال کی طرف بڑھنے سے پہلے اس نے سیہون (Sahyun) کا رخ کیا۔ غالباً صلیبی سلطنت کا یہ سب سے زیادہ دلکش قلعہ تھا۔ یہ دو دریاؤں کے اوپر ایک بلند پہاڑی پر واقع تھا جہاں سے شام سے ساحل سمندر جانے والے راستہ کی نگہداشت کیا کرتا تھا۔ اس تک پہنچنے کا صرف ایک راستہ تھا، ایک غار کا دہانہ پر زنجیروں سے کھینچنے والا پل بنا کر تعمیر کیا گیا تھا۔ یہ غار کوئی پچاس فٹ گہرا تھا۔ پل کے دونوں طرف دو مضبوط حفاظتی مینار قائم کئے گئے تھے۔ اور بہت سے صلیبی قلعوں کی طرح

اسے بھی ناقابل تسخیر ہونے پر ناز تھا اور اپنی جگہ مطمئن تھا۔ اس کی سنگین فصیلیں پہاڑی کی چوٹی تک پہنچی ہوئی تھیں۔ صلاح الدین نے حملہ کی کمان بذات خود اپنے ہاتھ میں لی۔ اس نے فوج غار کے روبرو لاکر سختی سے حفاظتی میناروں پر سنگ باری کی مگر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ حالانکہ سیہون کی دفاعی حالت بہت مضبوط تھی لیکن عیسائیوں کے دوسرے قلعوں کی طرح یہاں بھی مدافعین کی تعداد بہت کم ہوگئی تھی۔ اس قلعہ کی طاقت اس کی ہیبت ناک شکل تھی لیکن اس کی کمزوری اس کی طویل فصیلیں تھیں جو دونوں دریاؤں سے گزر کر پہاڑی کی چوٹی تک پہنچ گئی تھیں۔ جب سلطان نے اس لمبی فصیل پر دو طرف سے حملہ کیا تو مدافعت کرنے والے کم پڑ گئے۔ شدید سنگ باری نے فصیل کے شمالی حصہ کو پاش پاش کر دیا۔ اس وقت حملہ آور کھڈ پار کر کے دل ہلا دینے والے نعروں کے ساتھ اندر گھس آئے۔ فتح کے بعد سیہونؔ کا نام تبدیل کر کے قلعۃ الصلاح الدین رکھ دیا گیا۔ صلاح الدین شمال کی طرف اور آگے بڑھا اور دریائے Orontes پار کر کے اس نے مزید مشہور پہاڑی قلعے فتح کئے۔ بالآخر اس کا لشکر ستمبر کے آخری دنوں میں Antioch کی فصیلوں کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اس کے پاس ہی جنوب میں Bagharas کا قلعہ تھا۔ فوجی اعتبار سے اس کا محل وقوع بہت اہم تھا۔ یہ درّہ Beilan (بیلانؔ) کا ایک مضبوط دفاعی مورچہ تھا جو Antioch اور Cilicia کے راستہ کے داخلہ کی حفاظت کرتا تھا۔ اس کو فتح کر کے سلطان نے حکم دیا کہ اسے فوراً مسمار کر دیا جائے تاکہ آنے والی حملہ آور جرمن فوج اسے استعمال نہ کر سکے۔ طاقت کے اس مظاہرہ نے Antioch کے مدافعین کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا۔ اس نے یروشلم کی فتح کے بعد جیسی رحم دلی اور اعلیٰ ظرفی برتی تھی اسی طرح اس نے پھر ان شکست خوردہ دشمنوں کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جو اگرچہ اعلیٰ قدر لیکن غیر دانشمندانہ تھا۔ اس کے اندازہ کے مطابق یورپ سے مدد پہنچنے میں کئی سال لگنا چاہئے تھے اس لئے اس نے شہر والوں کو چھ مہینے کی مہلت دی تاکہ وہ پرامن طریقہ سے شہر اس کے حوالہ کر سکیں۔ اس علاقہ کو قبضہ میں کرنے کے بعد وہ جنوب میں بحر Galilee کی طرف متوجہ ہوا۔ Hospitalers کے دو قلعہ بہت عرصہ سے

دمشق اور ارض مقدس جانے والے راستہ میں اس کے لئے دردِ سر بنے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک Belvoir کا قلعہ جو سمندر سے جنوبی سطح مرتفع پر حاوی تھا اور دوسرا سفید قلعہ کہلاتا تھا جو تابناک جھیل کی شمالی پہاڑیوں پر سے نگرانی کیا کرتا تھا۔ صلاح الدین نے بغیر کسی مشکل کے ان دونوں کو فتح کر لیا۔ تقریباً اسی وقت اس کی گردن کا ایک اور کانٹا بھی نکل گیا۔ یہ کراک کا وہ ہیبتناک قلعہ تھا جو کوے کے قلعہ کے نام سے مشہور تھا جس کا سردار اس کا ملعون دشمن (آنجہانی) شتیلاں (Chatillon) ہوا کرتا تھا جو حج کی شاہ راہ کے لئے زبردست رُکاوٹ بن گیا تھا۔ صلاح الدین کے بھائی نے آٹھ ماہ کے محاصرہ کے بعد اسے بھی فتح کر لیا۔ اب صلاح الدین کے قبضہ میں اُردن دریا کے دونوں طرف کی سرزمین آ گئی تھی۔ اس کامیاب شمالی معرکہ سے مسلمانوں کو خود کو حق پر ہونے کا مزید یقین ہو گیا۔ جس وقت سفید قلعہ پر سنگ کی مشینوں پر رسے تانے جا رہے تھے سلطان کے ایک مشیر نے اسے نبی کریمؐ کی ایک حدیث یاد کرائی: ''جہنم کی آگ دو آنکھوں کو نہیں چھوئے گی۔ ایک تو وہ جس نے خدا کی راہ میں نگرانی کی ہو اور دوسری وہ کہ جس نے خوفِ خدا سے آنسو بہائے ہوں''۔ یہ کہہ کر انہوں نے قلعہ پر سنگ باری شروع کی تھی۔ مسلمان لشکری میدان میں اس طرح کودے کہ ان کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں اور زبانوں پر قرآن مجید: ''جب مبارک مہینے گزر جائیں تو جہاں بھی کافر ہاتھ آئیں انھیں قتل کرو۔ انھیں پکڑو۔ قید کرو اور ہر جگہ ان کی گھات میں بیٹھو''۔ یہ صحیح ہے کہ جہاد ایک جنگی چال ہے۔ لیکن یہ ایک سچے مسلمان کا ایمان بھی ہے۔ جس طرح صلاح الدین کا لشکر مجموعی طور پر عیسائیوں کے خلاف جہاد کر رہا تھا اسی طرح اس کا ہر سپاہی بھی انفرادی طور پر جہاد کر رہا تھا۔ اس کا جہاد قلب تھا جس کے ذریعہ وہ خواہشاتِ نفس سے جہاد کر رہا تھا۔ جہاد زبان تھا جو دروغ گوئی اور بدکلامی کے خلاف تھا۔ جہاد دست درازی تھا جو ظلم اور بداعمالی سے روکتا تھا اور آخر میں جہاد شمشیر تھا جو کفار اور بالخصوص تثلیث کے علم برداروں کے خلاف کیا جا رہا تھا۔ رچرڈ کو حزبِ مخالف کے میدان جنگ میں اس مذہبی جوش کا خوب اندازہ تھا۔ ستمبر ۱۱۸۸ء میں صلاح الدین نے دوسری بڑی بنیادی غلطی کی۔ یروشلم کا

سابق بادشاہ Guy de Lusignarr ایک سال سے اس کی قید میں تھا۔ لیکن اب اس کی سابق حکومت ایک سایہ کی طرح مختصر ہوگئی تھی۔ Ascalon بھی سلطان کے ہاتھ آ گیا تھا۔ اس لئے اس قیدی بادشاہ کی اب کوئی اہمیت نہیں تھی۔ نیز یہ کہ اس کی بیوی ملکہ Sibylla (سبیلیہ) اس سے بے حد محبت کرتی تھی، اس نے سلطان سے ذاتی طور پر اس کی رہائی کی التجاء کی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے عورتوں کی التجاؤں کا سلطان کے دل پر بہت اثر ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی رہائی کا ایک مثبت پہلو بھی تھا وہ یہ کہ Guy آزاد ہو کر اس کے دشمن Conrad کا رقیب بن جائے گا۔ خیر کچھ بھی ہو سلطان اسے رہا کرنے پر راضی ہوگیا بشرطیکہ وہ یہ عہد کرے کہ وہ کبھی اہل ایمان پر ہتھیار نہیں اٹھائے گا۔ اپنی سابقہ سلطنت کا دعویدار نہ ہوگا۔ سلطان کے ساتھ ہمیشہ کے لئے وفاداری کا حلف اٹھائے اور بلا تاخیر مشرق وسطیٰ سے چلا جائے۔ Guy نے بخوشی تمام شرائط منظور کرلیں اور وہ آزاد کردیا گیا۔ سلطان کا یہ فعل اس کی ذاتی فراخ دلی جذبات اور سیاست کا امتزاج تھا۔ لامحالہ آزاد ہوتے ہی بادشاہ Guy سب عہد اور وعدے بھول گیا۔ اس نے اپنے پادریوں سے کہا کہ یہ تمام وعدے اس سے بالجبر کرائے گئے تھے اور انھوں نے فوراً اسے ان کی ذمہ داری سے سبک دوش کردیا۔ Guy جلد ہی Tyre پہنچا جہاں اس نے Conrad سے قلعہ کی کنجیاں مانگنے کی جسارت کی۔ پہلے تو Conrad نے نہایت میٹھے لہجہ میں جواب دیا کہ وہ تو محض سمندر پار کے بادشاہوں کا نمائندہ ہے اور انھوں نے اسے قلعہ Guy کے حوالہ کرنے کی اجازت نہیں دی ہے لیکن جلد ہی اس کی یہ شیرینی غصہ میں بدل گئی اور اس نے بڑی حقارت سے کہا کہ Hattion کی شکست کے بعد Guy کا بادشاہی کا حق ختم ہوگیا ہے اور اب وہ خود ہی لاطینی سلطنت کا حاکم اور ہیرو ہے اور اس تخت پر صرف اس ہی کا حق ہے چنانچہ Guy بلا رورعایت قلعہ سے باہر نکال دیا گیا۔ اس سلسلہ میں صلاح الدین کا قیاس صحیح تھا کہ یہ دونوں آپس میں دست وگریباں ہوں گے۔ وہ دست وگریباں تو ضرور تھے مگر پھر بھی رہی سہی لاطینی سلطنت کو آپس میں بانٹنے پر راضی ہوگئے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ شہر میں بہت سے کابل

سپاہی جمع ہو گئے تھے جو آبادی کے لئے خطرہ بن گئے تھے اور دوسری وجہ یہ تھی کہ Conrad شہر سے باہر دور دراز مقامات پر جنگ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لہذا یہ طے ہوا کہ Guy ان بے روزگار سپاہیوں کا ایک لشکر تیار کرے اور اسے لے کر شہر سے باہر ایک مورچہ قائم کرے۔ ایک ہی سال میں Guy نے ایک معقول فوج بنالی جس میں خاص طور پر سات سو Templars تھے جن میں ان کا ماسٹر Gerard de Ridefort بھی شامل تھا۔ ان جانبازوں کے ساتھ نو ہزار اور سپاہی بھی شریک ہو گئے۔ نیز یہ کہ ہالینڈ و ڈنمارک سے آ کر بھی وقتاً فوقتاً بہت سے رضا کار شامل ہوتے رہے۔ ایک بار پھر ارض مقدس کے نعرے بلند ہوئے اور پھر پیغمبر Isaiah کے الفاظ فضا میں گونجنے لگے: تیرے بیج شمال سے لاؤں گا اور مغرب سے لاؤں گا اور تجھے یکجا کر دوں گا۔ میں شمال کو حکم دوں گا کہ پیچھے ہٹ اور جنوب سے کہوں گا کہ راستہ مت روک"۔ یہ عیسائی لشکر اگست ۱۱۸۹ء میں Acre کی فصیل کے مقابل آ کھڑا ہوا۔ یہ شہر Tyre سے جنوب میں کچھ ہی دور تھا۔ صلاح الدین فوراً ان کے تعاقب میں روانہ ہوا لیکن دیر سے پہنچا۔ اس کی فوج Aleppo سے لے کر Kerak اور Moab تک منتشر تھی وہ کسی طرح بروقت اس خطرہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ Acre سب طرف سے کٹ چکا تھا اور اس کے مدافعین بہت کم تعداد میں تھے جو ایسے مصمم حملہ آور کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ عیسائی فوج شہر کی فصیل کے سامنے خندقیں کھود کر جم گئی۔ ایک طرف تو انھوں نے قلعہ کا محاصرہ کیا ہوا تھا اور دوسری طرف گہری خندقوں میں مسلمان سواروں کے حملوں سے بچے ہوئے تھے۔ وہ بیک وقت محصور بھی تھے اور حملہ آور بھی۔ نہ تو آگے بڑھ سکتے تھے نہ پیچھے ہٹ سکتے تھے۔ ایک مہینہ تک یہ لڑائی آگے پیچھے ہوتی رہی مگر اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ البتہ ۴ر اکتوبر کو غیر معمولی طور پر خونریزی ہوئی جس میں طرفین کے سینکڑوں سپاہی مارے گئے۔ اس روز نااہل Guy نے بھی بڑی اہلیت کا مظاہرہ کیا اور اس کے رقیب Conrad نے بھی پوری طرح اس سے تعاون کیا۔ آخر مسلمانوں کی فتح ہوئی۔ مگر ایک نامکمل فتح جس میں جانبین نے ایک دوسرے پر خوب پر جوش حملے کئے۔ ایک دفعہ تو صلاح الدین تک کا

خیمہ روند دیا گیا مگر اس نے اپنے Mesopotamia کے سواروں کے ساتھ جوابی حملہ کر کے تختہ اُلٹ دیا۔ اس معرکہ میں عیسائیوں کا آخری سر پھرا سردار اور Templars کا ماسٹر Ridefort ایک احمقانہ حملہ میں گرفتار ہوا اور قتل کر دیا گیا۔ اسے فوراً ہی ''ولی اللہ'' (Saint) کا رتبہ ملا۔ اس سلسلہ میں ایک نقاد نے لکھا ہے: ''خوش بخت ہے وہ جس پر آقا ایسی عزت عطا فرمائے کہ اسے وہ انعام ملے جس کا وہ سالہا سال سے مستحق تھا اور وہ شہداء کی جماعت میں شامل ہو جائے''۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے ساتھیوں نے اس سے بہت التجاء کی کہ وہ اس حملہ سے باز آئے مگر اس نے جواب دیا ''کیا کوئی ایسا ہے جو یہ دعویٰ کر سکے کہ جب Temple کی آبرو خطرے میں ہو اور میں ڈر کر بھاگ گیا ہوں''۔ لیکن یہ دن کسی کے لئے بھی خوشی کا نہیں تھا مسلمانوں نے عیسائیوں کی ہمت شکنی کے لئے ان کے سپاہیوں کی لاشیں دریائے Belus میں پھینک دیں تا کہ وہ انھیں نظر آئیں۔ لیکن اس حرکت کا اُلٹا اثر ہوا جو سب کے لئے مہلک ثابت ہوئی۔ ہر طرف وباء پھیل گئی، خود صلاح الدین سخت درد شکم کا شکار ہو گیا اور نیم بیہوشی میں بڑبڑانے لگا۔ حکیموں نے اسے مشورہ دیا کہ اسے اور تمام لشکر کو سخت آرام کی ضرورت ہے چاہے دشمن بھاگ کیوں نہ جائے۔ لیکن دشمن نہیں بھاگا۔ انھوں نے تو اور زیادہ جم کر مقابلہ کرنے کا تہیہ کر لیا۔

تیسری صلیبی جنگ کا سب سے طویل محاصرہ تھا۔ جب سلطان جنوری ۱۱۹۰ء میں روبہ صحت ہوا تو اس نے بغداد سے مراکش تک تمام اسلامی ملکوں سے مدد مانگی تا کہ یہ کم بخت محاصرہ ختم ہو سکے۔ اس نے کہا: ''اسلام تم سے اس طرح مدد مانگتا ہے جیسے ڈوبتا ہوا مدد مانگتا ہے۔ یورپین تو ایک غلہ ہیں جنھیں ٹڈی دل ہی کھا سکتا ہے''۔ نیز اسے یہ اطلاع بھی ملی کہ جرمن بادشاہ باربروسہ دو لاکھ ساٹھ ہزار سپاہیوں کی فوج سے قسطنطنیہ پہنچ رہا ہے۔ اسے کیا پتہ تھا کہ اتنی جلد یہ فوج تباہ ہو جائے گی۔ جولائی ہی میں باربروسہ کا انتقال ہو گیا۔

اب صلاح الدین کے مخالف پیدا ہو گئے تھے جو اس کے خلاف قرآن مجید استعمال کر رہے تھے۔ ''جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کی برائی چاہتا ہے تو اسے کوئی طاقت نہیں روک سکتی اور نہ ہی

اس کے علاوہ اس قوم کو کوئی بچا سکتا ہے۔" ایک بار پھر عربوں کی قدیم رقابتیں عود کر آئیں اور خود سلطان کے ساتھیوں میں بھی جھگڑے شروع ہو گئے۔ ایک مسلمان مورخ یوں لکھتا ہے: "فتنہ پرور عناصر بہت بڑھ کر اب کھلم کھلا نمودار ہو گئے ہیں۔ انہیں شر و بغاوت کی بو آ گئی ہے۔ اللہ ان کی یہ ناکیں کاٹ دے جن سے یہ سونگھ رہے ہیں۔" اس وقت جبکہ تمام یورپ مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاریاں کر رہا تھا صلاح الدین کو گھریلو زبوں حالی نے عیسائیوں کی محدود طاقت کا سرزمین عرب میں خاتمہ کرنے سے باز رکھا۔ اس طرح ۱۱۹۱ء میں سیاسی صورت حال منجمد رہی۔ جب انگلستان کا رچرڈ شیر دل اور فرانس کا بادشاہ فلپ آگسٹس Sicily پہنچے تو انہیں ان حالات کی اطلاع مل چکی تھی۔ Tyre اب بھی عیسائیوں کے قبضہ میں تھا اس لئے یورپ سے آنے والی افواج کے لئے قدم ٹیکنے کی جگہ تھی۔ البتہ وہاں کے مغرور حاکم Montferrat پر کسی طرح بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اسی اثناء میں لاطینی مقدس سلطنت کا شہنشاہ باربروسہ فوت ہو چکا تھا اور ترکی میں اس کی فوج تتر بتر ہو گئی تھی۔ تقریباً ڈیڑھ سال سے Acre محصور تھا جہاں کا حاکم یروشلم کا سابق بادشاہ اور صلاح الدین کا آزاد کردہ قیدی Guy تھا جو ایک نااہل اور کمزور حکمراں تھا۔

☆☆☆

سسلی کے حالات: بارھویں صدی کے آخر میں Sicily بحر روم کے چوراہے پر واقع تھا جہاں مشرق کے عرب، شمالی اٹلی کے Lombards، کلابریہ کے یونانی اور شمالی علاقوں کے نارمن آباد تھے جو سب نسبتاً پُر امن طریقہ سے رہتے تھے۔ مختلف زبانوں، لباس اور تہذیب و معاشرت کے امتزاج نے یہاں ایک خوشگوار اور رنگین ماحول پیدا کر دیا تھا۔ یہاں سے علماء نے عرب کے فلسفہ، ریاضی اور سائنس کا لاطینی زبان میں ترجمہ کر کے تمام یورپ میں پھیلایا۔ اسی طرح داستانوں کے بادشاہ آرتھر کے عشق و شجاعت کے قصے کہانیاں عربی زبان میں ترجمہ کر کے مشرقی ممالک میں پھیلیں۔ سسلی کے مغرور باشندوں کو یہ گوارا نہیں تھا کہ انہیں کمتر سمجھا جائے یا ان

کا ملک دوسری اقوام کے مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے۔ تاہم Messina میں انگریزی بحری بیڑے کی آمد ایک ایسا بارعب نظارہ تھا جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، حد نظر تک اُفق پر جوشیلے سپاہیوں سے بھرے ہوئے جنگی جہاز نظر آ رہے تھے جن کے نیزے اور تلواریں آفتاب کی شعاعوں میں چمک رہے تھے۔ اس بیڑے کا سردار Robert de Sable تھا جس کے جہاز کی کمان پر ان کا شاندار سردار رچرڈ شیر دل کھڑا تھا۔ رچرڈ فطری طور پر خود نمائشی کا ماہر تھا۔ وہ اس مثل کا قائل تھا کہ: ''جیسے میں تجھے دیکھتا ہوں ویسے ہی میں تیری قدر کرتا ہوں۔'' اس سے دو دن پہلے ہی فرانس کا بادشاہ فلپ وہاں پہنچا تھا۔ اس کے استقبال کے لئے ایک جم غفیر ساحل پر جمع ہو گیا تھا تاکہ وہ ایک ایسی اہم شخصیت کو خوش آمدید کہہ سکیں۔ لیکن بادشاہ نے چکر کاٹ کر انہیں وہیں چھوڑا اور اس کے خادم اسے خاموشی سے ایک محل میں لے گئے۔ مزید یہ کہ اس کے سپاہیوں نے وہاں اُتر کر مقامی لوگوں کے ساتھ بعض نازیبا حرکتیں کیں جن سے اس نے چشم پوشی کی۔ لہٰذا مقامی لوگ اس کے سخت خلاف ہو گئے۔ انہوں نے کہا کہ ایسا شخص کبھی عیسائیت کو نہیں بچا سکتا۔ رچرڈ کا ارادہ اس غلطی کو دوہرانے کا نہیں تھا۔ اس نے وہاں پہنچتے ہی سب سے پہلے یہ حکم نافذ کیا کہ ڈاکوؤں اور قاتلوں کو سرِ عام پھانسی پر لٹکایا جائے گا۔ لامحالہ اس طرز عمل سے مقامی لوگ بہت متاثر ہوئے اور فلپ کے مقابلے میں اس کی وقعت بہت بڑھ گئی۔ جلد ہی رچرڈ شیر دل اور فلپ بکری کا بچہ بن گئے۔ پہلے تو دونوں بادشاہ اور ان کے ساتھی آپس میں مل کر بڑے خوش ہوئے چونکہ انہیں بہت سے مسائل طے کرنے تھے اور غلط فہمیاں دور کرنا تھیں لیکن ان کی پہلی مجلس ہی خوش گوار ثابت نہ ہو سکی اور دوسرے ہی دن فلپ ناراض ہو کر اپنے جہاز پر سوار ہوا اور ارض مقدس کی جانب کوچ کر گیا۔ سفر کے پہلے دن ہی سمندر میں سخت تلاطم برپا ہوا جس سے وہ بیمار ہو گیا اور جلد ہی Messina واپس ہونے پر مجبور ہو گیا۔ اب رچرڈ سے مذاکرات کے لئے اس کی دماغی حالت بہتر تھی۔ ان مسائل کے علاوہ سسلی کا بادشاہ رچرڈ کے لئے زیادہ مصیبت بنا ہوا تھا۔ اس کا نام Tancred تھا جس نے وہاں کے بادشاہ ولیم کی موت کے بعد دو سال قبل حکومت پر غاصبانہ

طور پر قبضہ کرلیا تھا۔ آنجہانی ولیم نہایت ہردل عزیز اور پاکباز حکمراں تھا اور ''نیک ولیم'' کے لقب سے مشہور تھا۔ یہ وہی بادشاہ تھا جس نے سب سے پہلے ارض مقدس کے سانحہ کی اطلاع پاکر یورپ کے حکمرانوں کا باخبر کیا تھا۔ اس کی بیوہ Joanna رچرؔڈ کی چھوٹی بہن تھی۔ Tencred نے حکومت پر قبضہ کرتے ہی Joanna کو قید میں ڈال دیا۔ لامحالہ یہ مجرمانہ حرکت رچرؔڈ کو سخت ناگوار گزری۔ ذاتی بے عزتی کے علاوہ یہاں خاصے سرمائے کا بھی سوال تھا۔ Joanna کو جہیز میں جواہرات سے مرصع ایک کرسی بھی ملی تھی جو بہ حیثیت ملکہ کے اس کا تخت تھا۔ اس کے علاوہ جہیز میں ایک بارہ فٹ لمبی سونے کی میز، ایک بڑا ریشمی خیمہ، چوبیس طلائی پیالے اور چوبیس قابیں بھی دی گئی تھیں اور ساتھ ہی دو سال کے لئے ایک سو جنگی کشتیاں بھی دی گئی تھیں۔ جب رچرؔڈ نے اس کی شکایت کی تو Tencred نے اس کی بہن کو رہا کردیا اور اس کے ساتھ صرف عام میز کرسیاں بھیج دیں۔ بادشاہ کے علاوہ وہاں کے مقامی لوگ بھی اب رچرؔڈ کے رویئے سے نالاں تھے۔ اس نے وہاں آتے ہی Messina کے اطراف میں اہم مقامات پر قبضہ کرلیا تھا۔ پہلے تو اس نے خلیج کے پار La Bagnara کی خانقاہ پر قبضہ کرکے اسے ایک مضبوط مورچہ بنایا اور وہاں اپنی بہن کو رکھا تاکہ وہ خطرات سے محفوظ رہے۔ پھر اس نے ایک اور خانقاہ پر قبضہ کرکے وہاں کے راہبوں کو نکال باہر کیا اور اسے اسلحہ خانہ بنایا۔ سسلی والوں کے لئے اس کی یہ حرکات نہایت پریشان کن ثابت ہوئیں اور انہیں یہ خدشہ ہوا کہ وہ سارے ملک پر ہی قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ وہ یوں بھی شمالی علاقوں کے لوگوں کو پسند نہیں کرتے تھے۔ حالات اتنے بگڑے کہ انہوں نے انگریزوں کو دُم دار کا خطاب دیا، گویا کہ انہوں نے شیطان کی طرح دم نکال لی ہے۔ اس کے جواب میں انہوں نے انہیں کم رتبہ اور عربوں کی اولاد کہا۔ خود رچرؔڈ نے نہایت مردانہ شان سے انہیں زنخوں کا خطاب دیا۔ بس اب صرف ایک چنگاری کی ضرورت تھی۔ یہ اس وقت بھڑکی جبکہ ایک انگریز سپاہی ایک نان فروش عورت سے روٹی کے وزن پر جھگڑنے لگا۔ بازار کے بہت سے تماش بین اس پر پل پڑے اور مردہ جان کر اسے وہیں چھوڑ گئے۔ جلد ہی قرب و جوار کے گلی

کوچوں میں بلوہ پھیل گیا جس میں بعض نہتے سپاہی مارے گئے۔ اور اب ایک معمولی فساد ایک جنگ کی صورت اختیار کر گیا۔ رچرڈ نے ابتداء میں اس ہنگامہ کو پُر امن طریقہ سے قابو میں کرنے کی کوشش کی لیکن مقامی لوگوں نے بڑی بدتمیزی سے اسے للکارا اور طعنے دیئے۔ ویسے بھی رچرڈ کے لئے تو یہ محض ایک جنگی مشق تھی اور اس کی فوج کی آزمائش۔ کیا وہ صلاح الدین کے مقابلہ کے لئے تیار تھے؟ اسے ایک شاعر نے یوں بتایا ہے: ''آقا نے انہیں چاقوؤں کی طرح پتھر پر گھس کر تیز کیا مگر ابھی ان کی دھار تیز نہیں ہوئی ہے تاہم شکر ہے کہ وہ پہلے سے زیادہ تیز ہو گئے ہیں۔'' رچرڈ ایک بپھرے ہوئے درندہ کی مانند اپنی فوج کے سامنے آیا اور اس نے کہا: ''اے میرے سپاہیو اور میری سلطنت کی قوت! ہم نے مل کر ہزاروں خطرات کا مقابلہ کیا ہے اور بہت سے ظالموں اور شہروں کو مغلوب کیا ہے۔ تم دیکھ رہے ہو یہ بے شرم بزدل کیسے ہماری بے عزتی کر رہے ہیں۔ میں تمہارا سردار اور بادشاہ تم سے عشق رکھتا ہوں لیکن میں تمہیں ہوشیار کرتا ہوں اور تمہارے احساس عزت کا مداح ہوں کہ اگر تم نے اس توہین کا بدلہ نہ لیا تو یہ بدنامی ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی اور ہر دشمن تمہیں بھگوڑا سمجھ کر تم پر دوگنی طاقت سے حملہ کرے گا۔ بڈھی عورتیں اور بچے تک تمہارے خلاف کھڑے ہو جائیں گے۔ میں خود تم میں سے کسی کو یہ حکم نہیں دوں گا کہ وہ میدان جنگ میں میرا ساتھ دے تا کہ ایک کا خوف کہیں دوسرے کے قدم نہ ڈگمگا دے۔ لیکن جہاں تک میری اپنی ذات کا تعلق ہے یا تو میں اس بے عزتی کا بدلہ لوں گا یا یہیں مر جاؤں گا۔ اگر میں یہاں سے زندہ نکلوں تو صلاح الدین ایک فاتح کو پائے گا۔ کیا تم اپنے بادشاہ کو تنہا چھوڑ دو گے؟'' تمام لشکر نے وفاداری کے پُر جوش نعرے لگائے۔ اس نے مطمئن ہو کر آہستہ لہجہ میں جواب دیا: ''تم نے اس توہین کے خلاف اپنی رضامندی ظاہر کر کے میری ہمت افزائی کی ہے۔'' اس نے دو ہزار چیدہ شہسواروں کا مطالبہ کیا اور مزید دو ہزار تیرانداز بھی طلب کئے گئے۔ فوجی انجینئروں نے فصیل شکن آلات آگے بڑھائے اور اس کا ہیبت ناک پرچم جنگ لہرانے لگا۔ تب اس شاندار رچرڈ نے زرہ بکتر پہنی۔ اس کا مورخ لکھتا ہے کہ ''جب ان ناہنجار شہریوں نے ان جنگجو حملہ آوروں کو بڑھتے

دیکھا جن کے آگے خود رچرڈ شیر دل تھا تو وہ ایسے بھاگے جیسے بھیڑیں ایک بھیڑیے کے آگے بھاگتی ہیں۔" خیر وہ اتنی جلدی بھی نہیں بھاگے چونکہ شہر کی فصیلوں پر جھنڈے گاڑنے میں دس گھنٹے لگ گئے۔ ایک شاعر اسے یوں کہتا ہے: Plis tost eurent "ہمارے بادشاہ اور اس کے ساتھیوں نے Messines اتنی جلد فتح کر لیا کہ ایک پادری صبح کی عبادت بھی ختم نہ کر سکا۔"

شاید شاعر کا اشارہ اس تیز رفتاری کی طرف ہو جس سے Tancred نے چالیس ہزار طلائی سکے بطور تاوان جنگ ادا کئے۔ حالانکہ فرانسیسیوں نے اس معرکہ میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا پھر بھی ان کا پرچم انگریزی پرچم کے ساتھ شہر کی فصیل پر لہرایا گیا۔ نیز یہ کہ فلپ نے مال غنیمت میں اپنے حصہ کا بھی مطالبہ کیا۔

اس نے Vezelay کے معاہدہ کو یاد دلایا جس کے تحت اس مذہبی جنگ میں تمام مال غنیمت دونوں لشکروں میں برابر سے تقسیم کیا جائے گا۔ جواباً رچرڈ طعنہ دینے سے باز نہ رہا: "جھنڈا گاڑنے کا حق کس کا ہے؟ اس کا جس نے جنگ میں شرکت ہی نہ کی؟ یا اس کا جس نے جرأت سے آگے بڑھ کر دشمن پر حملہ کیا؟" اس سے ان کے اختلافات میں اور اضافہ ہوا۔ پھر بھی حالات کی نزاکت کے پیش نظر انہوں نے اس جھگڑے کو اور آگے نہیں بڑھنے دیا۔ انہیں ابھی بہت سے مشوروں کی ضرورت تھی۔ مثلاً مارے جانے والوں کی جائداد، قمار بازی یہاں تک کہ روٹی کے وزن و نرخ تک کا قضیہ طے کرنا تھا۔ اس سے پہلے Vezelay میں انہوں نے شاہی حقوق اور ریاستوں کی حدود کے اہم اختلافات خوش اسلوبی سے نبٹا دیئے تھے اور رچرڈ نے Chinon میں فوجیوں کے طرز عمل کے مطابق قوانین بنا دیئے تھے لیکن اب بھی بہت سی باتیں باقی تھیں۔ مثلاً جنگ سے متاثر ہونے والوں کی جائداد کا انتظام یا فوجیوں کے مظالم یا جنگ سے منافع خوری وغیرہ کے بارے میں ابھی تک کوئی قانون نہیں تھا۔ Messina کی فتح کے کچھ دن بعد دونوں بادشاہ ان تمام معاملات کو طے کرنے کے لئے پھر متحد ہوئے۔ آخر ایک سپاہی اور نان فروش عورت کے جھگڑے نے حالات پر ایسا اثر کیا۔ خرید و فروخت کے متعلق یہ قانون نافذ کیا گیا

کہ کوئی تاجر دس فیصد سے زیادہ منافع نہیں لے گا۔ کوئی شخص مردہ گوشت نہیں خریدے گا۔ اور کسی جانور کا گوشت اس وقت تک نہیں بیچا جائے گا جب تک کہ اسے فوجی چھاؤنی میں ذبح نہ کیا گیا ہو۔ قمار بازی کے متعلق قوانین زیادہ دلچسپ تھے۔ کوئی سپاہی یا ملاح پیسوں سے پانسہ بازی نہیں کرے گا۔ اس کی سزا بھی سخت تھی۔ سپاہی کو تمام فوج کے سامنے ننگا کر کے تین دن تک کوڑے مارے جائیں گے۔ اور ملاح کو تین دن تک ہر صبح سمندر میں غوطہ لگایا جائے گا۔ کوئی تعجب نہیں کہ فوج کے سرداروں اور پادریوں کو اس سخت سزا سے مستثنیٰ کر دیا گیا تھا۔ وہ اگر جوئے میں ایک دن میں بیس شلنگ سے زیادہ ہاریں تو ہر دن ہارنے کی سزا میں سو شلنگ جنگی خزانہ میں ادا کریں۔ تاہم بادشاہ خود جتنا چاہیں ہار، جیت سکتے تھے۔ اس کی کوئی حد نہیں تھی۔ پھر بھی رچرڈ اور فلپ کے درمیان ایک اہم نقطہ اختلاف رہ گیا۔ یہ Alais کا مسئلہ تھا جو فرانس کی شہزادی تھی، فلپ کی بہن اور رچرڈ کی منگیتر جسے رچرڈ کے باپ ہنری نے خراب کیا تھا اور جو اس وقت اس کی ماں Eleanor کی قید میں Rouen کے قید خانہ میں تھی۔

ایک نئی ملکہ: اگر صلیبی افواج زیادہ تیزی اور باقاعدگی سے کوچ کر گئی ہوتیں تو غالباً ارض مقدس ۱۱۹۰ء کے آخر میں عیسائیوں کے قبضہ میں ہوتا، مگر اب موسم خزاں شروع ہو چکا تھا اور موافق ہواؤں اور پرسکون سمندر کی جگہ طوفانوں نے لے لی تھی۔ اور فلپ جو سمندری بیماری سے پہلے ہی خوفزدہ ہو چکا تھا کسی طرح اس پر خطر سفر کے حق میں نہیں تھا۔ ویسے بھی جاڑوں کے کیچڑ پانی میں کسی سنجیدہ معرکہ کا امکان نہیں تھا۔ اس کے علاوہ ترکی سے جرمن شہنشاہ باربروسہ کی ناگہانی موت اور اس کے عظیم لشکر کے انتشار کی المناک خبر پہنچ چکی تھی، اس لئے اب ایک مشترکہ عیسائی حملہ کی بھی کوئی ضرورت نہیں تھی اور نہ ہی نام آوری اور مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے کسی جلدی کی ضرورت تھی۔ چنانچہ دونوں بادشاہوں نے یہ طے کیا کہ جاڑے سسلی ہی میں گزارے جائیں۔ فلپ تو Messina کے قصر شاہی میں آرام کرتا رہا لیکن باوجودیکہ مقامی آبادی

انگریزوں کے خلاف تھی رچرڈ اپنے لئے ایک پہاڑی پر ایک شان دار چوبی محل بنوانے میں مصروف ہوگیا جہاں سے وہ نیچے شہر کا نظارہ کرسکتا تھا۔ اس نے اس کی تعمیر میں پوری سنجیدگی اور جانفشانی کا مظاہرہ کیا اور اپنے اس شاہکار کو Mategriffon (یونانی کو قتل کر) کا نام دیا۔ گویا یہ اس کا وہاں کے حاکم Tencred اور اس کے ساتھیوں کو ذلیل کرنے کا طریقہ تھا۔ کرسمس کے زمانے میں دونوں بادشاہوں نے بڑی دوستی اور پیار محبت کا اظہار کیا اور خوب دعوتوں اور شوروغل میں حصہ لیا، لیکن حقیقت بدلی نہیں تھی۔ بقول ایک مورخ کے فلپ نے اپنے حسد و نفرت کو ایک عیار لومڑی کی طرح چھپا رکھا تھا۔ لیکن یہ لومڑی جلد ہی خود اپنے جال میں پھنس گئی۔ ۱۱۹۱ء کے آغاز میں رچرڈ نے مقامی کمزور حاکم سے مصالحت کرنا مناسب سمجھا۔ لہٰذا ۵؍فروری کو وہ اور Tancred کتانیہ (Catania) میں ملے۔ دونوں نے مل کر St Agatha شہید کے مزار پر سجدے کئے۔ اس سے بڑھ کر صنف نازک پر مردانہ مظالم کی کوئی اور مثال نہیں مل سکتی تھی۔ کیتھولک ذرائع کے مطابق ایک خبیث مجسٹریٹ نے اس اللہ والی کے ساتھ زنا بالجبر کر کے اس کی جائداد پر قبضہ کرنا چاہا۔ پھر اس نے اس کی چھاتیوں کو کاٹ کر اس کے جسم کو آنکڑوں سے پھاڑ کر اسے دہکتے ہوئے انگاروں پر پھینک دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے مرنے سے پہلے اس سے کہا: ''ظالم کیا تو اپنی ماں اور ان چھاتیوں کو بھول گیا جنہوں نے تجھے دودھ پلایا تھا'' سینٹ Agatha کے مزار زیارت نے ان کے دل و دماغ پر سکون اور صلح کے اثرات پیدا کئے۔ اب سابقہ مخالفتیں برادرانہ پیار و محبت میں تبدیل ہوگئیں اور وہ ایک دوسرے کی دعوتیں کرنے اور قیمتی تحفے دینے لگے۔ Tancred نے انگلستان کے بادشاہ کو سونے، چاندی کے نادر تحفے، جنگی گھوڑے، قیمتی ریشم کے تھان دیئے اور سب سے بڑھ کر اسے چار بار برداری کے جہاز اور پندرہ جنگی کشتیاں پیش کیں۔ جواباً رچرڈ نے اسے دنیا کی سب سے زیادہ شاندار تلوار دی جس کے بارے میں اس نے نہایت دیدہ دلیری سے دعویٰ کیا کہ یہ King Arthur کی شہرہ آفاق جادوئی تلوار ہے۔ محبت کے اس جوش میں Tancred نے رچرڈ کو ہوشیار کیا کہ فلپ ایک

لومڑی کی طرح اپنے غار میں موقع کا منتظر ہے۔ اس کے ثبوت میں Tancred نے رچرڈ کو فلپ کا ایک خط دکھایا جس میں اس نے رچرڈ کو غدار بتایا تھا اور Tancred سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ رچرڈ پر حملہ کرے تو فلپ اس کا ساتھ دے گا۔ رچرڈ نے غصہ میں بھر کر کہا: "میں نہ غدار ہوں اور نہ کبھی ہوں گا۔ میں کبھی یقین نہیں کرسکتا کہ فرانس کے بادشاہ نے یہ خط لکھا ہے۔" Tancred نے اس کی صداقت کی قسمیں کھائیں اور گواہ پیش کئے۔ جب یہ خط فلپ کو دکھایا گیا تو اس نے لامحالہ اسے جھوٹ اور فریب کہا۔ لیکن اب رچرڈ کو وہ کام کرنے کا موقع مل گیا جو وہ ہمیشہ سے کرنا چاہتا تھا۔ اس نے فلپ کی بہن سے منگنی کے رشتہ کو منقطع کرنے کا اعلان کردیا۔ اس کام کے لئے اس نے Flanders کے حاکم کو منتخب کیا جو حال ہی میں ایک اہم لشکر کے ساتھ سسلی پہنچا تھا۔ یہ شخص اپنی چرب زبانی اور مصلحت آمیز گفتگو کے لئے مشہور تھا۔ کہتے ہیں وہ اپنی زبان کو بہت قیمتی سمجھتا تھا۔ یہ پیغام پاکر فلپ بہت تلملایا۔ اس نے کہا کہ اگر اس رچرڈ کی بہن کے علاوہ کسی اور سے شادی کرے گا تو وہ تازیست اس کا دشمن بن جائے گا۔ رچرڈ نے یہ دھمکی سن کر اطمینان سے جواب دیا کہ وہ بہت سے گواہ پیش کرے گا کہ خود اس کے باپ ہنری نے اس شہزادی کو عصمت دری کی تھی بلکہ اس سے اس کا ایک بچہ بھی ہے۔ فلپ کے پاس اب اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ بس شکایتیں کرے اور دس ہزار پونڈ جو رچرڈ نے وعدہ خلافی کے تاوان میں پیش کئے تھے قبول کرلے۔ اس قدر بے عزتی اور مخالفت اس نے پہلے بھی برداشت کی تھی۔ اب یہ ایک اور سہی۔ اگرچہ اس کارروائی سے رچرڈ کے دماغ کا بوجھ بہت ہلکا ہوگیا تھا مگر پھر بھی انگلستان کے تخت کی جانشینی کا مسئلہ سب سے بڑا تھا جو اب بھی باقی تھا۔ اگر رچرڈ نے شادی نہ کی اور ولی عہد پیدا نہ کرسکا تو سلطنت کا تاج اس کے عیار چھوٹے بھائی John کے سر پر رکھا جائے گا۔ یہ ایسا بھیانک خواب تھا جس سے نہ صرف انگلستان بلکہ تمام یورپ خائف تھا۔ لیکن یہاں سے بہت دور اس کی ماں Eleanor اس پیچیدہ مسئلہ کو حل کرنے میں کوشاں تھی۔ اس نے رچرڈ کی سابقہ منگیتر Alais کو Rouen کے قید خانہ میں بند کر رکھا تھا۔ اب اس نے یورپ کے شاہی خاندانوں

میں اس کے نعم البدل کی تلاش شروع کی۔ Pyrenees پہاڑوں کے اس پار اسے Navarre کے بادشاہ کی لڑکی پسند آئی جس کا نام Berengaria تھا۔ گوکہ Eleanor کو یہ اچھی طرح پتہ تھا کہ اس کے بیٹے رچرڈ کو صنف نازک سے رغبت نہیں ہے مگر اس نے اس معمولی رکاوٹ کو نظر انداز کر دیا۔ جہاں ایسے اہم معاملات کا سوال ہو وہاں ایک مرد کے جنسی مذاق کی کیا اہمیت ہو سکتی ہے۔ یہ کام اس کا قومی فریضہ تھا۔ آخر کیا اس نے پہلے بھی کبھی کبھار عورتوں سے تعلق نہیں رکھا تھا؟ کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ Cogniac کی ایک لڑکی سے اس نے ایک لڑکا بھی پیدا کیا تھا۔ جس کا نام اس نے اس حرام کے بچہ کا ذومعنی طور پر فلپ رکھا تھا؟ Eleanor کا وہ سب سے چہیتا بیٹا تھا اس لئے اسے شاہی خاندان کی حشمت وجلال باقی رکھنے کے لئے یہ کام کرنا ہی پڑے گا۔ جب رچرڈ نے اپنی فوج کے ساتھ کوچ کیا تو Eleanor اس رشتہ کے لئے اسپین روانہ ہوگئی۔ دربار کے ایک شاعر نے اس لڑکی کے بارے میں لکھا ہے: ''حسن سے زیادہ اسے تعلیم حاصل ہے (کیا وہ بدصورت ہے؟) وہ ایک نازک طبع، دانشمند، نیک کردار اور پاک باز خاتون ہے (کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک سیدھی سادی غیر دلچسپ عورت ہے؟) Eleanor کے لئے اس کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ پوری طرح فرماں بردار تھی۔ اور Eleanor جیسی چالاک اور تیز طرار عورت کے سامنے وہ ایک میمنے کی طرح بے بس تھی۔ جب تک تمام انتظامات مکمل ہوئے موسم خزاں موسم سرما میں بدل گیا۔

جنوری میں Alps پہاڑوں پر سے گزرنا نہایت خطرناک تھا۔ لیکن Eleanor کے لئے نہیں۔ اس نے اپنے بکری کے بچے کو بغل میں دبا کر برفانی درّوں کا رخ کیا تاکہ وہ اپنے شیر (رچرڈ) سے جا ملے۔ اس طرح اس نے اپنی جرأت وہمت کی داستان کو مزید ترقی دی۔ اس کا ایک ہم عصر یوں لکھتا ہے: ''ملکہ Eleanor ایک بے نظیر عورت ہے۔ حسین، طاقتور، پاکباز، منکسر، نازک اور خوش گفتار۔ یہ تمام خوبیاں ایک عورت میں شاذ و نادر ہی پائی جاتی ہیں۔ وہ ابھی تک ہر مہم میں انتھک طریقہ سے کوشاں ہے، اس عمر میں بھی اس کی توانائی قابل تعریف ہے۔'' ایسا

معلوم ہوتا ہے کہ رچرڈ کو یہ احساس ہو گیا تھا کہ اس کی اس بلند حوصلہ اور باہمت ماں کا رخ اب اس کی طرف ہے۔ یقیناً وہ یہ سمجھ گیا تھا کہ نصف براعظم اور بلند ترین برفانی پہاڑوں کو پار کر کے اس کی ماں کا وہاں آنا صرف اسی لئے ہو سکتا تھا کہ وہ اس کے سر پر ایک اور دلہن منڈھے۔

Eleanor اور Berengaria کے پہنچنے سے چند ہفتے قبل رچرڈ نے اپنے تمام چھوٹے بڑے پادریوں کو Messina کے گرجا گھر میں طلب کیا۔ وہاں اس نے سب کے روبرو نہایت جذباتی طور پر Sodom کی تباہی سے خوفزدہ ہوتے ہوئے اپنی اس غیر فطری مذموم عادت کا اعتراف کیا اور برہنہ ہو کر آقا کے حضور میں توبہ کی اور دعا مانگی کہ وہ اسے اس گندے اور غیر فطری فعل سے اجتناب کرنے کی طاقت دے۔ اس نے سخت شرمندگی اور پشیمانی کا اظہار کرتے ہوئے یہ وعدہ کیا کہ وہ آئندہ اس مکروہ فعل سے باز رہے گا۔ اس سلسلہ میں اسے انجیل میں باآم (Balaam) کے گدھے کی کہانی بھی یاد آئی جس کے مطابق گدھے نے راستہ میں ایک فرشتہ کھڑا دیکھا جو اس کا راستہ روک رہا تھا۔ باآم نے طیش میں آ کر تین بار گدھے پر تلوار کا وار کیا۔ اس پر فرشتہ نے باآم سے کہا تیرے راستہ میں تو میں کھڑا تھا چونکہ تیرا راستہ گندا ہے۔ تو نے بے چارے گدھے کو کیوں مارا؟ تمام پادریوں نے یہ اعلان کیا کہ اس نے سچے دل سے توبہ کی ہے اور اب خواہشاتِ نفس کے کانٹے اس کے جسم سے نکل گئے ہیں۔ ایک مورخ Roger کہتا ہے: ”کتنا خوش نصیب ہے وہ جو توبہ کرنے کے بعد پھر اس تباہی کے گڑھے میں نہیں گرتا۔“ ہو سکتا ہے کہ رچرڈ نے اپنے غیر فطری افعال کا اقبال کر کے اپنی ماں کے شادی کے پروگرام کے لئے راستہ ہموار کیا ہو۔ یہ تو حقیقت ہے کہ Eleanor ایک حسین، بلند حوصلہ، نازک اندام، بے تکان اور اعلیٰ تعلیم یافتہ عورت تھی جس نے دس شاہی بچے پیدا کئے تھے۔ تاہم وہ فرانس کے بادشاہ کو اولاد نرینہ دینے میں ناکام رہی تھی جس کی وجہ سے اسے طلاق دے دی گئی تھی۔ وہ انگریز اور فرانسیسی سپاہیوں کے لئے ایک شیخی خوری اور پست کردار عورت تھی۔ اس کے متعلق طرح طرح کی افواہیں گرم تھیں۔ اس نے بادشاہ کے پس پشت بہت سے مردوں سے تعلقات رکھے تھے۔ کہا جاتا ہے

کہ ان میں فرانس کے بادشاہ کا بھائی اور خود صلاح الدین کا بھی شمار تھا۔ یہ آخری نام اس کے لئے بہت ظالمانہ تھا۔ اس نے انگلستان کے بادشاہ کو پانچ لڑکے دیئے تھے۔ وہ اس کا اتنا مشکور ہوا کہ اس نے اسے ۱۶ سال تک قید میں رکھا۔ بعض کا خیال تھا کہ وہ شیطان کی ماں تھی اور ایک دفعہ نہاتے وقت ناگہ بن گئی تھی۔ خود رچرڈ نے اپنے طرز زندگی سے بددل ہو کر ایک بار کہا تھا کہ "جس درخت کی جڑ ہی سڑ گئی ہو وہ کیسے پھل دار پودے اُگا سکتا ہے۔"

لیکن ان سب چھوٹے بڑے واقعات سے صلیبی فوج کو اتنی دلچسپی نہیں تھی جتنی کہ انہیں Eleanor کے ۱۱۴۷ء کے سانحہ کے تعلق سے تھی جب یہ بوڑھی لیکن ہنوز جاذب نظر عورت اپنی جنگی کشتی پر شاہانہ طریقہ سے اِدھر سے اُدھر کودتی پھرتی نظر آتی تھی اور اس کے پیچھے ایک فوجی محافظتی دستہ بھی ہوتا تھا تو اسے دیکھ کر چوالیس سال پہلے کا ڈراؤنا خواب نظر آ جاتا تھا۔ جس وقت Eleanor پوری طرح جنگی لباس اور ہتھیاروں سے لیس ہو کر اپنی مرد مار عورتوں اور لاتعداد غلاموں، کنیزوں، باربرداروں اور شاعروں کے جمگھٹے میں مارچ کر رہی تھی۔ پھر جب کوہ Cadmos کے معرکہ میں اس ملکہ کا رنگین قافلہ نہ پہنچنے کی بدولت عیسائی فوج متحد نہ ہو سکی اور اس نے ترکوں کے ہاتھ شکست فاش کھائی، یہ تصور کیا جاتا تھا کہ وہ ایک ایسی صلیبی فوج تھی جس کی کمان ایک عورت کے ہاتھ میں تھی جس میں دن میں مقدس جنگ اور رات کو ناچ گانے، شعر و شاعری اور عشق و محبت پر بحث و مباحثے کئے جاتے تھے۔ ۱۱۴۷ء کی مہم کی تباہی میں Eleanor کا سب سے بڑا ہاتھ تھا۔ اب وہ ذاتی نمائش عیش پرستی اور شکست و تباہی کی علامت بن گئی تھی۔ اسی وجہ سے صلیبی جنگوں میں عورتوں کی شمولیت ناپسند کی جاتی تھی۔ اس بارے میں ایک راہب یوں لکھتا ہے: "سب کو معلوم ہے کہ میری یہ تمنا ہے کہ ہم میں سے کسی کو یہ پتہ چلتا کہ یہی وہ ملکہ ہے جو اس سے پہلے اپنے سابق شوہر کے ساتھ یروشلم گئی تھی۔ بہتر یہ ہے کہ اب کوئی یہ ذکر نہ کرے۔ بس خاموش ہو جاؤ۔" Eleanor سسلی میں صرف چند دن ہی رہی۔ اس نے اس بکری کے بچے (Berengaria) کو شیر (رچرڈ) کے غار میں چھوڑا اور اس کی بہن Joanna

کو اس کی دیکھ بھال کے لئے تعینات کر کے وہاں سے روانہ ہو گئی۔ لیکن شادی کی شہنائیوں کو بجانے کا کسی کو خیال نہیں آیا۔ اور رچرڈ کو تو قطعاً نہیں۔ Lent کے تہوار نے اسے اس کی تاخیر کا مناسب بہانہ پیش کر دیا۔ رچرڈ نے ماں کو روم کی طرف جانے والے جہاز میں سوار کرا کے خیر باد کہا۔ اسی وقت اس نے ماں کو انگلستان کی حکومت کے بعد سیاسی مرحلوں کے حل کرنے کا اختیار بھی دے دیا۔ پھر اس نے مقدس جنگ کی طرف توجہ کی۔ مذہبی جوش میں اس نے Calabria سے ایک زبردست درویش Joachim کو بلایا تا کہ وہ اسے ہدایات اور پیشن گوئیاں دے کہ حق و باطل کی اس جنگ کا نتیجہ کیا ہوگا اور St John کے خیالات کا اس مہم پر کیا اثر ہوگا۔ یہ درویش سینٹ جان کے خیالات کی تشریح اور پیشن گوئی میں ماہر تھا۔ رچرڈ اور سب پادریوں نے اس کی تقریر گھنٹوں سنی، اس نے مقدس دوشیزہ کی تصویریں پیش کی کہ وہ تو حق میں ملبوس مقدس چرچ پر قدم جمائے کھڑی ہے۔ اس کے سر پر تاج ہے جس میں بارہ نگینے جڑے ہوئے ہیں جو بارہ حواریوں کی علامت ہیں۔ اس کے مقابل ایک شیطان ہے جس کے سات سر ہیں۔ اس نے کہا کہ اگرچہ سات ایک محدود ہندسہ ہے لیکن شیطان کا شر لامحدود ہے...... سات سر سات دشمنوں کی علامت ہیں جن میں Herod اور (نعوذ باللہ) محمد بھی شامل ہیں۔ ان میں سے پانچ مر چکے ہیں مگر دو ابھی زندہ ہیں۔ ان میں سے ایک دشمن ۱۵/سالہ ہے اور روم میں رہتا ہے۔ یہ سن کر رچرڈ نے ہنس کر کہا کہ اگر یہ بات ہے تو وہ پوپ Clement ہی ہو سکتا ہے۔ اس پر سب نے نہایت شور و غل کیا۔ بہر حال پوپ ۱۵ سال سے زیادہ تھا۔ اس نے کہا ایک وقت ایسا آئے گا جب ایک جھوٹا نبی پوپ بن جائے گا تب حضرت عیسیٰ اسے اپنی پھونک سے جلا دیں گے۔ اس واہیات پر غالباً رچرڈ نے سر کھجایا ہوگا۔ راہب نے کہا کہ دوسرا شیطان جو ابھی زندہ ہے صلاح الدین ہے جو خانہ خدا پر مظالم کر رہا ہے۔ ہمیں اسے شکست دینی ہوگی چونکہ وہ یروشلم کی آبادی، آقا کے مدفن اور اس زمین کو جہاں ہمارے آقا نے قدم رکھا تھا ناپاک کر رہا ہے۔ بہر حال یہ ملکیت جلد ہی اس کے قبضہ میں آ جائے گی جو دنیا بھر میں ہمیشہ مشہور ہوگا۔ رچرڈ نے پوچھا ایسا کب ہوگا؟ راہب نے کہا

یروشلم کی شکست کے سات سال بعد۔ رچرڈ نے جلدی سے حساب لگایا۔ صلاح الدین کو یروشلم فتح کئے ہوئے پانچ سال ہوئے تھے۔ اس نے پوچھا کیا ہم یہاں کچھ پہلے آ گئے ہیں؟ راہب نے اسے ہاتھ اٹھا کر مطمئن کیا اور کہا تمہارا یہاں آنا ضروری ہے چونکہ آقا تمہیں فتح دے گا اور تمہارا نام دنیا کے تمام شہزادوں سے زیادہ مشہور ہوگا۔

شاہ فرانس فلپ نے ۳۰ر مارچ ۱۱۹۱ء کو بڑے کر و فر سے ارض مقدس کا رخ کیا۔ چونکہ وہ شہزادی Berengaria (بیرن گاریہ) سے جس نے اس کی بہن Alais کی جگہ لی تھی مل کر شرمندہ نہیں ہونا چاہتا تھا اس لئے اس نے بغیر وداعی رسوم کے روانگی اختیار کی۔ تاہم اس دماغی پریشانی کے باوجود اس کا سفر بغیر کسی حادثہ یا پریشانی کے طے پایا اور وہ تین ہفتوں بعد ۲۰ر اپریل کو بخیر وخوبی Acre پہنچ گیا۔ جیسا کہ اس کی زندگی بھر ہوتا رہا ہے رچرڈ کے لئے سسلی سے روانگی کا سفر پورے شور وغل اور ڈرامائی انداز میں ہوا۔ اس کے ہمراہ صلیبی بیڑے کا خاص حصہ تھا جو موسم سرما کے دوران میں بہت بڑھ گیا تھا جس کے لئے بحر روم کو پار کرنے کا انتظام بہت پیچیدہ ہوگیا تھا۔ سسلی کے بادشاہ سے صلح ہونے کے بعد وہاں سے رخصت ہونے سے پہلے اس نے اپنا چوبی محل Mettegriffon (Kill the Greek) گروا دیا اور ۱۰ر اپریل کو ۲۱۹ جہازوں کے ساتھ مشرق کا رخ کیا۔ ان میں سب سے کم رفتار لیکن مضبوط جہازوں پر (کہ جو Dromons بسیں کہلاتے تھے) اس نے شہزادی بیرن گاریہ کو اپنی بہن کے ساتھ سوار کر لیا اور ان کے ساتھ شاہی خزانہ کا ایک بڑا حصہ اور محافظ دستہ روانہ کیا۔ اس نے ان جہازوں کو سب سے آگے رکھا۔ یہ شاہی بسیں کھلے سمندر میں ایک وسیع مثلث کا نشان بنا رہی تھیں۔ ان کے پیچھے آٹھ، سات اور چھ جہازوں کی قطاریں تھیں اور رچرڈ سب سے پیچھے تیز رفتار جنگی کشتیوں پر سوار تھا۔ تمام جہازوں کا آپس میں اتنا فاصلہ تھا کہ وہ بذریعہ بگل رابطہ رکھ سکتے تھے۔ رات کے وقت مخصوص موم بتیوں سے کام لیا جاتا تھا۔ فاصلہ سے یہ زبردست بیڑہ پرندوں کی شکل کا معلوم ہوتا تھا۔ سب سے پیچھے بادشاہ کا جہاز خاص طور پر جگمگاتا نظر آتا تھا۔ جب تک سمندری ہوائیں

پرسکون رہیں یہ جنگی بیڑہ پُر وقار طریقہ سے سفر کرتا رہا لیکن دفعتہً طوفان برپا ہوا اور تمام شاندار قطاریں تتر بتر ہوگئیں۔ جہازوں کے کپتان اپنے جہازوں پر قابو نہ رکھ سکے اور انہیں تباہی سے بچانے کی پوری کوشش کرنے لگے۔ تمام سپاہیوں اور ملاحوں کی جانوں پر بن گئی۔ پادری انجیل مقدس کی طرف رجوع ہوئے۔ یہ بلاشبہ خداوند تعالٰی کی آواز تھی۔ جیسا انجیل میں آیا ہے: ''وہ ایک قطرہ کو زمین کی آخری حدوں تک اٹھاتا ہے...... اور اپنے خزانوں سے آندھیاں نکالتا ہے۔''

بالآخر جب سمندر پُرسکون ہوا تو صلیبی بیڑہ دور دور تک بکھر چکا تھا اور اسے پھر جمع کرنے میں رچرڈ کو کئی دن لگ گئے۔ بقول ایک مورخ کے ''ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مرغی اپنے چوزوں کو ڈھونڈتی پھر رہی ہے۔'' لیکن بعض چوزے اب بھی غائب تھے۔ سب سے اہم یہ کہ تین بسیں (Dromons) جن پر شہزادیاں اور ان کا عملہ سوار تھا لاپتہ تھیں۔ طوفانی سمندر میں دس دن گزارنے کے بعد بالآخر یہ بیڑہ کریٹا (Crete) کی بندرگاہ میں لنگر انداز ہو سکا۔ یہ علاقہ کوہ ادا (Mt Ida) کے دامن میں ہے جہاں یونانی روایات کے مطابق ان کا دیوتا (Zeus) پیدا ہوا تھا۔ اس سے انہیں کسی قدر تسکین ہوئی۔ یہ مقام سسلی اور فلسطین کے آدھے فاصلہ پر واقع ہے۔ کچھ دن وہاں قیام کے بعد وہ پھر آگے بڑھے اور رات بھر تیز و تند ہواؤں کا سامنا کرتے رہے۔ صبح کو وہ Rhodes کے ساحل پر پہنچے جہاں بہت سی چٹانیں ہیں۔ یہ قدیم جزیرہ جو کبھی نہایت شاندار تھا اب کھنڈر ہو کر اپنی سابقہ ہستی کی پرچھائیں بن چکا تھا۔ رچرڈ نے وہاں دس دن گزارے اور اپنے مصیبت زدہ جہازوں کی آمد کا انتظار کرتا رہا۔ اسی دوران میں اس نے وہاں کے زرخیز علاقہ سے فوجی رسد کا انتظام بھی کیا۔ طوفان نے اس کا بھی برا حال کر دیا تھا۔ پھر بھی اس نے اپنی تیز ترین کشتیاں روانہ کیں کہ وہ گم شدہ تین Dromons کو تلاش کریں۔ جلد ہی تینوں جہاز کئی سو میل دور قبرص (Cyprus) کے ساحل پر پائے گئے۔ طوفان نے انہیں جنوب کی طرف اتنی دور لا پھینکا تھا۔ ان میں سے ایک جہاز تو چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا تھا لیکن Beengaria (بیرن گاریہ) کا اور دوسرا جہاز بچ گئے تھے۔ یہ جہاز کھلے سمندر میں لنگر انداز ہو گئے تھے اور شہزادی کو

توہین کے علاوہ اور کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ یہ علاقہ لیماسول (Limmassol) نامی بندرگاہ کے پاس تھا۔ قبرص کا حاکم بائی زن ٹائن (Byzantine) کی سلطنت کا ایک فرد تھا جس کا نام Isaac تھا۔ اس نے صلیبی جہاز والوں کے ساتھ بہت بدسلوکی کی تھی۔ تباہ شدہ جہاز پر بادشاہ کا قائم مقام بھی ڈوبا تھا۔ وہ ہمیشہ اپنے گلے میں شاہی مہر پہنے رکھتا تھا۔ قبرص کے شہنشاہ نے اس مہر پر اور جہاز کے تمام مال وخزانہ پر قبضہ کیا اور جو لوگ زندہ بچ گئے تھے انہیں قید کر لیا۔ نیز یہ کہ اس نے بیرن گارؔیہ کے جہاز کو Limmassol کی بندرگاہ میں آنے کی ممانعت کی اور جہاز والوں کو وہاں سے پانی تک نہیں لینے دیا۔ یہ شہنشاہ اپنی اس نامعقول حرکت پر پچھتائے گا۔ رچرؔڈ بیرن گاریہ کے متعلق یہ خبریں پا کر آگ بگولہ ہو گیا۔ اس نے پوچھا یہ کون بے وقعت ظالم ہے اور اس نے ارض مقدس کے زائرین کو قید کرنے کی جرأت کیسے کی؟ دراصل بیرن گارؔیہ کا تو اسے کوئی خاص خیال نہیں تھا مگر اس معاملہ میں اس کا غصہ اصولی طور پر تھا۔ مشیروں نے اسے بتایا کہ Isaac Comnenus قبرص کا حاکم شہنشاہ بائی زن ٹائن کا بھتیجا تھا جو نوجوانی میں آرمینیہ کی جنگ میں گرفتار ہو گیا تھا اور کئی سال زنجیروں میں جکڑ کر رکھا گیا تھا۔ لہٰذا جب سے وہ لاطینی لوگوں سے سخت حسد رکھتا تھا اور اسے زنجیروں سے بہت خوف تھا۔ وہ چھ سال پہلے ہی قسطنطنیہ سے قبرؔص پہنچا تھا اور اس جزیرہ پر قبضہ کر کے اسے بائی زن ٹائن کی سلطنت سے خودمختار بنانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اب وہ قبرص کا مطلق العنان شہنشاہ بن گیا تھا لیکن اس کے ظلم اور غداری کی وجہ سے سب اس سے نفرت کرتے تھے۔ جزیرہ کے بہت سے مالدار اور صاحب استطاعت لوگ وہاں سے بھاگ چکے تھے اور جو باقی رہ گئے تھے ان کا مال و دولت لوٹا جا رہا تھا اور وہ اس کے مظالم کا شکار تھے۔ اس دور کے ایک راہب نے یوں لکھا ہے: ”Isaac نے نہ صرف عوام کے ساتھ ظلم روا رکھا بلکہ اس نے تو خود اپنے افسروں کو بھی آئے دن سخت سزائیں دیں جس سے وہ ہمیشہ نالاں اور بیزار تھے۔“ صرف قبرص کے ایک شریف انسان کی سفارش سے اس ظالم شہنشاہ نے تباہ شدہ جہاز سے زندہ بچ جانے والوں کو موت کی سزا نہیں دی البتہ اس جرم میں اس نے اس شریف النفس کو قتل کرا دیا۔ اس

نے رچرڈ کی بہن اور انگلستان کی ہونے والی ملکہ کو چال بازی سے ساحل پر اترنے کی دعوت دی مگر انہوں نے عقلمندی سے اس کا کہنا نہیں مانا، کہا جاتا ہے کہ Isaac کے صلاح الدین کے ساتھ نہایت دوستانہ تعلقات تھے اور دونوں نے برادرانہ بندھن کو مضبوط کرنے کے لئے ایک دوسرے کا خون پیا تھا۔ اس نا ہنجار کا ایسا قابل نفرت نقشہ پا کر رچرڈ نے اپنے دو تیز ترین جہاز لئے اور اپنے بہترین جانبازوں کے ساتھ ان کی مدد کو روانہ ہوا۔ وہ فوراً ہی اناطولیہ کی خلیج کے بھنور میں پھنس گیا۔ یہ وہ علاقہ ہے جہاں چار سمندروں کی موجیں آپس میں ٹکراتی ہیں اور جہاں کی سمندری ہوائیں نا قابل اعتبار ہیں۔ یہ علاقہ ملاحوں کے لئے ڈراؤنا خواب ہے۔ کہتے ہیں اس پر دو آسیب سوار ہیں۔ پہلی کہانی کے بموجب حسین دوشیزہ نے ساری عمر ایک سردار کو وصل کرنے سے انکار کیا تھا مگر جب وہ مرگئی تو اس سردار نے اس کی لاش کے ساتھ رات گزاری۔ لہٰذا شیطان اس مردہ عورت کے بطن میں داخل ہو گیا اور نو مہینہ بعد اس نے ایک مردہ بچہ کو جنم دیا۔ اس سردار نے بچہ کا سر کاٹ کر بطور یادگار ایک الماری میں رکھ لیا۔ جب بھی کوئی دشمن اس پر حملہ کرتا تو وہ محض اس شیطان کے بچہ کا سر اٹھا کر دکھا دیتا اور وہ ڈر کر بھاگ جاتے۔ کچھ دن بعد اس سردار نے دوبارہ شادی کی۔ اس کی بیوی کو یہ تجسس ہوا کہ اس کا شوہر ایسی بڑی فوجوں کو بغیر کسی سپاہی کے کس طرح بھگا دیتا ہے۔ چنانچہ اس نے اس کے کمرہ کی تلاشی لی تو الماری میں اسے سر نظر آیا جسے دیکھ کر ڈر کے مارے اس کے اوسان خطا ہو گئے اور اس نے گھبرا کر اس سر کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا۔ جب سے ملاحوں کا کہنا ہے کہ اگر وہ سر اس طرح ہوا کہ چہرہ اوپر کی طرف ہو تو سمندر میں سخت طوفان برپا ہو جاتا ہے لیکن اگر وہ نیچے کی طرف ہو تو سمندر پُر سکون ہوتا ہے اور جہاز بے خوف و خطر گزر سکتے ہیں۔ دوسری روایت کے مطابق سال میں ایک دفعہ ایک بھیانک کالا اژدھا سمندر میں پانی پینے آتا ہے اور اگر ملاح اس کے نگلنے سے بچنا چاہیں تو اس کی صرف یہی ترکیب ہے کہ وہ بے پناہ شور و غل کریں اور اپنے چپوار پیٹیں تا کہ وہ وہاں سے بھاگ جائے۔ خیر چاہے اس وقت شیطان کے بچہ کا سر اوپر کی طرف ہو یا کالا اژدھا پانی پی رہا ہو، جہاز فطری عناصر بے قابو ہو گئے

تھے اور پروں کی گیند کی طرح ادھر اُدھر کو در ہے تھے۔ کبھی سمندری موجیں انہیں پیچھے پھینک دیتی تھیں تو کبھی طوفانی ہوائیں آگے اُچھالتی تھیں۔ ایک شخص کا کہنا ہے کہ: ''طوفان کے خوف سے ہم نے ہر طرف سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کی اور موجیں ہر طرف سے ہم پر حملہ کر رہی تھیں۔'' بالآخر جیسے تیسے یہ جہاز اس خطرناک سمندر سے باہر نکلے۔ انہیں ایک بڑا جہاز نظر آیا جو ارض مقدس سے زائرین کو واپس لا رہا تھا۔ اس کے ملاحوں نے رچرڈ کو بتایا کہ فلپ Acre بخیر و خوبی پہنچ گیا ہے اور وہاں محاصرہ کے انتظامات مستعدی سے کر رہا ہے۔ نیز یہ کہ وہ وہاں رچرڈ کی آمد کا بے چینی سے منتظر ہے۔ یہ سن کر اسے اطمینان ہوا اور وہ جلدی سے آگے بڑھا۔ Limmassol پہنچ کر اس نے بیرن گاریہ کے جہاز کو بندرگاہ سے باہر کھلے سمندر میں لنگر انداز پایا جہاں موجیں اسے بری طرح اِدھر اُدھر اچھال رہی تھیں۔ اس خاتون کی بے بسی دیکھ کر رچرڈ کے غصہ کا پارہ اور بھی چڑھ گیا۔ پھر بھی Isaac کی اس کمینی حرکت کے باوجود اس نے اپنی فطرت کے خلاف ضبط سے کام لیا اور اسے پیغام بھیجا کہ خدارا صلیب مقدس کی عزت کی خاطر اس کے تمام قیدی رہا کر دیئے جائیں اور جہازوں کا لوٹا ہوا مال واپس کیا جائے۔ Isaac نے اس کا نہایت مختصر یوں جواب دیا۔ ''میں کوئی قیدی آزاد نہیں کروں گا اور نہ ہی مال واپس دوں گا۔ نیز یہ کہ میں شہنشاہ ہوں اور تم محض ایک بادشاہ ہو، ایک شہنشاہ کا یہ منصب نہیں کہ وہ ایک بادشاہ سے مذاکرات کرے۔'' اس توہین پر رچرڈ نے ذرہ بکتر پہنی اور فوج کو جنگ کی تیاری کا حکم دیا۔ اس نے فوج سے مخاطب ہو کر کہا: ''آؤ کہ ہم اس بدمعاش سے اس ذلت کا بدلہ لیں۔ اس نے خدا کی نافرمانی اور ہماری بے عزتی کی ہے۔'' اس نے ساحل کی طرف نظر ڈالی جہاں شہنشاہ اپنے عرب النسل شاندار زرد رنگ گھوڑے پر بڑے کروفر سے اِدھر اُدھر گشت کر رہا تھا اور اس کے لشکری طرح طرح کی خوفناک آوازیں نکال رہے تھے۔ اس نے کہا: ''ذرومت۔ ان کا لباس جنگ سے زیادہ فرار ہونے کے لئے موزوں ہے۔'' رچرڈ کو شہنشاہ کا گھوڑا بہت پسند آیا۔

شاہی کشتیاں آگے بڑھیں اور صلیبی فوج دلیری سے ساحل پر اُتری۔ اس کے

تیراندازوں نے بدنصیب مخالفین پر تیروں کی بارش شروع کر دی۔ بقول ایک شخص کے تیران پر ایسے برسے جیسے بارش کے قطرے میدان کی گھاس پر۔ پہلے تو قبرص کے ناتجربہ کار سپاہیوں نے اپنے تیر و کمان سے خوب مقابلہ کیا۔ لیکن یورپ والوں نے انہیں اپنے جدید ترین ہتھیاروں سے بے دردی سے قتل کرنا شروع کیا۔ لہٰذا جلد ہی ان کی صفیں ٹوٹ گئیں اور وہ بے ترتیبی سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ پہلے تو وہ شہر میں داخل ہوئے پھر وہاں سے نکل کر انہوں نے وسیع میدان کا رُخ کیا۔ رچرڈ نے فوراً ایک گھوڑا پکڑ کر شہنشاہ کا پیچھا کرنا چاہا تا کہ وہ اس بدمعاش سے دست بدست جنگ کے لئے مبارزخواہ ہو۔ لیکن Isaac کا شاندار اسپ تازی بہت تیز تھا اور وہ آسانی سے بچ نکلا۔ رات بھر میں صلیبی فوج اپنے گھوڑوں کو ساحل پر اُتار لائی۔ لیکن اتنے دن طوفانی سمندر میں جہازوں میں بندر ہنے کے بعد وہ جنگ میں استعمال کے قابل نہیں تھے۔ وہاں سے پانچ میل دور کولوسی (Kolossi) نامی ایک قلعہ کے پاس Isaac خیمہ زن تھا۔ لہٰذا علی الصبح ہی رچرڈ پچاس بہترین جانبازوں کے ساتھ اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر آہستہ آہستہ کسی نہ کسی طرح وہاں پہنچ گیا۔ حالانکہ دشمن کا لشکر ابھی خوابیدہ ہی تھا مگر وہ بہت کثیر التعداد تھے۔ یہ دیکھ کر رچرڈ کے منشی نے یہ جرأت کی کہ اس نے اس کے کان میں کہا: ''اعلیٰ حضرت مناسب یہ ہوگا کہ ایسے لشکر جرار سے اس وقت جنگ نہ کی جائے۔'' رچرڈ نے اسے ڈانٹا اور کہا: ''اے نوجوان بہتر یہ ہے کہ تم اپنی انشاپردازی میں مصروف رہو اور جنگ کا کام مجھ پر چھوڑ دو۔ بہتر یہ ہوگا کہ تم اس جھگڑے سے باہر ہی رہو'' Klossi کا معرکہ تیز، سخت اور مختصر رہا۔ ان مٹھی بھر سپاہیوں نے جب اس بڑے لشکر پر اچانک حملہ کیا تو وہ سب گھبرا گئے اور ان میں بھگدڑ مچ گئی۔ کہا جاتا ہے کہ رچرڈ نے شہنشاہ کا خیمہ بہ خیمہ پیچھا کیا جو نیم برہنہ حالت میں کسی طرح اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر فرار ہو سکا۔ اور اس نے پہاڑی علاقوں سے گزر کر Nicosia کا رخ کیا اور رچرڈ شاہی پرچم اور سارا مال وخزانہ لے کر Limmassol واپس ہوا۔ تاہم وہ شہنشاہ اور خاص طور پر اس کے گھوڑے کو پکڑنا چاہتا تھا۔ شہر آ کر اس نے فرمان جاری کیا کہ جو کوئی اس کے حضور میں حاضر ہوگا اسے معاف کیا جائے گا اور

اس کا خاندان اور مال وزر محفوظ رہے گا۔ لیکن جو بھی اس کے خلاف ہوگا اسے سخت سزا دی جائے گی۔ اپنے خلوص نیت کے لئے اس نے شہر کے باہر خیمے لگائے تا کہ اہل شہر محفوظ رہیں۔ نتیجہ میں مقامی لوگ جوق در جوق اس کے ساتھ شامل ہونے لگے۔ اس بارے میں ایک مورخ لکھتا ہے:

''قبرص نے اس ملعون حملہ آور کے ساتھ ایک ماں کا سا برتاؤ کیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ بھی جرمن شہنشاہ باربروسہ کی طرح مارا جاتا'' لیکن واقعی قبرص نے اس کے ساتھ ماں کی طرح برتاؤ کیا۔ اس مقامی بدمعاش کی سرکوبی سے رچرڈ کا حوصلہ خوب بڑھ گیا ہوگا یا پھر اسے جغرافیائی سیاست ملحوظ ہوگی۔ بہرحال اس نے شہید St Pancras کے تہوار پر بروز اتوار Berengaria سے شادی کی۔ Limmassol کے گرجا گھر میں اس کے پادری نے اس کا نکاح پڑھایا۔ یہ رسم پوری شان وشوکت سے انجام دی گئی۔ طرح طرح کے قصیدے پڑھے گئے اور شاہی خاندان کے متوالوں نے قسم قسم کی داستانیں بیان کیں اور اس کی بیوی کو ''عزیز ترین ملکہ'' کا خطاب دیا۔ اس طرح اسپین کے ایک غیر اہم علاقہ Navarre کی شہزادی انگلستان کی ملکہ بن گئی۔ لیکن رچرڈ نے یہ قدم اس وقت کیوں اُٹھایا جبکہ وہ ارض مقدس کی آزادی کی سنگین مہم میں کوشاں تھا؟ یوں بھی یہ قدم اس کے ذوق فطرت کے منافی تھا۔ اس کا جواب یہی ہوسکتا ہے کہ وہ جنگ سے پہلے اپنے تخت کو جانشین دے کر مستحکم کرنا چاہتا تھا۔ شادی کے روز ہی رچرڈ کا باقی بیڑہ بھی Limmassol پہنچ گیا۔ یقیناً اس نمائشی شادی سے زیادہ اسے بیڑے کے آنے کی خوشی ہوئی ہوگی۔

چاندی کی زنجیریں: رچرڈ کی شادی سے ایک دن پہلے یروشلم کا بادشاہ گوئی (Guy) تین جہازوں کے ساتھ قبرص (Cypruss) پہنچا۔ اس کے ہمراہ لاطینی سلطنت کی بعض معزز شخصیتیں اور ۱۶۰ افسرانِ لشکر تھے، گو کہ شادی کے انتظامات میں خاصی مصروفیت تھی پھر بھی رچرڈ ان کے استقبال کے لئے کشتی پر سوار ہو کر ان کے جہازوں پر پہنچا۔ اس نے ایک ہم مرتبہ انسان کی حیثیت سے گوئی کا خیر مقدم کیا اور نہایت تزک واحتشام سے اسے Limmassol

کے قلعہ میں لایا۔ اس شاہی نمائش کے باوجود گوئی نے قابل افسوس ہیئت کا مظاہرہ کیا۔ صلاح الدین نے Hattin کی جنگ کے بعد اسے ایک سال قید میں رکھ کر جولائی ۱۱۸۸ء میں اس شرط پر رہا کیا تھا کہ وہ کبھی مسلمانوں کے خلاف ہتھیار نہیں اُٹھائے گا۔ اس کی عہد شکنی میں گوئی کو ایک سال لگا۔ جولائی ۱۱۸۹ء میں اس نے Acre کا محاصرہ کیا جو اب دو سال سے ناکام رہا تھا۔ Hattin کی شکست کی ذمہ داری کا وہ ابھی تک شکار تھا۔ اب Tyre کا حاکم Conrad قیادت میں اس کا رقیب بن گیا تھا۔ صورتحال اس لئے پیچیدہ ہوگئی تھی کہ اس کی بیوی Sibylla موسم خزاں میں ایک وبا کا شکار ہو کر مر گئی تھی۔ چونکہ گوئی کو یروشلم کے تخت کا حق اپنی بیوی ہی کی وجہ سے ملا تھا اس لئے اس کا دعویٰ بھی کمزور ہو گیا تھا۔ دراصل وہ رچرڈ کے پاس اس لئے آیا تھا کہ فلپ کی شکایت کرے کہ وہ اس کے رقیب Conrad کا ساتھ دے رہا ہے۔ یہ مفلس بادشاہ محض رچرڈ کی حمایت کا خواہاں تھا۔ رچرڈ نے اس کے ساتھ شاہانہ برتاؤ کیا اور اسے دو ہزار سکۂ نقرئی اور بیس قیمتی پیالیاں جن میں دو خالص سونے کی تھیں، تحفۂ پیش کئے۔ جواباً گوئی نے رچرڈ کو اپنا سردار تسلیم کیا اور اس سے وفاداری کا عہد کیا۔ اس سے صلیبی طاقتوں میں مزید رخنہ پیدا ہو گیا۔ پہلے ہی سے Hospitalers اور Tamplars دوسری اور تیسری نسل کے عیسائی گوئی اور طرابلس (Tripoli) کا حاکم Raymond، انگریز اور فرانسیسی اور رچرڈ اور فلپ کے درمیان رقابتیں چل رہی تھیں، اب یہ رچرڈ گوئی اور فلپ و Conrad کا ایک اور محاذ بن گیا۔ ارض مقدس کی جنگ آزادی کا یہ کوئی معقول طریقہ نہیں تھا۔ غالباً صلاح الدین بہت خوش ہوا ہوگا۔

شادی کے ایک ہی دن بعد Isaac نہایت عاجزی سے صلح کرنے حاضر ہوا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر رچرڈ نے بڑی شان سے خود نمائشی کی۔ اس نے بہترین پوشاک زیب تن کی اور اپنے قد آور ہسپانوی گھوڑے پر سوار ہوا، اس کے گھوڑے کی زین سونے کے کام سے چمک رہی تھی اور گھوڑے پر ایک شال ڈالی گئی تھی جس پر دو طلائی شیر بغل گیر ہوتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ اس کی پٹی سے ایک زبردست تلوار آویزاں تھی جس کا دستہ خالص سونے کا تھا۔ اس کے سر پر گہرے سرخ

رنگ کی ٹوپی تھی جس پر انواع اوقسام کے چرند و پرند بنے ہوئے تھے اور اس کے ہاتھ میں شاہی عصاء تھا۔ المختصر وہ نہایت کروفر کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ Isaac نے رچرڈ کے قدموں پر گر کر دائمی وفاداری کا عہد کیا اور بڑی عاجزی سے پانچ سو پیدل اور سو سوار پیش کئے اور قبرص کے تمام قلعے صلیبی لشکروں کی مورچہ بندی اور آرام کے استعمال کے لئے پیش کئے۔ جہازوں کی لوٹ مار کے بدلے میں اس نے بیس ہزار طلائی سکے پیش کئے، نیز یہ کہ اس نے اپنی اکلوتی بیٹی کہ جو اس کی ولی عہد بھی تھی، رچرڈ کو یرغمال کے طور پر پیش کی۔ رچرڈ نے اپنے مشیروں سے پوچھا: ''آپ حضرات میرے دست راست ہیں کیا اس صلح میں ہماری توہین ہے؟ اگر آپ کو یہ صلح پسند ہو تو کی جائے گی۔ ورنہ نہیں۔'' انہوں نے جواب دیا: ''اعلیٰ حضرت ہماری رائے میں یہ صلح اچھی ہے اور اس میں ہماری عزت ہے۔'' لہٰذا باہمی بوسہ دے کو صلح نامہ قرار پا گیا۔ اور رچرڈ مطمئن ہو کر Limmassol واپس ہوا۔ اس نے Isaac کا شاہی خیمہ واپس کرایا جو اس جگہ نصب کیا گیا جہاں صلح ہوئی تھی۔ اسی رات قبرص کے سازشی ماحول کے مطابق ایک سردار Isaac کے پاس آیا اور کہا کہ ''یہ سب انگریز بادشاہ کی ایک چال ہے، وہ تو آپ کو قید کر کے پھر زنجیروں میں جکڑنا چاہتا ہے۔'' ''زنجیروں میں؟'' Isaac تو ان کے نام سے ہی لرز گیا، اسے اپنی قید کے زمانہ میں زنجیروں سے زیادہ کسی اور بات کا خوف نہیں تھا۔ دراصل یہ سردار فلپ کا ایک ہمدرد تھا۔ حالانکہ فلپ نے اسے یہ حکم نہیں دیا تھا مگر پھر بھی وہ یہ چاہتا تھا کہ رچرڈ یہاں جنگ و جدل میں ایسا پھنسے کہ اسے ارض مقدس پہنچنے میں اتنی دیر لگے کہ جب تک فلپ وہاں تنہا ہی فتح یاب ہو جائے اور ساری کامیابی کا سہرا اسی کے سر بندھے۔ یہ ہیبت ناک خبر پاتے ہی Isaac پہرہ دار کی نظر بچا کر خیمہ سے باہر آیا اور اپنے اسپ تازی پر سوار ہو کر Famagusta کی طرف فرار ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے رچرڈ کو اپنے فیصلہ کے تبدیل ہونے کی اطلاع دی اور اس بیرونی حملہ آور کو اپنے جزیرہ سے نکال پھینکنے کی قسم کھائی۔ غالباً رچرڈ اس پر خوش ہی ہوا ہو گا چونکہ اسے اب سارے جزیرہ پر قبضہ کرنے اور لوٹ مار کا موقع ہاتھ آ گیا۔ یہ جزیرہ اپنے محل وقوع اور زرخیزی کی وجہ سے اس مہم

کے لئے ہیڈکوارٹر بنانے کے لئے بہت موزوں تھا۔ یہاں فوج آرام بھی کر سکتی تھی اور رسد کا معقول انتظام بھی کیا جاسکتا تھا۔ افسوس یہ بیچارہ ملک پھر لوٹ مار کا شکار بنے گا۔ یہ صدیوں سے کسی نہ کسی حملہ آور کا نشانہ بنتا رہا ہے۔ رچرڈ بھی Isaac سے بہتر ثابت نہ ہوگا۔ گویا قدرت نے کتوں کو بھگا کر بھیڑیوں کو آباد کردیا۔ رچرڈ کا فوری مسئلہ Isaac کو پکڑنا تھا۔ اس نے فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ تو اس نے جانب مغرب Kyrenia روانہ کر کے انہیں حکم دیا کہ وہ راستہ کو دشمن کے جہازوں سے صاف کریں۔ اور دوسرا خود لے کر Ayia Napa ہوتا ہوا Famagusta کی طرف بڑھا۔ اس کے ساتھ اس نے گوئی کو بری فوج کی کمان دی اور اسے خشکی کے راستہ سے Famagusta پہنچنے کی ہدایت کی۔ چار سال پہلے صلاح الدین نے Acre فتح کیا تھا۔ جب سے قبرص کے مشرقی ساحل پر Famagusta بہت اہم بندرگاہ بن گیا تھا۔ اس کے حصار بند قلعہ کا رخ سمندر کی جانب تھا۔ اس قلعہ کے مینار صدیوں سے " Othelo کے مینار" کہے جاتے تھے۔ اس کی تنگ گلیاں تین براعظموں کے مال اور تاجروں سے بھری رہتی تھیں۔ اسی لئے Isaac نے اس پُر ہنگامہ شہر میں پناہ لی تھی۔ لیکن وہاں اسے اتنی جلد رچرڈ کے جہاز نظر آئے کہ اس پر دہشت طاری ہوگئی۔ اور وہ وہاں سے فرار ہو کر قبرص کے وسیع میدان Mesaoria پہنچا جہاں تا حد نظر لہلہاتی سبز گھاس کا ایک سمندر موجزن نظر آتا تھا جس پر جا بجا زیتون کے درخت تھے اور جہاں شیر تک پائے جاتے تھے۔ اس میدان کے پیچھے شمالی Kyrenia کی پہاڑیاں تھیں جن کی چوٹیوں پر Isaac کے تین زبردست قلعے تھے۔ رچرڈ نے Mesaoria میں داخل ہونے سے پہلے Famagusta کا جائزہ لیا۔ وہاں اس سے ملنے کے لئے Acre سے سفیر آچکے تھے۔ فلپ نے Beauvais کے پادری اعلیٰ اور ایک بلند مرتبہ افسر کو بھیجا تھا کہ وہ رچرڈ کے ارض مقدس پہنچنے میں تاخیر کا سبب معلوم کریں۔ فلپ نے وہاں محاصرہ کا سارا انتظام مکمل کر لیا تھا اور اب وہ وہاں رچرڈ کے انتظار میں فضول وقت گزار رہا تھا۔ ان کے مذاکرات کسی قدر ناخوشگوار رہے۔ سفیروں نے رچرڈ پر سستی اور غیر سنجیدگی کا الزام

لگایا۔ ان کا کہنا تھا کہ غالباً بادشاہ اپنا نصب العین فراموش کر چکا ہے ورنہ قبرص کا صلیبی جہاد سے کیا تعلق؟ بقول کسی کے: ''اس مجلس میں ایسے الفاظ استعمال کیے گئے جو لکھنے کے قابل نہیں۔'' رچرڈ نے غصہ پر قابو پانے کی انتہائی کوشش کی لیکن پھر بھی قبرص کے اس نابنجار حاکم کو سزا دیے بغیر نہیں جا سکتا تھا، علاوہ ازیں وہ اس کے شاندار گھوڑے پر بھی قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ اسی دوران Nicosia میں Isaac اتنی فوج جمع کر رہا تھا جو ممکن تھی۔ یہ بڑا مشکل کام تھا چونکہ اس کے بہت سے سپاہی رچرڈ سے جا ملے تھے۔ خود اس کے محافظ دستہ کے لوگ اس سے بغاوت کر رہے تھے۔ ایک رات کھانے کی میز پر ایک افسر نے اسے مشورہ دیا: ''عالی جناب میری رائے تو یہ ہے کہ اس سے قبل کہ سارا ملک تباہ ہو انگلستان کے بادشاہ سے صلح کر لی جائے۔'' جواباً Isaac نے وہ چھری جس سے وہ رکابی پر گوشت کاٹ رہا تھا ہاتھ بڑھا کر اس افسر کی ناک پر پھیر دی۔ بالآخر وہ سات سو سپاہیوں کے ساتھ میدان جنگ میں آیا۔ اس مقام کا نام Tremathouse ہے۔ ایک مختصر سی دست بدست جھڑپ ہوئی مگر یہ کوئی برابر کا مقابلہ نہیں تھا۔ آخر میں Isaac نے رچرڈ پر ایک زہر آلود تیر سے وار کیا مگر نشانہ خطا ہوا اور وہ مڑ کر بھاگ گیا۔ وہ نہایت تیزی سے اپنے سبک رفتار گھوڑے پر اپنے پہاڑی قلعہ Buffauento میں قلعہ بند ہو گیا۔ یہ قلعہ بہت بلند پہاڑی پر تعمیر کیا گیا تھا جو بلندی میں وہاں کی دوسرے نمبر کی چوٹی تھی۔ اس کی فصیلیں بادلوں میں ڈھکی رہتی تھیں۔ وہاں بیٹھ کر جب وہ اپنی قسمت پر غور کر رہا تھا تو اسے نیچے کا منظر بہت دلکش معلوم ہوا۔ جب بادل ذرا چھٹے تو وہ Mesaoria کے میدان سے نکوشیا (Nicosia) تک دیکھ سکتا تھا۔ اب یہ علاقہ رچرڈ کے قبضہ میں تھا جس کی فوج اب اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔ شمال کی جانب وہ بحر روم کا آسمانی سمندر اور Kyrenia کی چھوٹی سی بندرگاہ دیکھ سکتا تھا۔ وہاں اس کا بہترین قلعہ تھا۔ رچرڈ کی کشتیوں نے اس کا محاصرہ کر لیا تھا اور اب اس کی حفاظتی زنجیر بے معنی ہو گئی تھی۔ اس قلعہ میں اس کی بیٹی محصور تھی۔ Guy کے لشکر نے اسے گھیرا ہوا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ اب مدافعت فضول ہے تو اس نے ہتھیار ڈال دیئے اور Guy کے قدموں پر گر گئی۔ اس سے بادشاہ Guy

کو اس پر ترس آ گیا جس کی یہ وجہ بھی ہو کہ وہ نہایت حسین عورت تھی۔ بہر حال Guy نے اسے Limmassol روانہ کیا تا کہ وہ وہاں ملکہ Berengaria کی کنیزوں میں شامل ہو۔ Kyrenia کے قلعہ فتح کرنے کے بعد Guy نے اوپر کے قلعوں کی طرف توجہ کی۔ جب Isaac نے یہ دیکھا کہ تمام افواج اس کے Buffauento کے قلعہ کو گھیر رہی ہیں تو وہ وہاں سے بھاگ کر Diudamour کے قلعہ میں پہنچا۔ اس کے سپاہیوں نے جب یہ دیکھا کہ رچرڈ کی فوج پیچھا کر رہی ہے تو وہ سر پر پاؤں رکھ کر ایسے بھاگے جیسے نشہ میں ہوں۔ یہ دیکھ کر شہنشاہ Isaac انہیں چھوڑ کر مشرق کی طرف پہاڑی چوٹیوں پر ہوتا ہوا اپنے زبردست قلعہ Kantara کو بھاگا۔ اس قلعہ میں سو کمرے تھے۔ آخر کار اسے Karrpas کے علاقہ میں گھیر لیا گیا۔ یہ وہ تاریخی مقام ہے جہاں St Andrea نے قبرص کی زمین پر سب سے پہلے قدم رکھا تھا۔ جہاں ان کی خانقاہ موجود ہے۔ رچرڈ نے بڑی حرص سے Isaac کے گھوڑے پر قبضہ کیا اور اس کا نام Fauvel رکھا جو یونانی لفظ Fulvus کی بگڑی ہوئی شکل ہے جس کے معنی زرد ہیں۔ یہ نام اس اسپ تازی کے رنگ کی مناسبت سے دیا گیا۔ قبرص کا شہنشاہ انگریز بادشاہ کے قدموں میں گر گیا اور اس نے رو رو کر التجا کی کہ اسے آہنی زنجیریں نہ پہنائی جائیں۔ چنانچہ رچرڈ نے حکم دیا کہ اسے چاندی کی زنجیریں پہنائی جائیں۔ اس کے بعد اس کو Hospitaler کے تاریک قلعہ Margat بھیج دیا گیا۔

یہ Isaac Comnenus بائی زن ٹائن سلسلہ کا قبرص میں آخری حاکم تھا۔ اس مداخلتِ بے جا کے دور ہونے کے بعد رچرڈ نے اپنے خاص مقصد کی طرف توجہ کی۔ ارض مقدس اسے اشارہ کر رہی تھی اور اس کی مدد کی محتاج تھی۔ Acre اس کا ایک مصیبت زدہ شہر تھا جو اس کی اولین منزل مقصود اور نصب العین تھا۔ ایک مورخ اس بارے میں یوں لکھتا ہے: ''اگر دس سالہ جنگ نے Troy کو مشہور کیا اور اگر صلیبی افواج نے Antioch کو عزت بخشی تو Acre یقیناً دائمی شہرت پائے گا۔'' Acre ارض مقدس کا دروازہ تھا۔ اس کے نام سے ہی عیسائیوں کے دل

مچل جاتے تھے۔

Acre ایک ایسا شہر تھا جسے تقدس اور معصیت کا مجموعہ کہا جا سکتا ہے۔ اس کے روٴساء اور عمائدین اپنے شاندار محلوں میں عیش اُڑایا کرتے تھے جبکہ وہاں کا پادری اعلیٰ ان کی بدچلنی اور مظالم پر اعتراضات کیا کرتا تھا۔ قتل و غارت گری کی وارداتیں عام تھیں جہاں رئیس خواتین اپنے شوہروں کو زہر دے کر ہلاک کرنے میں طاق تھیں۔ شہر میں بکثرت چکلے تھے جن کے مالک عموماً پادری حضرات ہوا کرتے تھے جو رنڈیوں کو کرائے پر دینا پسند کرتے تھے کیونکہ وہ زیادہ کرایہ دیتی تھیں۔ مسلمان سیاح بتاتے تھے کہ وہاں مسلمان عورتوں کو زنجیروں میں جکڑ کر رکھا جاتا تھا۔ ان کی رائے میں یورپ کی تمام عورتیں رنڈیاں ہی تھیں جو گاہکوں کی خاطر ہر ذلت کو برداشت کرتی تھیں اور زناکاری کو پیشہ بناتی تھیں۔ مسلمان ہر طرف سوروں اور صلیبیوں کو دیکھ کر سخت متنفر تھے اور انہیں یہ دیکھ کر بڑا صدمہ ہوتا تھا کہ شہر کی مساجد کو گرجا گھر بنالیا گیا تھا اور ان کے میناروں پر چرچ کے گھنٹے آویزاں کر دیئے گئے تھے۔ مسلمانوں کے لئے اب صرف جامع مسجد کی ایک محراب ہی بچ گئی تھی باقی ساری مسجد کو بھی چرچ بنا کر اسے St John کا چرچ کہا جاتا تھا۔ ان تمام باتوں کے باوجود Acre ایک خوش گوار شہر تھا۔ اس کی English Street خاص طور پر مشہور تھی جہاں مفلس زائرین کے قیام اور علاج کے لئے Thomes Becket کے نام پر ایک شفاخانہ بنایا گیا تھا جس کا انتظام Hospitalers کے ہاتھ میں تھا۔ تمام مشرقِ وسطیٰ میں یہ ہسپتال سب سے زیادہ شاندار تھا۔ گویا یہ ایک مکمل زمین دوز شہر تھا جس میں غریبوں اور مفلس بیماروں کی تیمارداری اور دیکھ بھال کا پورا انتظام تھا۔ شہر کے شمالی دروازہ کے مقابل میدان تھا جہاں فصیل سمندر میں ملتی تھی جہاں Templars نے ایک زبردست مورچہ قائم کیا تھا اور یہاں سے ہی پہاڑی علاقہ سے گزر کر یروشلم جانے کے لئے محافظتی دستہ کا انتظام کیا جاتا تھا۔ شہر ایک مثلث سپر کی طرح تھا جس کے دو طرف سمندر تھا اور مشرق میں میدان کی طرف ایک دوہری فصیل تھی جسے مختلف خندقوں اور خاردار تاروں سے محفوظ کیا گیا تھا اور جس پر قریب قریب بہت سے مینار تعمیر

کیئے گئے تھے۔ Tyre کی طرح یہاں کی بندرگاہ بھی آہنی زنجیروں سے محفوظ کی گئی تھی۔اس کے دہانہ پر ایک سنگین مینار تھا جو ''مینار مگس'' کے نام سے مشہور تھا۔ کہا جاتا ہے کہ قدیم زمانہ میں یہاں انسانوں کی قربانی کی جاتی تھی جن کے خون کی وجہ سے یہاں لاتعداد مکھیاں ہوتی تھیں۔شہر کی چھتوں سے عموماً بندرگاہ اوراس سے باہر کوئی ۸۰ جہاز دکھائی دیتے تھے۔ان جہازوں کے مستولوں اور بادبانوں کو دیکھ کر مسلمانوں کو قرآن مجید یاد آ جاتا تھا: ''ایسے بلند جہاز جیسے پہاڑ۔ پھر تم کب تک اپنے رب کی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' بے شک یہ عظیم انسان تخلیق محض اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہی ممکن ہے۔ ۱۱۸۷ء میں جب صلاح الدین نے Acre فتح کیا تو پہلے تو اس نے شہر کی جامع مسجد کو اس کی گزشتہ شان وشوکت کے مطابق درست کرایا۔ پھر صالح علیہ السلام کے مقبرے کی مرمت کرائی۔اس کے بعد فوراً ہی اس نے شہر کے دفاعی انتظام پر توجہ دی۔سب سے زیادہ اندیشہ ناک فصیل کے شگاف تھے۔ بالخصوص اس کا شمالی حصہ جہاں دیوار چٹان سے ملتی تھی جہاں ایک بلند مینار تھا جسے عیسائی ''لعنت زدہ مینار'' کہتے تھے چونکہ روایات کے مطابق یہاں ایک ٹکسال تھی جس میں نقرئی سکے ڈھالے جاتے تھے جن میں سے Judas کو حضرت عیسیٰ کے خلاف گواہی دینے کے انعام میں رومیوں نے چالیس دینار دیئے تھے۔اُدھر بالآخر عیسائی افواج قبرص سے اپنی منزل مقصود کی جانب جہازوں پر سوار ہوئیں،ان کا نصب العین یہی تھا کہ وہ ارض مقدس کو کفار سے آزاد کرائیں۔اسی مقصد کے لئے انہوں نے اپنے مال ودولت،عزت وآبرواور زندگیوں کی بازی لگادی تھی۔کوچ کے موقع پر جنگی باجے، بگل اور ناقوسوں نے کافی شور وغل مچایا اور مذہبی ترانوں سے فضا گونج اُٹھی: ''ہم نے معصیت ترک کر کے تقویٰ اختیار کیا ہے۔ ہمارے آقا کو ہماری ضرورت ہے۔اس نے ہمیں پکارا ہے جسے کوئی شریف انسان نظرانداز نہیں کر سکتا۔ آقا نے ہماری خاطر صلیب پر چڑھنے کی صعوبت وتوہین برداشت کی اور ہمیں نجات دلائی۔اب ہم پر اس کا حق ہے۔'' لیکن ان جوشیلے ترانوں سے خوشی کم اور خوف وہراس کے آثار زیادہ نمایاں تھے۔ صلیبی مجاہدین میں سے کم ہی اس خطرناک سرزمین سے صحیح سلامت واپس ہو سکے تھے۔ یہ وہ

علاقہ تھا جہاں عیار و ظالم عرب آباد تھے اور جو ہر طرح کے خطرات سے بھرپور تھا۔ ایک اور گیت کچھ اس طرح تھا: ''میں تو محض اپنے دل کو تسکین دینے کے لئے گانے گا رہا ہوں۔ اس جوش کے باوجود میں مرنا یا پاگل ہونا نہیں چاہتا۔ یا خدا جب جنگ کا نعرہ بلند ہو تو اس مجاہد کی خیر کر، میں تو ابھی سے لرز رہا ہوں۔'' تاہم عیسائی فوج کا پہلا مقصد Acre کو آزاد کرانا تھا۔ لاطینی سلطنت کے خوش نصیب دور میں یہ فلسطین کی بہت اہم بندرگاہ تھی۔ روایات کے مطابق یورپ سے آنے والے زائرین سب سے پہلے یہیں اُترتے تھے۔ گویا یہ بحر روم کا بڑا بازار تھا اس سے آٹھ میل دور جنوب میں Haifa تھا۔ ان دونوں شہروں کے درمیان ریگستانی ٹیلوں کا ساحل تھا جہاں وہ ملائم ریت پائی جاتی تھی جسے ایران کے سنار اور دیگر دستکار بہت پسند کرتے تھے۔ Acre سے ہی معتقدین نہ صرف یروشلم بلکہ Nazareth اور Galilee تک کا بری سفر کیا کرتے تھے بلکہ بعض تو Lady of Sednayia کے مزار تک جاتے تھے۔ یہ راستہ بہت خطرناک تھا کیونکہ یہ کفار کے شہر دمشق سے صرف ۲۵ میل دور تھا۔ اس لئے ان کے ہمراہ Templars کا ایک طاقتور دستہ کیا جاتا تھا۔ لیکن اس کا ثواب بھی بہت تھا۔ کہتے ہیں اس قدر مقدس مقام کی بنیاد Justinian 1 نے ۵۴۷ء میں رکھی تھی۔ بائیزن ٹائن کا یہ شہنشاہ اس وقت وہاں کے ایرانی حاکموں سے جنگ کر رہا تھا۔ ایک دن دل بہلانے کے لئے بجائے جنگ کے وہ شکار کو نکلا۔ اس کی نظر ایک ہرن پر پڑی جس کا اس نے پیچھا کیا۔ آخر ہرن بھاگتے بھاگتے تھک گیا اور ایک جھیل کے پہلو میں ایک چٹان کے پاس کھڑا ہو کر ہانپنے لگا۔ شہنشاہ کمان سے تیر کھینچ کر اسے نشانہ بنانا ہی چاہتا تھا کہ دفعتہً وہ ہرن مریم مقدس کی تصویر بن گیا جس میں سے ایک سفید ہاتھ نے نکل کر اسے روکا اور کہا: ''تو مجھے نہیں مارے گا۔ بلکہ تو میرے لئے اس پہاڑی پر ایک چرچ تعمیر کرائے گا۔'' شہنشاہ نے اس حکم کی تعمیل کی اور یہ ایک خانقاہ بن گئی جس کے مینار و گنبد اس ریگستانی علاقہ میں دور دور تک نظر آنے لگے۔ اس خانقاہ میں مریم مقدس کی ایک تصویر تھی جو درویش اعظم Luke نے بنائی تھی۔ کہتے ہیں کہ یہ ولی اللہ غیر فطری قوتوں کا حامل تھا۔ روایات کے مطابق اس تصویر میں

گردن سے پیٹ تک گوشت پوست پیدا ہوگیا اور اس کے سینہ سے ایک خوشبودار روغن ٹپکنے لگا جو ہر مرض کی دوا تھا۔ ۱۱۸۷ء میں صلاح الدین کی Acre کی فتح سے قبل بیماروں اور معذوروں کے قافلے Templars کی زیرِ حفاظت وہاں آتے تھے۔ خاص طور پر یہ اجتماع اگست اور ستمبر میں دوشیزہ مریم کے تہوار کے موقع پر ہوتا تھا جبکہ بے شمار معتقد صرف چند روغن کے قطروں کی خاطر دشوار گزار پہاڑیوں اور تپتے ہوئے ریگستان کا خطرناک سفر برداشت کرتے تھے۔ خیال ہے کہ اس عہد میں Acre قسطنطنیہ کے برابر اہم اور دولتمند شہر تھا۔ اس دور میں یہ مختلف قوموں اور مذاہب کا مجموعہ تھا۔ جہاں وینس اور مارسے کے تاجر شمالی افریقہ اور یمن کے تاجروں سے ملتے تھے اور جہاں موصل اور آرمینہ کے یہودی اور عیسائی بغداد کے اماموں کے دوش بدوش ہوتے تھے۔ لیکن جہاں Masyaf اور الکہف کے قاتل بھی پوشیدہ تھے۔ Acre کی شاہراہ شہر کی فصیل سے بندرگاہ تک پہنچتی تھی جو ہمہ وقت انسانی شور وغل اور کثافت ونجاست سے معمور رہتی تھی۔

۱۱۸۹ء میں جب یروشلم کا سابق بادشاہ گوئی Acre پہنچا تو اس نے شہر کے مشرقی دروازہ سے ایک میل دور ایک ۹۰ فٹ اونچی پہاڑی پر مورچہ قائم کیا۔ انہوں نے اس کا نام Tell el Mosaffiyin (یا جبل مومنین) رکھا۔ یہاں سے نکل کر عیسائی فوج کے انجینئروں نے فصیل شکن آلات کو قائم کیا۔ انہوں نے حفاظتی طور پر اپنے اردگرد خندقیں کھودیں تاکہ دشمن ناگہانی طور پر حملہ نہ کر سکے۔ اسی دوران میں صلاح الدین جنوب مشرق میں Nazareth کے قدیم راستہ سے آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھا۔ پہلے تو اس نے Aiyadida کی پہاڑی پر مورچہ بنایا لیکن پھر وہاں سے پیچھے ہٹ کر ایک زیادہ بلند پہاڑی پر مستقل پڑاؤ ڈالا۔ اس پہاڑ کا نام جبل الخروبہ Jabal el Kharuba تھا۔ اس ۲۵۰ فٹ اونچے مقام سے وہ پورے میدان جنگ پر نظر رکھ سکتا تھا۔ پھر اس نے بتدریج اپنے دستوں کو Tell Keisan el Aiyadida Tell Khurdana کی پہاڑیوں پر تعینات کیا۱۱۹۱ء کی ابتداء سے مخالفین نے ایک دوسرے کو گھیرے میں لینا شروع کیا۔ Acre تو ہر طرف سے پھنس چکا تھا اور اب اس کا دم

آہستہ آہستہ گھٹ رہا تھا۔ کامیاب بحری محاصرہ کے ساتھ عیسائیوں نے دومیل تک ہر طرف سے شہر کا داخلہ بند کردیا تھا۔ لیکن صلاح الدین نے تین میل دور تک تمام پہاڑی مورچوں سے انہیں گھیرے میں لے لیا تھا۔ عیسائی لشکر دو جاڑوں سے Acre کا محاصرہ کئے ہوئے تھا اور اب رسد نہ ملنے کی وجہ سے انہیں بھی بڑی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ خوراک کی قلت کی بدولت بہت سے گھوڑے ذبح کرنا پڑے تھے جن کی کمی پوری نہیں کی جاسکتی تھی۔ گویا ایک زندہ گھوڑے سے مردہ گھوڑا زیادہ عزیز ہوگیا تھا۔ یہ حال دیکھ کر ایک پادری نے کہا: ''جہاں گوشت ہوگا وہیں عقاب پہنچیں گے۔'' (Luke: 17-37) منافع خوری بے پناہ ہوگئی تھی۔ ایک انڈے یا ۱۳ مچھلیوں کی قیمت ایک چاندی کی Penny تھی۔ غلہ کی ایک بوری ۱۰۰ طلائی سکوں میں مل سکتی تھی۔ گندم جس کی قیمت جنگ سے پہلے نیم طلائی دینار تھی اب ۶۰ دینار ہوگئی تھی۔ ان قیمتوں میں عام سپاہی تو صرف گھاس ہی کھا سکتے تھے۔ اپنے محصور ہم وطنوں سے رابطہ قائم رکھنے کے لئے صلاح الدین نے کبوتروں اور تیراکوں سے کام لیا۔ ایک مسلمان سپاہی نے پیغام رسانی کے لئے کچھ کبوتروں کو تربیت دی۔ اس نے سلطان کے خیمہ کے برابر ہی ایک بڑا کبوتر خانہ بنوایا۔ یہ پرندے اپنی خدمات کی بدولت ہیرو بن گئے۔ ایک مورّخ لکھتا ہے: ''ان پرندوں نے راز افشاء نہ ہونے دیئے۔ انہوں نے خبر رسانی برقرار رکھی اور ایک معزز ترین سردار کی طرح برتاؤ کیا۔ انہوں نے خطرات کا مقابلہ کیا اور کبھی خطا کاری نہ کی اور وہ انمول تھے۔'' لیکن اس سے بھی زیادہ دلیری ان تیراکوں نے دکھائی جو سمندری خطرات اور دشمن کی کڑی نگہداشت کے باوجود شہر کے مدافعین کو تنخواہیں دیئے جاتے تھے۔ ان سب میں ایک غیر معمولی بہادر تیراک مشہور ہے جس کا نام آئسہ کہا جاتا ہے۔ وہ کمر سے چمڑے کی پیٹی میں تنخواہیں باندھ کر اکثر عیسائیوں کی جنگی کشتیوں کے نیچے سے تیر کر شہر پہنچتا تھا۔ وہاں جا کر وہ ایک کبوتر اُڑاتا تھا جو اس کے وہاں بخیریت پہنچنے کی علامت تھی۔ ایک دفعہ اس کے روانہ ہونے کے بعد کبوتر نہیں دیکھا گیا جس سے لوگ سمجھ گئے کہ وہ حادثہ کا شکار ہوگیا۔ کچھ دن بعد شہر کی بندرگاہ سے اس کی لاش برآمد ہوئی جس کی پیٹی میں ہنوز

تنخواہیں موجود تھیں جو فوراً لوگوں میں تقسیم کردی گئیں۔ ایک مورخ لکھتا ہے: ''کبھی یہ نہیں سنا گیا کہ ایک مردہ نے پیغام پہنچایا ہو بلکہ اس کے ذریعہ سپاہیوں کو تنخواہیں ملی ہوں۔'' حالانکہ یہ تیراک اور کبوتر مسلمانوں کی بہت ہمت افزائی کرتے تھے لیکن اب دوسرے موسم سرما میں سلطان کو شہر سے بہت دل شکن خبریں مل رہی تھیں۔ رفتہ رفتہ اہل شہر ہمتیں ہار رہے تھے۔ خود صلاح الدین کو بھی محاصرہ توڑنے میں ناامیدی ہو رہی تھی کیونکہ روز بروز یورپ سے عیسائیوں کے تازہ لشکر آرہے تھے۔

ڈنمارک، سیکسن اور ہالینڈ کے ہراول دستوں کے بعد Champagne (شمپین) کا سردار ہنری (Henry) بھی وہاں پہنچ گیا تھا۔ یہ Eleanor کی اس بیٹی کا لڑکا تھا جس کی پہلی شادی فرانس کے بادشاہ سے ہوئی تھی۔ یہ ایک شان و شوکت کا نوجوان تھا جس کی رگوں میں فرانس اور انگلستان کے بادشاہوں کا خون تھا۔ اس کی آمد سے عیسائیوں کی بہت ہمتیں بڑھ گئیں اور ساری فوج کی کمان اسے دے دی گئی۔ اب تک یورپ کے ہر ملک کی فوجیں جداگانہ طور پر شہر کی فصیل پر حملے کرتی تھیں لیکن بالآخر انہیں ایک اہل سپہ سالار مل گیا۔ اس کے ساتھ یہ بھی بڑی خوشی کی بات تھی کہ وہ اپنے ہمراہ دس ہزار سپاہی اور بہت سے نام ور سردار لایا تھا جن میں Archbishop of Cantrer Bury (انگلستان کا پادری اعلیٰ) بھی تھا۔ لیکن وہ چند مہینوں ہی میں فوت ہوگیا۔ کہا جاتا ہے کہ اسے اہل لشکر کی شراب خواری، قمار بازی زنا کاری اور بہت سی دوسری گندی حرکات کو دیکھ کر ایسا صدمہ ہوا کہ اس کا دل ٹوٹ گیا اور وہ جان بحق ہوگیا۔ ہنری اپنے ساتھ ایک طاقتور بحری بیڑہ بھی لایا تھا جس سے شہر کا محاصرہ اور بھی مضبوط ہوگیا اور عیسائی فوج کو رسد کی بھی آسانی ہوگئی۔ اب شہر پر رات و دن سنگ باری کی گئی۔ محاصرہ کے اس دوسرے سال میں بھی مسلمان وقتاً فوقتاً غیر معمولی شجاعت دکھاتے تھے۔ وہ کبھی کبھار رات کو نکل کر دشمن پر شب خون مارتے تھے اور محاصرہ کی مشینوں کو آگ لگا دیتے تھے۔ ان میں ایک واقعہ بہت مشہور ہے۔ کہتے ہیں کہ بیروت سے ایک بڑا جہاز ہر طرح کی اشیاء خوردنی لے کر وہاں پہنچا۔ اس مہم کے

لئے کچھ جری مسلمانوں نے داڑھیاں منڈھوا کر عیسائیوں کے کپڑے پہنے اور گلوں میں صلیبیں ڈالیں۔ مزید یہ کہ جہاز پر کھلے عام کچھ سور بھی کودتے پھرتے نظر آئے۔ ان کے قریب سے جب عیسائی فوج کا ایک جہاز گزرا تو اس کے کپتان نے آواز دے کر پوچھا: ''کیا تم لوگ شہر تو نہیں جا رہے ہو؟'' جواباً انہوں نے کہا: ''ہاں۔ لیکن کیا تمہارا یہ کہنا ہے کہ شہر ابھی فتح نہیں ہوا ہے؟'' کپتان نے کہا کہ ہاں شہر ہنوز مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ ایسی صورت میں تو ہم اپنی فوج کی طرف چلے جاتے ہیں مگر ہمارے پیچھے ایک اور جہاز آ رہا ہے تم ذرا انہیں بھی خبردار کردو۔ عیسائی کپتان کو ان پر یقین آ گیا کیونکہ پیچھے اُفق پر واقعی ایک اور جہاز نمودار ہو رہا تھا، اور وہ اس کی طوف بڑھے۔ موقع سے فائدہ اٹھا کر یہ لوگ جھپٹ کر بندرگاہ میں داخل ہو گئے جہاں بھوکے اہل شہر نے ان کا دل سے خیر مقدم کیا۔ اس کے کچھ ہی دن بعد اور غالباً اس واقعہ سے شرمندہ ہو کر عیسائیوں نے ''مینار مگس'' پر ہی حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا یہ مینار بندرگاہ کے عین دہانہ پر تھا جس کی وہاں موجودگی مدافعین کے پختہ ارادہ کی علامت تھی۔ اگر اسے ڈھا دیا جائے تو اس کا ان پر بہت برا اثر ہوگا۔ یہ مہم Pisan کے ملاحوں کے سپرد کی گئی جو بحری جنگ میں سب سے زیادہ تجربہ کار اور بہادر مانے جاتے تھے۔ اٹلی کے ان چالاک ملاحوں نے اس مقصد کے لئے ایک کشتی پر ایک چوبی محل قائم کیا جسے انہوں نے ہر طرف سے کھالوں سے ڈھک کر خوب تر کیا۔ ان کی اسکیم تھی کہ اس کشتی کو مینار کے برابر کر کے اس محل میں آگ لگا کر اسے مینار کی کھڑکیوں سے اندر پھینک دیا جائے۔ ساتھ ہی اس کے پیچھے ایک بڑا جہاز آتشیں مادوں سے بھر کر آگ لگا کر بندرگاہ میں تعینات دشمن کے جہازوں سے ٹکرا دیا جائے۔ ان دونوں کے پیچھے ایک اور جہاز اور کچھ جنگجو سوار کئے جو جہاز کے کنارے پر پہنچتے ہی پتھروں پر کود کر کمندوں کے ذریعے فصیل پر چڑھ جائیں۔ اس جہاز پر انہوں نے ایک مضبوط چھجہ بنایا تاکہ وہ دشمن کی سنگ باری سے بچیں۔ یہ منصوبہ جتنا چالاک تھا اتنا ہی برا اس کا نتیجہ نکلا۔ حسب پروگرام مینار پہنچنے پر جہازوں میں آگ لگا دی گئی مگر جب یہ دونوں جہاز مینار کے پاس پہنچے تو دفعتہً ہوا کا رخ بدل گیا۔ پیچھے کے تیسرے

جہاز کے حملہ آوروں نے گھبرا کر کنارے تک پہنچنے کی کوشش کی تو قلعہ والوں نے ان پر "آتش یونان" کی بارش کردی۔ پھر بھی بعض جانباز فصیل تک پہنچ گئے، لیکن جونہی انہوں نے فصیل پر چڑھنے کی کوشش کی مدافعین نے ان پر آتشیں مادہ کی شدید بارش کی، آخر ناچار ہو کر انہیں واپس ہونا پڑا۔ باقی لوگ اس افراتفری کو دیکھ کر قطعاً بدحواس ہو گئے اور آپس میں ہی لڑنا جھگڑنا شروع کردیا۔ آخر وہ سب بغیر کسی خاص مدافعت کے گرفتار ہو گئے۔ قلعہ والوں نے خوب ڈھول اور نقارے پیٹے اور خوشیاں منائیں۔ لامحالہ یہ فتح اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب کی گئی۔ عرب کا ایک مشہور مورخ بہاالدین یوں لکھتا ہے: "یہ واقعات اللہ تعالیٰ کی نشانی تھے۔ یہ اس کی شہادت تھی کہ اس نے اہل ایمان کی مدد کی۔"

تاہم مسلمانوں کے لئے ایسی مسرت کے مواقع کم ہی تھے چونکہ جب بھی ان کا کوئی جہاز عیسائیوں کے مورچہ کو توڑ کر بندرگاہ میں داخل ہو سکا یا انہوں نے عیسائیوں کے کسی جہاز کو نقصان پہنچا کر واپسی پر مجبور کیا تو انہیں دشمن کے مزید جہاز سمندر میں ہتھیار اور سامان رسد لاتے ہوئے نظر آئے۔ ان حالات میں صلاح الدین اپنے لشکر کو پیچھے ہٹانے پر مجبور ہو گیا۔ اس نے محض ایک ہزار سپاہی آگے کے مورچہ پر چھوڑ دیئے تاکہ وہ روز بروز کے حالات کا مشاہدہ کرتے رہیں۔ اس کے پیچھے ہٹ جانے سے عیسائیوں کے محاصرہ کا دائرہ اور بھی وسیع ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ سلطان یہ امید کر رہا تھا کہ اس صورت میں دشمن اس پر حملہ کرنے کی حماقت کرے گا۔ لیکن یہ محض خوش فہمی ہی تھی۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ اب دشمن کی فوج کی کمان زیادہ اہل سرداروں کے ہاتھ میں تھی۔ اسی کش مکش میں دو سال لگ گئے جس کے دوران میں حریفین کے جانبازوں نے انفرادی طور پر بڑی دلیری اور شجاعت کا مظاہرہ کیا لیکن میدان جنگ کی صورتحال میں کوئی فرق نہیں آیا۔ رات کو جب شہر میں اندھیرا ہو جاتا اور ان کے خیموں میں بھی جنگی کارروائیاں بند ہو جاتیں تو عیسائی سپاہی طرح طرح کی داستانوں سے دل بہلاتے تھے۔ اس میں ہم تک جو باتیں پہنچی ہیں وہ عام سپاہیوں کی شیخ چلی جیسی کہانیاں ہیں۔ مثلاً ایک عیسائی سپاہی رفع حاجت میں مصروف ہے کہ ایک

مسلمان اس پر حملہ کر دیتا ہے۔ لیکن عیسائی پھرتی سے ایک پتھر اس کے سر پر مار کر اسے ہلاک کر دیتا ہے۔ یا پھر ایک مسلمان فصیل پر نصب کی ہوئی صلیب پر پیشاب کرنے کی کوشش کرتا ہے مگر ایک تیر اس کے دل میں پیوست کر دیا جاتا ہے۔ ایک اور کہانی ایک ترک اور Wales کے ایک سپاہی کی ہے۔ اس کے مطابق ترک کہتا ہے کہ وہ ایک بہادر قوم کا فرد ہے، بچپن ہی سے اسے تیر اندازی کی مشق کرائی گئی ہے اور وہ اپنے کارناموں کی بدولت مشہور ہے۔ پھر وہ Wales کے سپاہی سے پوچھتا ہے کہ اس کا کیا نام ہے اور وہ کہاں کا رہنے والا ہے؟ Wales والا اپنے قومی کردار کے مطابق اسے بہت مختصر سا جواب دے دیتا ہے۔ ترک کہتا ہے: ''اچھا آؤ تو پھر یہ دیکھیں کہ ہم میں سے کون بہتر تیر انداز ہے۔ پہلے تم کھڑے ہو میں تمہیں نشانہ بناؤں۔ پھر میں کھڑا ہوں اور تم مجھے نشانہ بناؤ۔'' Wales کا باشندہ بہت سیدھا سادہ تھا وہ مان گیا اور اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ ترک نے تیر مارا لیکن اس کا نشانہ خطا ہو گیا۔ Wales کے آدمی نے کہا اب اس کی باری ہے۔ لیکن ترک نے کہا نہیں میں ایک دفعہ اور ماروں گا پھر تم دو دفعہ مجھے مارنا۔ یہ کہہ کر اس نے کمان میں ایک تیر لگایا لیکن اس سے قبل کہ وہ اسے چھوڑتا Wales کے بہادر نے تیر مار کر اس کا دل چھید دیا۔ اس نے کہا کہ تم نے بے ایمانی کی اس لئے اللہ تعالیٰ نے تمہیں سزا دی۔ آج بھی اس کہانی کو سن کر قہقہوں کی آواز سنائی دے رہی ہے۔ مسلمانوں نے بھی اسی طرح کی داستانیں بیان کی ہیں جو زیادہ تر ان کے حاکم کی شجاعت اور دریا دلی کے بارے کہا جاتا ہے کہ ایک بار فرانسیسیوں کی فوج کا ایک دستہ بیروت میں گرفتار کر کے سلطان کی خدمت میں بھیجا گیا۔ ان قیدیوں میں ایک بہت ضعیف شخص بھی تھا۔ سلطان نے اس سے پوچھا کہ وہ وہاں کیا کر رہا تھا۔ اس نے جواب دیا کہ وہ تو صرف ارض مقدس کی زیارت کو جا رہا تھا کہ پکڑا گیا۔ یہ سن کر سلطان کو اس پر رحم آ گیا۔ اس نے اسے ایک گھوڑا دیا اور ایک حفاظتی دستہ اس کے ساتھ کیا تا کہ وہ اس کے علاقہ سے سلامتی سے گزر سکے۔ اس کے بعض نوجوانوں نے یہ درخواست کی کہ کم از کم اس دستہ کے باقی قیدیوں کو تو قتل کر دیا جائے لیکن سلطان نے اس سے بھی انکار کر دیا اور کہا کہ یہ مناسب

نہیں کہ وہ اس نوجوانی میں لوگوں کو قتل کریں اور خوش ہوں۔ اس دوران میں پہاڑی کی چوٹی پر اپنے چوبی شامیانہ میں سلطان فوجی تدابیر میں ہمہ تن مصروف تھا۔ اسے اس اطلاع سے تو بڑا اطمینان ہوا تھا کہ جرمن شہنشاہ باربروسہ ترکی میں ڈوب کر مر گیا تھا اور اس کی ایک لاکھ فوج منتشر ہو چکی تھی لیکن اسے سب سے بڑی فکر یہ تھی کہ اس لشکر میں سے پانچ ہزار آدمی بچ گئے تھے جو آسڑیا کے ڈیوک کی سرکردگی میں آ رہے تھے بلکہ طرابلس تک پہنچ چکے تھے۔ آسڑیا کا یہ سردار بہت اہل کمانڈر تھا۔ صلاح الدین کے سرداروں نے یہ مشورہ دیا کہ ان پر Tyre کے دشوار گزار راستہ میں حملہ کر دیا جائے لیکن اس نے منع کر دیا۔ اس کے سامنے اس سے کہیں زیادہ پیچیدہ مسئلہ تھا۔ اس کے قسطنطنیہ کے مخبروں اور آرمینیہ کے کیتھولک پادریوں نے اسے اطلاع دی تھی کہ وہاں انگلستان اور فرانس کے بادشاہ زبردست فوجوں کے ساتھ پہنچ رہے ہیں۔ سلطان کی ہمت شکنی کے لئے صلیبی فوج کے سرداروں نے بالخصوص انگریزی بادشاہ کے بارے میں طرح طرح کی افواہیں پھیلانا شروع کر دیں۔ ان کا کہنا تھا کہ جب یہ دیوقامت جانباز وہاں آئے گا تو Hebron کے درخت جو حضرت عیسیٰ کی موت سے سب پتے جھاڑ چکے تھے پھر سرسبز ہو جائیں گے اور جب کہ صلاح الدین یروشلم کے سابق نااہل بادشاہ Guy کا محاصرہ ہی نہیں توڑ سکا تو وہ رچرڈ جیسے غیر معمولی سردار کا مقابلہ کیسے کر سکے گا! واقعی حالات بہت خطرناک تھے۔ حسب معمول سلطان نے قرآن مجید ہی میں دل کا سکون تلاش کیا۔ اس کی نظر ان آیات پر پڑی جو جنگ اُحد کے موقع پر نازل ہوئی تھیں: ”دیکھو وہ تم پر اوپر سے اور نیچے سے چھا گئے۔ اس وقت تمہاری آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے اور تم نے اللہ کے بارے میں فضول خیالات کو جگہ دی۔ یہ تو اہل ایمان کی آزمائش تھی، اس وقت وہ خوف سے تھرّا رہے تھے۔“ اس وقت بھی منافقین نے اہل ایمان کو طعنے دیئے تھے اور آج سلطان کے ساتھ بھی کچھ منافق تھے اور اس کے لئے یہ صورتحال بھی جنگ اُحد ہی کی طرح تھی۔ لیکن جس طرح رحمت الٰہی نے اُس دفعہ مسلمانوں کو بچایا تھا آج بھی اسے بچایا جائے گا۔ اس نے ایک بار پھر جہاد کی دعوت دی اور اپنی وسیع سلطنت کے حاکموں

کو دشمن کے تخریبی ارادوں سے بالتفصیل مطلع کیا۔ اس نے لکھا کہ فرنگیوں نے اپنی تمام دولت اور قوت مجموعی طور پر اس مہم پر لگا دی ہے۔ ان کے سب سے زیادہ طاقتور بادشاہ پہنچ رہے ہیں۔ یہ وہ وقت ہے جس کا تمام مومن جن کی رگوں میں خون ہے غفلت چھوڑ کر کا مقابلہ کریں۔ اس نے لکھا:

''جب تک سمندر دشمنوں کو کمک پہنچا رہا ہے اور زمین انہیں باہر نہیں نکال رہی ہے ہمارا وطن پامال ہوتا رہے گا اور ہمارے دل زخمی ہوتے رہیں گے۔ آج اہل ایمان کا جوش اور غیرت کہاں ہے؟''

بالآخر اس کی شنوائی ہوئی اور اسلامی دنیا کے کونے کونے سے مدد آنے لگی۔ اور مسلمان میسو پوٹامیہ، دجلہ و فرات کی وادی، ہند، مصر، بابلی لونیہ تک سے پہنچنے لگے۔ اب انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ معمولی جہاد نہیں ہے یہ تو کفر و ایمان کی فیصلہ کن جنگ ہے۔

فرانس کا بادشاہ فلپ ۲۰ اپریل ۱۱۹۱ء کو Acre پہنچا۔ شاہی بیڑے میں چھ جہاز تھے جو ہر طرح کے سامان جنگ اور رسد وغیرہ سے لدے ہوئے تھے۔ علاوہ ازیں ان کے ساتھ Normendy اور Flanders کے قد آور جنگی گھوڑے بھی تھے جو زرہ بکتر سے ملبوس وزنی سواروں کے لئے میدان جنگ میں بہت کارآمد تھے۔ بادشاہ کی آمد سے خلیج میں کافی شور وغل مچا اور خوب خوشی کے نعرے بلند ہوئے۔ رچرڈ کی عدم موجودگی میں فلپ بھی اسی کی طرح خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتا رہا۔ گویا اسے یہ احساس تھا کہ بہ حیثیت فوج کے سپہ سالار کے اس کے پاس کم ہی وقت ہے لہٰذا اس نے پوری شان و شوکت کا نظارہ پیش کیا۔ بینڈ باجوں اور بگلوں کے شور وغل میں وہ نہایت کرّ و فر سے جہاز سے اُترا۔ اس کی کلائی پر ایک نادر سفید شاہ باز بیٹھا تھا۔ وہ ساحل پر اتر کر بڑی شان سے خراماں خراماں شہر کی فصیل کے سامنے ٹہلنے لگا۔ بقول ایک عیسائی مورخ کے:

''حضرت عیسیٰ کے دشمنوں کا شور وغل اور ان کے تیر اس کے نزدیک پہنچ رہے تھے۔'' اس نے حصار اور خندقوں کا معائنہ کیا جن کا انتظام Henry of Champagne نے کیا تھا۔ اس وقت اس نے غیر مدبرانہ طور پر کہا: ''بڑا تعجب ہے کہ اتنی بڑی فوج کے باوجود یہ شہر ابھی تک دشمن کے ہاتھ میں ہے۔'' پھر بھی وہ ایک اہل سیاست دان اور ناظم تھا۔ لہٰذا وہ ہنری سے ملنے اس کے

خمہ میں گیا جہاں اس نے فوج کے مختلف عناصر میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس کے وہاں پہنچتے ہی اس کا سفید شاہباز اس سے رخصت ہو گیا۔ وہ اپنے آقا کی کلائی چھوڑ کر متعدد شاہی فرمانوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے دشمن کی فصیل پر جا بیٹھا۔ مدافعین اس کی اس حرکت سے بڑے خوش ہوئے اور انہوں نے فوراً ہی اسے پکڑ لیا۔ البتہ بادشاہ اس صورت حال سے محظوظ نہ ہو سکا۔ خاص طور پر جبکہ اسے وہاں پہنچتے ہی یہ شرمندگی اٹھانی پڑی کہ اس نے دشمنوں سے اس عزیز پرندہ کی درخواست کی۔ اس نے ان کو ایک ہزار طلائی سکے دینے کی بھی پیش کش کی لیکن ان بدبختوں نے اس کی بڑی حقارت کی کہ اسے کوئی جواب تک نہ دیا۔ خیر میدان جنگ کا معائنہ کرتے ہوئے فلپ نے یہ طے کیا کہ وہ فصیل ''مینار ملعون'' کے روبرو ہی اپنا مورچہ قائم کرے۔ یہ جگہ بیک وقت نہایت محفوظ بھی تھی اور کمزور بھی۔ اس نے فوراً وہاں کی سنگ باری کی مشینوں میں اپنی گوپھنوں کا بھی اضافہ کر دیا اور انہیں ہر طرح محفوظ کرایا تاکہ دشمن انہیں نقصان نہ پہنچا سکیں۔ اس کی سات گوپھنوں میں ایک غیر معمولی طور پر زبردست تھی جسے اس کے سپاہی ''بدمعاش پڑوسی'' کہا کرتے تھے، لہٰذا مسلمانوں نے بھی اس کے مقابلے میں ایک بڑی گوپھن لگائی جس کا نام انہوں نے ''بدمعاش ہم قبیلہ'' رکھا۔ چنانچہ یہ دونوں گوپھنیں ایک وقت تک ایک دوسرے پر پتھر برساتی رہیں۔ ایک اور گوپھن ڈیوک آف برگنڈی کی کمان میں تھی جسے وہ ''قہر الٰہی'' کہتے تھے۔ فلپ نے ایک مورچہ بنوایا جسے لوہے کی چادروں سے محفوظ کرایا۔ اس آہنی ڈھال کے پیچھے سے اس کے تیر اندازوں نے فصیل پر تیر اندازی شروع کر دی۔ ایک مرتبہ بیرونی خندق پاٹ دی گئی اور اس کے انجینئر فصیل کی بنیادوں کو منہدم کرنے کے لئے پہنچ گئے۔ اس وقت بادشاہ نے اپنی گوپھنوں کو آگے بڑھایا اور شہر کے اندر پتھراؤ کرنا شروع کر دیا۔ یہ وہ مقام تھا جہاں مسلمان، عیسائی اور یہودی صدیوں سے جمع ہوا کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی فلپ نے سیاسی معاملات پر بھی توجہ کی۔ اس نے Conrad کی پوری حمایت کی کہ اسے یروشلم کے تخت کا جائز وارث تسلیم کیا جائے۔ گو کہ موجودہ حالات میں ایک ایسے تخت کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی جس کی سلطنت کا

کوئی وجود ہی نہ ہو لیکن پھر بھی فلپ اور کونراڈ بری طرح اس کے درپے تھے۔ یورپ کے شاہی خاندانوں کے رواج کے مطابق وراثت کا حق خونی رشتہ پر تھا۔ Guy کو یروشلم کی تخت نشینی اس لئے ملی تھی کہ اس کی بیوی سویلیہ شاہی وارثت کی حقدار تھی لیکن اب اس کی وفات کے بعد یہ حق منسوخ ہو گیا تھا گو کہ عملاً ابھی تک Guy کا تاج پر قبضہ تھا۔ اب خونی وراثت کے تحت یہ حق سویلیہ کی چھوٹی بہن Isabela کو منتقل ہو چکا تھا۔ لیکن اس نے کم سنی ہی میں شیتلاں کے سوتیلے بیٹے شمپین کے ہنری سے شادی کر لی تھی جو نہایت بدچلن اور اوباش تھا۔ لیکن اس شادی کی رسم باضابطہ طور پر قرار نہیں پا سکی تھی چونکہ اسی زمانہ میں صلاح الدین نے شیتلاں کے قلعہ کراک کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ لہٰذا کونراڈ نے نہایت عیاری سے چرچ کے نمائندوں کو تحفے اور رشوتیں دے کر اس رشتہ کو منقطع کرا کر خود Isabela سے نکاح کر لیا جس کی بناء پر اس نے خود کو یروشلم کے تخت کا حقدار ہونے کا دعویٰ کیا۔ جب Guy کو اس کی اطلاع ملی تو وہ سخت غضبناک ہوا اور اس نے کونراڈ کو دست بدست جنگ کرنے کی دعوت دی لیکن کونراڈ نے اس پر محض قہقہے لگائے۔ انگلستان کے پادری اعلیٰ Archbishop of Canterbury کو ان عیسائی رہنماؤں کی حرکتوں سے ایسا صدمہ ہوا کہ اس کا دل ٹوٹ گیا اور وہ جاں بحق ہو گیا۔ اب چونکہ فلپ بھی کونراڈ کی حمایت کر رہا تھا تو Guy کا معاملہ اور بھی کمزور ہو گیا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ رچرڈ سے مدد مانگنے قبرص گیا تھا۔ لیکن ایسے حالات میں عیسائیوں کے لشکر میں مزید تفریق اور رقابت پیدا ہو گئی۔ رچرڈ فلپ کے خلاف، Guy کونراڈ کے خلاف، Pisa کے لشکر Genoa والوں کے خلاف اور Hospitalers کے خلاف وغیرہ وغیرہ۔ تاہم Easter کے زمانے میں فلپ بڑی حد تک کامیاب ہو سکا۔ فصیل کے ایک مینار میں دو مرتبہ شگاف ہوا مگر مدافعین نے جلد ہی اس کی مرمت کر لی حالانکہ فلپ اعلیٰ درجہ کا سیاستداں اور منتظم تھا لیکن اس میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ فصیل پار کر کے شہر پر قبضہ کر سکتا۔ اس کے علاوہ رچرڈ کے وہاں پہنچنے سے ایک ہفتہ پہلے ایک مزید حادثہ پیش آیا جس سے اس کی اور بھی ہمت ٹوٹ گئی۔ بیلجئیم کے سپاہی اپنی شاندار سبز صلیبوں کی وردیوں میں شروع سے ہی

اس مہم کے خاص عناصر میں سے تھے۔ اس کا سردار گویا طاقت کا ستون تھا۔ اس کے ہمعصروں کی رائے میں وہ ''اعلیٰ ترین عقل و دانش اور مال و دولت کا مالک تھا۔ ہمیشہ منصف، نہایت بہادر اور ہتھیاروں کا ماہر تھا۔'' لیکن اس کے ساتھ ہی وہ نہایت بے دردی کی جنگ کا قائل تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ: ''میری رائے میں اب جنگ صحیح معنوں کی جائے۔ سارے ملک کو خاکستر کر دیا جائے اور تمام دشمنوں کو ہلاک کر دیا جائے۔'' کئی سال قبل جب صلیبی سلطنت خطرہ میں تھی تو وہ اس وقت زیارت کے لئے ارض مقدس گیا ہوا تھا۔ جب Tyre کے پادری نے Gisors کی شکست کی اطلاع دی تو سب سے پہلے اس نے صلیب اٹھائی۔ پھر اس نے کافی دولت جمع کر کے ایک زبردست فوج تیار کی اور اب وہ خود اپنی اور ڈنمارک کی فوج کا سپہ سالار تھا۔ اس کے جانبازوں میں ایک اور غیر معمولی سردار بھی تھا جس کا نام James d' Auesnes تھا، وہ سب سے زیادہ بہادر مانا جاتا تھا۔ وہ تندخو ہونے کے باوجود نہایت مصلحت شناس بھی تھا۔ اس نے سسلی میں رچرڈ اور فلپ کے درمیان بڑی عقلمندی سے مصالحت کرائی تھی۔ لیکن اب Flanders (Belgium) کا یہ غیر معمولی جنگجو سردار فوت ہو گیا۔ اس کی موت عیسائی لشکر کے لئے ایک بڑا سانحہ تھا۔ اس نے اپنی سلطنت کا کوئی وارث بھی نہیں چھوڑا۔ لیکن فلپ کے عیار دماغ میں اس کی موت بہت قابل تشویش معلوم ہوئی۔ چونکہ اس سلطنت کا کوئی وارث نہیں تھا اس لئے اصولاً اس پر اب فرانس کا قبضہ ہونا چاہئے۔ لیکن بدقسمتی سے وہ وہاں سے اتنی دور مشرق میں تھا اور کسی طرح حالات سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا۔

اس دوران رچرڈ قبرص میں فلپ کی کامیابیوں کی خبر سن کر بے چین ہو رہا تھا۔ اگر وہ جلد ہی Acre نہیں پہنچا تو وہاں کی فتح کا سہرا اس کے رقیب کے سر بندھ جائے گا۔ بالآخر ۵ رجون ۱۱۹۱ء کو وہ Famagusta سے اپنی تیز رفتار جنگی کشتی پر سوار ہو کر میدان جنگ کی طرف روانہ ہوا۔ اس نے اپنے باقی بیڑے کو یہ ہدایت کی کہ وہ جلد از جلد اس کے پیچھے وہاں پہنچیں۔ اسے دوسرے دن ہی شام کے ساحل کی پہاڑیوں پر Hospitalers کا مہیب قلعہ Margat

دھند لکے میں نظر آیا۔ دشمن نے اسے ہر طرف سے محصور کر لیا تھا۔ جب وہ جنوب کی طرف روانہ ہوا تو اسے طرابلس، Sidon- Tortosa اور بیروت کے تمام علاقے دشمن کے قبضہ میں نظر آئے۔ صرف Tyre ہی ہنوز عیسائیوں کے قبضہ میں تھا لیکن وہاں والوں نے بھی اس کے ساتھ دشمن کا سا ہی برتاؤ کیا۔ Conrad نے شہر کے دروازے بند کروا دیئے اور انگلستان کے بادشاہ کو شہر کی فصیل کے باہر ایک اجنبی کی طرح ڈیرے ڈالنا پڑے۔ ۷ جون کو رچرڈ وہاں سے آگے بڑھا۔ بیروت سے کچھ آگے جنوب کی طرف اسے ایک تین ستونوں والا بڑا جہاز نظر آیا۔ اس کے ملاحوں نے کہا یہ فرانس کے بادشاہ کی ملکیت ہے۔ لیکن جلد ہی انہوں نے اپنا بیان بدل دیا اور کہا وہ Genoa سے آ کر Tyre جا رہے ہیں۔ رچرڈ کو ایک عرب جاسوس نے بتایا کہ اس نے ایسا ہی ایک جہاز بیروت کی بندرگاہ میں دیکھا تھا جس پر سو اونٹ، بہت سے ہتھیار، آتش یونان کی بوتلیں اور دو سو زہریلے سانپ لدے ہوئے تھے۔ یہ حقیقت جلد ہی ظاہر ہو گئی۔ دراصل یہ جہاز عیسائیوں کی بندشوں کو توڑ کر Acre والوں کے لئے سامان رسد لے جا رہا تھا۔ جونہی رچرڈ کی کشتی جہاز کے قریب آئی جہاز والوں نے اس پر تیروں اور آتش یونان کی بارش شروع کر دی۔ اس جہاز پر ۶۵۰ بہترین جانباز تھے۔ اس ناگہانی حملہ سے گھبرا کر عیسائی جلدی سے پیچھے ہٹ گئے۔ رچرڈ نے اس بزدلی پر انہیں ڈانٹا اور کہا: ''شرم تم پر۔ تم کمزور دشمنوں پر فتوحات پا کر اور عیش کی زندگی اٹھا کر اتنے بزدل بن گئے ہو۔ دنیا جانتی ہے کہ تم صلیب کی خاطر جانیں قربان کرنے والے ہو۔'' اس سے اس کے سپاہیوں میں جوش آ گیا اور کچھ نے سمندر میں غوطہ لگا کر جہاز کے پنکھے کو رسہ سے جکڑ دیا تاکہ جہاز تیزی سے آگے نہ بڑھ سکے۔ اور باقی نے جہاز پر حملہ کیا لیکن انہیں پسپا ہونا پڑا۔ اس کے بعد کیا ہوا اسے تحقیق سے نہیں کہا جا سکتا۔ ایک بیان کے مطابق رچرڈ نے حکم دیا کہ اس کی کشتی اپنی آہنی نوک سے جہاز کے پہلو پر حملہ کرے۔ دوسرے کہتے ہیں کہ جہاد کے کپتان نے ناامید ہو کر جہاز ہی چھوڑ دیا۔ اس طرح اس بارے میں صلاح الدین کے تاثرات کا بھی مختلف نقشہ کھینچا گیا ہے۔ تاہم نتیجہ یکساں ہی ہے۔ عیسائی ذرائع تو کہتے ہیں کہ صلاح

الدین نے اس کی خبر سن کر سر پیٹ لیا اور کہا: ''یارب اس نقصان کی تلافی میں اب نہیں کر سکتا، اب تو Acre میرے ہاتھ سے گیا۔'' لیکن اس طرح رونا پیٹنا صلاح الدین کی فطرت اور کردار کے خلاف تھا۔ عرب کہتے ہیں کہ اس سانحہ کی خبر سن کر وہ حسب معمول صبر کے ساتھ قرآن مجید کی جانب رجوع ہوا۔ اس کی نگاہ اس ارشاد الٰہی کی طرف پڑی جس میں کہا گیا ہے: ''اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی مزدوری رائیگاں نہیں ہونے دیتا۔'' ۸ رجون کو رچرڈ ۲۵ جنگی کشتیوں کے ساتھ Acre پہنچ گیا۔ سمندر سے اسے جنگی محاذ کا پورا نظارہ پیش نظر تھا۔ شہر کے چاروں طرف عیسائی محاصرین کی سنگ بار مشینیں نصب تھیں۔ فصیل کو جا بجا نقصان پہنچ چکا تھا مگر دو اہم مینار ابھی قائم تھے۔ ادھر مسلمان عیسائیوں کی خندقوں کے قریب پہنچ گئے تھے اور آتش یونان کی بمباری سے ہر جگہ دھواں اُٹھ رہا تھا۔ ان کے عقب میں سلطان کا لشکر ان کا محاصرہ کئے ہوئے تھا۔ رچرڈ کی آمد سے وہاں خوشی کا بہت شور وغل مچا۔ خصوصاً رات کو عیسائی فوج نے چاروں طرف الاؤ لگا کر قومی ترانوں سے خوب جشن منایا۔ اوپر پہاڑی سے مسلمانوں کو ایسا معلوم ہو رہا تھا گویا تمام وادی میں آگ لگی ہوئی ہے۔ اس کے باوجود سلطان مطمئن رہا، اسے اللہ تعالیٰ کی امداد کا یقین تھا۔

فلپ نے بڑے تپاک سے رچرڈ کا استقبال کیا، اسے شاہی خیمہ میں لے جایا گیا جو پہلے ہی سے اس کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ دونوں بادشاہوں نے پہلے تو شہر فتح کرنے کے بارے میں خوب بحث ومباحثہ کیا لیکن جلد ہی وہ پھر دولت کی تقسیم پر جھگڑنے لگے۔ فلپ خصوصاً زیادہ ضرورت مند ہونے کی حیثیت سے اس کوشش میں تھا کہ اس کے ہاتھ زیادہ سے زیادہ دولت اور ملک آئے۔ لہٰذا اس نے قبرص سے حاصل کردہ مال غنیمت کے آدھے حصہ پر دعویٰ کیا اس کا کہنا تھا کہ Vezelay کے معاہدہ کی رو سے وہ اس کا حق دار تھا۔ رچرڈ نے جواباً Flanders کا آدھا حصہ مانگا۔ دونوں کا دعویٰ ناجائز تھا چونکہ Vezelay کا معاہدہ تو صرف فلسطین سے فتح کئے ہوئے علاقوں کے بارے میں تھا۔ بالآخر اس جھگڑے کو چھوڑ کر وہ پھر اہم جنگی مسائل کی طرف متوجہ ہوئے۔ تاہم مال ودولت کے سلسلہ میں فلپ کی نیت نہیں بدلی۔ جب اس کا وفادار

بھتیجا Henry of Champagne مہینوں تک تنہا محاصرہ کرنے کے بعد اس سے مدد مانگنے آیا تو فلپ نے اسے ایک لاکھ فرانسیسی طلائی سکے اس شرط پر دینے کا وعدہ کیا کہ وہ اپنی Champagne کی جاگیر فرانسیسی سلطنت کو دے۔ اس غیر متوقع رویہ سے اسے سخت صدمہ ہوا اور اس نے کہا: ''میں تو اپنے بادشاہ کی خاطر جنگ کرنا چاہتا تھا اور اب تک میں نے اپنا فرض ادا کیا لیکن اب میں وہ کروں گا جس پر مجبور ہوں۔ میں اب اس شخص کے پاس جاؤں گا جو مجھ سے لینے سے زیادہ دینے کو تیار ہے۔'' رچرڈ کو تو یہ سنہری موقع ہاتھ آیا۔ اس نے ہنری کو چار ہزار سکہ نقرئی، چار ہزار سوروں کی خشک کردہ لاشیں اور گیہوں کی بہت سی بوریاں دیں۔ جب یہ معلوم ہوا کہ فلپ سپاہیوں کو تین طلائی سکے فی ہفتہ دے رہا ہے تو فوراً رچرڈ نے انہیں چار سکے دینے کی پیشکش کی۔ ایک بار پھر فلپ کو نیچا دیکھنا پڑا اور وہ ناراض ہو کر چند دن کے لئے روپوش ہو گیا۔ ایک انگریز مورخ کا کہنا ہے کہ رچرڈ کے سامنے فرانس کا بادشاہ ایسا گم نام اور بے رونق ہو گیا جیسے سورج کے سامنے چاند۔ چونکہ فلپ نے ''ملعون مینار'' کے بالمقابل محاذ قائم کیا تھا لہٰذا رچرڈ نے شمالی دروازہ کے سامنے اپنا محاذ بنایا۔ تیرھویں صدی کے ایک مورخ ابوالفراخ کا کہنا ہے کہ دونوں بادشاہوں نے تین سو سے زیادہ سنگ بار مشینیں لگا ئیں۔ چونکہ جنوا (Genoa) والے فلپ کے ساتھ تھے اس لئے رچرڈ Pisa والوں کو اپنے ساتھ لایا تھا۔ آنے کے تین دن بعد ہی اپنا چوبی قلعہ Mategriffon رچرڈ نے قائم کرایا جسے وہ سسلی سے ساتھ لایا تھا۔ قلعہ کی دیواروں کو اس نے رسیوں اور کھالوں سے مضبوط کرا کر ان پر خوب سرکہ کی مالش کرائی تاکہ وہ آتش یونان سے محفوظ رہیں۔ اس کی چھت پر چڑھ کر اس کے تیر اندازوں نے تیروں کی بارش شروع کر دی۔ اگرچہ فلپ کے پتھر زیادہ بڑے تھے مگر رچرڈ سسلی سے خاص سخت پتھر لایا تھا جو زیادہ تباہ کن تھے۔ اب شمالی دروازے پر ان پتھروں کی بارش کی گئی۔ رچرڈ بذات خود دیکھنے کے قابل تھا وہ ہر وقت حرکت میں تھا، کبھی اِدھر دوڑتا کبھی اُدھر۔ وہ ہمہ وقت ہر جگہ موجود تھا اس لئے ہر جگہ ٹھیک ٹھیک کام ہو رہا تھا۔ اس زمانہ میں جبکہ رچرڈ Acre کی تباہی کی انتہائی کوشش کر رہا تھا اسے ضرور تعجب ہوا

ہوگا کہ صلاح الدین اسے اور فلپ کو بجائے تیروں یا پتھروں کی بارش کے پھلوں کی ٹوکریاں تحفۃً بھیج رہا تھا۔ آخر سلطان کیسا انسان تھا کہ وہ بدترین دشمنوں کا اس طرح استقبال کر رہا تھا! دشمن کے اس انوکھے رویہ کو دیکھ کر رچرڈ نے اس کے پاس ایلچی بھیجے تاکہ دونوں روبرو مذاکرات کر سکیں۔ لیکن سلطان نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ بادشاہوں کا اس طرح ملنا نامناسب ہے چونکہ جب وہ باہمی اعتماد پر ملاقات کریں اور بعد میں پھر جنگ شروع کر دیں تو یہ ان کے شایان شان نہ ہوگا۔ ذاتی ملاقات سے پہلے انہیں دائمی جنگ بندی کا فیصلہ کرنا چاہئے۔

جون کے آخر میں ایسا سورج گرہن ہوا جس سے سارا میدان جنگ تاریک ہوگیا۔ عیسائی فوج اس سے سخت گھبرائی اور چونکہ یہ واقعہ سینٹ جانؔ (یحیٰؑ علیہ السلام) کے یوم پیدائش پر ظہور میں آیا تو یہ ان کے لئے مزید تشویش کا باعث بنا۔ اور واقعی اس کے فوراً بعد ہی ایک اور بری علامت رونما ہوئی۔ ایک پر اسرار بیماری نے رچرڈؔ پر حملہ کر دیا۔ سخت بخار کے ساتھ ہی اس کے مسوڑے اور تالو سوجھ گئے۔ ڈاکٹروں کی رائے میں یہ مرض مناسب غذا کی کمی کی وجہ سے ہوا۔ کچھ دن بعد ہی اس کے سر کے بال گرنے لگے اور ناخن بھی ڈھیلے ہوگئے۔ ڈاکٹروں نے غذا میں Vitamin C کی زیادتی کا مشورہ دیا۔ اس کے باوجود دونوں بادشاہوں کی روبرو ملاقات کے متعلق مذاکرات ہوتے رہے۔ ایسا معلوم ہوا کہ بالآخر صلاح الدین رچرڈ سے ملنے کے لئے آمادہ ہوگیا۔ ملاقات دونوں افواج کے درمیان Acre کے میدان میں ہونی تھی۔ صلاح الدین کو اطلاع ملی کہ عیسائی لشکر میں اس ملاقات کی سخت مخالفت کی جا رہی ہے تب رچرڈؔ کا پیغام پہنچا: ''آپ میری تاخیر کی افواہوں کا یقین نہ کریں۔ اس کی اصل وجہ میری علالت ہے۔ میں اپنے رویّہ کا خود مالک ہوں۔ بادشاہوں کے دستور کے مطابق میں سلطان کو ایک شایان شان تحفہ دینا چاہتا ہوں جسے پیش کرنے کی میں اجازت چاہتا ہوں۔'' سلطان کے بھائی ملک العادل نے اس کا جواب یوں دیا: ''رچرڈ تحفہ بھیج سکتا ہے بشرطیکہ وہ اسی قیمت کا ہمارا تحفہ بھی قبول کرے۔'' اس پر سفیر نے کہا کہ ہمارے پاس سمندر پار کے شاہین ہیں مگر وہ فی الحال کمزور ہو چکے ہیں۔ بہتر یہ ہوگا

کہ تم ہمیں مرغی کے کچھ چوزے دو تا کہ ہم انہیں کھلائیں اور جب وہ قوی ہو جائیں تو ہم تمہیں نذر کریں۔" یہ سن کر سب نے ٹھٹھے مارے اور ملک العادل نے کہا" غالباً تمہارا بادشاہ ایک مرغی خانہ کھولنا چاہتا ہے۔" یہاں سے یہ مذاکرات خراب ہوتے گئے تا آنکہ عیسائیوں کے سفیر نے کہا: "اگر تمہیں کچھ کہنا ہو تو کہو تا کہ ہم سمجھیں کہ تمہارا کیا مقصد ہے۔" اس کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ "ہم تمہارے پاس نہیں گئے۔ تم ہمارے پاس آئے ہو۔ لہٰذا تم اپنا مقصد بتاؤ ہم سننے کو تیار ہیں۔" اس کے ساتھ ہی مذاکرات ختم ہو گئے اور سفیر شاہی خلعت دے کر واپس کر دیا گیا۔ مسلمانوں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ ان مذاکرات کا مقصد محض ان کی مستقل مزاجی کو جانچنا تھا۔ چونکہ فلپ کو ان مذاکرات میں شامل ہی نہ کیا گیا تھا اور چونکہ وہ نسبتاً کم بیمار تھا لہٰذا یکم جولائی کو وہ میدان جنگ کے لئے پھر تیار ہو گیا۔ رچرڈ نے نیم عقلی کی حالت میں ہر چند اس سے التجا کی کہ وہ اس آخری حملہ کے لئے چند دن اور صبر کرے۔ لیکن فلپ نہ مانا۔ غالباً اس نے خیال کیا کہ فتح کی شان حاصل کرنے کا یہ بہترین موقع ہے۔ اس نے اپنی خندقوں کے لئے دفاعی انتظامات کئے اور "مینار ملعون" پر اپنی پوری طاقت سے حملہ کے لئے رجوع ہوا۔ صلیبی فوج کو اندرون شہر کی خستہ حالی کا کسی قدر علم تھا چونکہ وہاں ان کا ایک پوشیدہ جاسوس تھا جو متواتر خبریں بھیجتا تھا اور علامت کے طور پر ہر خبر نامہ کو ان الفاظ سے شروع کرتا تھا: "خدا، اس کے بیٹے اور روح القدس کے نام سے آمین" لیکن اگر شہر واقعی اس بری حالت میں تھا تو اس کا اظہار مدافعین کے پر جوش جوابی حملوں سے نہیں ہو رہا تھا۔ جب شہر کو محصور کیا گیا تھا تو اس وقت مدافعین کی تعداد نو ہزار تھی لیکن اتنے عرصہ کے کشت و خون کا ان پر بہت گہرا اثر ہوا تھا پھر بھی وہ جس جانبازی سے مقابلہ کر رہے تھے وہ قابل تعریف تھی۔ شہر کا دفاع دو اہل سرداروں کے ذمہ تھا جو عیسائیوں میں صرف پہلے نام سے ہی مشہور تھے: کاراکش اور مشطوب۔ کاراکش ترکی نام ہے جس کے معنی شاہین ہیں۔ یہ دو سال پہلے محاصرہ کی ابتداء سے ہی وہاں کا حاکم تھا۔ یہ پہلے مصر میں صلاح الدین کا غلام ہوا کرتا تھا۔ سلطان نے تب ہی اس کی جنگی صلاحیت پہچان لی تھی اور اسے اہم کاموں کی ذمہ داری سپرد کی تھی۔

قاہرہ میں اس نے ایک شاندار قلعہ تعمیر کرایا تھا جو پہاڑی قلعہ کے نام سے مشہور تھا۔ اس کے علاوہ اس نے شہر کی فصیل اور اہرام مصر کی مرمت وغیرہ بھی کرائی تھی۔ لیکن ساتھ ہی وہ شیخی خورہ بھی تھا اور خودنمائی کیا کرتا تھا جس کی بدولت عوام اس کا مذاق اُڑاتے تھے۔ تاہم وہ ایک معتمد اور اہل سردار تھا۔ دوسرا حاکم مشتوب سلطان کے سرداروں میں سب سے زیادہ معزز اور اس کا منظور نظر تھا۔ وہ ایک شریف الطبع کرد تھا اور اپنی باہمتی اور فراخ دلی کے لئے مشہور تھا۔ چونکہ اس کے چہرے پر داغ تھا اس لئے مشتوب کے نام سے مشہور ہو گیا تھا جس کے معنی ''داغ دار'' ہیں۔ اس کا سلطان سے بہت قریبی پرانا تعلق تھا۔ اتنا قریب کہ جب سلطان کے یہاں لڑکا پیدا ہوا تو اس نے اسے لکھا: ''ہم اس ستارہ کا جشن منا رہے ہیں جس نے حال ہی میں نقاب کشائی کی ہے۔ اور خوش ہیں اس خرمہ پر جو بھی ایک نازک کلی ہے۔'' اس نے مشتوب کو ''سردار اعظم'' کے خصوصی خطاب سے نوازا اور گزشتہ فروری میں اس نے Acre کی کمان حاصل کی۔ اب ان سرداروں نے سلطان کو اطلاع دی کہ ''فوج تھک چکی ہے اور رات دن کی سنگ باری سے عمارات کھنڈر ہو گئی ہیں۔ صحت وصفائی کی بری حالت ہے۔ نہ صرف خوراک کے فقدان سے ان کے یہاں بہت سے لوگ مر رہے ہیں بلکہ دشمن مردہ جانوروں کی لاشیں بھی پھینک رہے ہیں۔ کچھ سپاہی فصیل سے کود کر خودکشی کر رہے ہیں تو کچھ اور خوف سے عیسائیت قبول کر رہے ہیں۔ اگر یہ محاصرہ ختم نہیں ہوا تو جلد ہی ہم ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جائیں گے۔'' صلاح الدین نے جواب دیا کہ: ''تم ایک ہفتہ اور انتظار کرو۔ مصری جہازوں کا بیڑا قاہرہ سے پہنچ رہا ہے اور بغداد سے بھی بری راستہ سے کمک آ رہی ہے۔'' سلطان قاہرہ کے حاکم اور خلفیۂ بغداد کو گھبرا گھبرا کر لکھ رہا تھا۔ ''دشمن نے فصیل توڑ دی ہے اور اب رحمت الٰہی کے بجز بچنے کی کوئی اور صورت نہیں۔ اگر مدد آنی ہے تو اب آئے۔ ورنہ بعد میں اس کا آنا اور نہ آنا برابر ہی ہوگا۔''

جب فلپ نے مینار پر زبردست حملہ کیا تو مدافعین نے خوب ڈنکے بجائے اور دھوئیں کے بادل اُڑائے جو صلاح الدین کے لئے ایک اشارہ تھا۔ اس نے فوراً ہی جوابی حملہ کر دیا اور حملہ

آور عیسائیوں کی خندقوں کے کناروں تک پہنچ گئے بلکہ بعض جگہ انہیں پار کرنے میں بھی کامیاب ہو سکے۔ انہوں نے خشک جھاڑیاں جلا کر اور ''آتش یونان'' سے بہت سے خیموں اور سنگ بار مشینوں کو آگ لگا کر تہلکہ مچا دیا۔ گو کہ وہ عیسائی لشکر کو کوئی خاص نقصان نہیں پہنچا سکے پھر بھی اس صورت حال کے پیش نظر فلپ نے حملہ روک کر ان حملہ آوروں سے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ جیسا کہ اس کے مقدر ہی میں تھا ایک بار پھر اسے تنہا حملہ کرنے میں ناکامی ہوئی اور وہ رچرڈ کے لئے انتظار کرنے پر مجبور ہو گیا۔ ۲ رجولائی ایک گرم اور تابناک دن تھا۔ یہ جنگی سرگرمیوں کا بھی خاص دن تھا۔ بالآخر انگلستان کا باقی بیڑہ بھی سطح سمندر پر نمودار ہوا۔ وہ بروقت ہی پہنچے کیونکہ اسلامی حملہ آور ایک بار پھر سلطان کے بھتیجے کی کمان میں عیسائی فوج کی بیرونی خندقوں تک آ گئے تھے اور انہیں پار کرنے کی کوششیں کر رہے تھے۔ ادھر فلپ کے انجینئر فصیل کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے میں کسی حد تک کامیاب ہو رہے تھے۔ فصیل گرنے ہی والی تھی کہ دوسری طرف سے خاص اسی جگہ مسلمانوں کی سرنگ جا ملی۔ حالانکہ فصیل زبردست دھماکوں سے گر رہی تھی مگر زبردست دست بہ دست جنگ میں مسلمان حملہ آوروں کو پسپا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس صورت میں رچرڈ صبر نہیں کر سکا، اپنے بکھرے بالوں اور سوجے ہوئے مسوڑوں کے باوجود اس نے خود کو اٹھوا کر اپنے چوبی قلعہ کی چھت پر پہنچوایا جہاں سے لیٹ کر ہی اس نے دشمن پر تیروں کی بارش شروع کی۔ خاص طور پر اسے ایک شخص کو نشانہ بنانے میں بڑی خوشی ہوئی جو ایک فرانسیسی کی ٹوپی اُوڑھ کر جنگ میں مصروف تھا۔ اب رچرڈ کی فوج کے باقی عناصر بھی حرکت میں آ گئے۔ بعض نے دیوار ڈھانے کی کوشش کی تو بعض نے سنگی سے لائے ہوئے پتھروں سے سنگ باری شروع کر دی۔ رچرڈ بذات خود ڈانٹ کر احکامات کے قابل نہیں تھا مگر اس نے قاصدوں کے ذریعہ اعلان کرایا کہ وہ ہر اس شخص کو چار طلائی سکے دے گا جو فصیل کا ایک پتھر نکالے گا۔ انتہائی خطرے کے باوجود بہت سے جانباز کود پڑے اور بہت سوں نے جانیں کھو دیں۔ آخر دروازہ ہلنے لگا اور جلد ہی گر گیا۔ لیکن باہمت مسلمان پھر بھی اس کھنڈر کے دفاع کیلئے دوڑ پڑے۔ نہ تو Salisbury کے اعلیٰ پادری کا

جوش دلانا، نہ Leicester کے سردار کی للکار اور نہ ہی Pisa والوں کی غیر معمولی جرأت ان بہادر مدافعین پر غالب آسکی۔

آخر ۲۴ر جولائی ۱۱۹۱ء کو مشتوب اور کاراکش ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہوگئے۔ یہ دونوں سفید جھنڈے کے سایہ میں شمالی دروازہ کے پاس Templars کے خیمہ میں صلیبی بادشاہوں کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے صلح شرائط یوں پیش کیں: ''اگر ہماری اور ہمارے شہریوں کی جان و مال کو امان ملے تو ہم ہتھیار ڈالنے کو تیار ہیں۔'' اس پر اعظم مشتوب نے مزید کہا: ''ہم نے فتح کے بعد تمہارے لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا ہے۔ ان کی شرائط مانی ہیں اور ان کی مرضی کے مطابق پناہ کے لئے انہیں مقامات پر بھیجا ہے۔ لہٰذا ہم بھی تم سے یہی توقع کرتے ہیں۔'' رچرڈ نے جواب دیا: ''تم ہمارے جن خادموں اور غلاموں کا ذکر کر رہے ہو آج تم بھی اسی طرح ہمارے خادم اور غلام ہو۔'' مشتوب نے کہا کہ ایسی صورت میں ہم شہر تمہارے حوالہ کرنے کے بجائے موت کو ترجیح دیں گے۔ ہمارا ایک آدمی بھی اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک وہ تمہارے پچاس اہم آدمیوں کو نہ مار دے۔'' لیکن رچرڈ پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس نے اطمینان سے کہا: ''اب تو تمہارے جسم کا تاوان صرف تمہارا سر ہی ہوسکتا ہے۔'' البتہ فلپ اس جنگ سے تنگ آ گیا تھا۔ وہ ایک سال سے زیادہ رچرڈ کی بدولت ندامتیں برداشت کر رہا تھا اور اب چھ ہفتوں سے اس کم بخت محاصرہ میں لگا ہوا تھا۔ ادھر یورپ میں بھی اسے بہترین مواقع کھودینے کا اندیشہ تھا۔ لہٰذا وہ چاہتا تھا کہ اس موقع سے فائدہ اٹھائے اور جلد سے جلد جان چھڑائے۔ لیکن رچرڈ کسی طرح اس پر آمادہ نہیں تھا۔ اسے تو جنگ سے محبت تھی۔ وہ فطرتاً جنگجو تھا۔ مذاکرات سے حاصل کی ہوئی فتح کی بہ نسبت قوتِ بازو کی فتح کی شان ہی اور ہوتی ہے۔ وہ اتنی دور سے اتنے بڑے لشکر کے ساتھ آیا تھا جس میں اس کے بہت سے اہم جانباز مارے گئے تھے اور اس کی سلطنت بھی اس کی عدم موجودگی میں سخت خطرہ میں تھی، کیا وہ اب ایک شہر خموشاں میں داخل ہوجائے جس کے مینار اور فصلیں کھنڈر ہوچکی ہیں۔ نہیں، اب جبکہ فتح اس کے سامنے ہی ہے وہ اس مہم کو تکمیل تک ہی پہنچانا

چاہتا تھا۔ تاہم اس نے جوابی پیش کش کی۔ اس نے کہا کہ ان سب کی جان و مال کے بدلہ میں اسے لاطینی سلطنت دی جائے جو چوالیس سال پہلے فرانس کے بادشاہ Louis کے قبضہ میں تھی جب وہ یروشلم میں تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی حضرت عیسیٰ کی اصل صلیب جو Hattin کی جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھ آئی تھی وہ بھی اُسے واپس کی جائے۔ یہ سن کر دونوں امیر سخت پریشان ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ بغیر سلطان کی اجازت کے وہ ایسا نہیں کر سکتے انہیں تین دن کی مہلت دی جائے تاکہ وہ سلطان سے مشورے کر سکیں۔ وہ شہر واپس ہوئے جہاں اس دوران مسلسل سنگ باری کی جارہی تھی۔ تاہم انہوں نے کبوتروں کے ذریعہ سلطان کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ انہوں نے لکھا کہ ہم اب اس قدر تباہ ہو چکے ہیں کہ دشمن کو شہر حوالے کرنے پر مجبور ہیں۔ اگر مدد نہ پہنچی تو ہم بلا شرط ہتھیار ڈال دیں گے۔ لیکن صلاح الدین اس کے لئے تیار نہ تھا۔ اسے اب بھی جنوب اور مشرق کی طرف سے امداد پہنچنے کی توقع تھی۔ اس نے جواباً لکھا کہ صبر کرو۔ اگر وہ چند روز میں ان کی مدد نہ کر سکا تو انہیں باعزت صلح کی اجازت دے دے گا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے دشمن کی خندقوں پر شدید حملہ کر دیا جس کی قیادت اس نے خود کی۔ ایک مورخ کا کہنا ہے کہ وہ صف در صف گھوڑا دوڑا کر فوج کو للکار رہا تھا کہ اسلام کی ناموس کی خاطر آگے بڑھو۔ اسے دیکھ کر ایسا لگتا تھا جیسے ایک ماں بے قراری سے اپنے بچہ کو ڈھونڈ رہی ہو۔ لیکن عیسائیوں نے ایک ٹھوس محاذ بنا کر اس کا مقابلہ کیا اور مسلمان حملہ آور ان کی شجاعت کی داستانیں لے کر واپس ہوئے۔ کہتے ہیں ایک صلیبی سپاہی نے پچاس تیر کھائے مگر پھر بھی وہ خندق کی دیوار کا دفاع کرتا رہا یہاں تک کہ بالآخر اسے ایک آتشیں تیر مار کر خندق میں گرایا گیا جہاں وہ زندہ درگور ہوا۔ ایک اور جاں باز خاتون پے در پے مسلمانوں کو تیروں کا نشانہ بناتی رہی یہاں تک کہ وہ قتل ہوئی۔ کہتے ہیں جب سلطان کو اس کے تیر و کمان پیش کئے گئے تو اسے اس عورت کی شجاعت پر بڑی حیرت ہوئی۔ خندقوں کی اس ناکام جنگ میں سارا دن گزارنے کے بعد صلاح الدین نہایت دل برداشتہ ہو کر اپنے خیمہ میں واپس ہوا۔ اس نے عبادت الٰہی میں وقت گزارنے اور سکون قلب کے لئے پھر اس آیت کو

دوہرایا، ''اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی مشقت رائیگاں نہیں جانے دیتا۔'' جب دوسرے دن اس نے پھر ان خندقوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو اس کے سرداروں نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ تم اس تدبیر سے اسلام کو خطرے میں ڈال رہے ہو چونکہ اس میں کامیابی کا کوئی امکان نہیں۔ بالآخر اس نے ان کی رائے قبول کی اور جنگ سے باز رہا۔ ۸ر جولائی کو آخر حملہ آور مشرق کی جانب بیرونی فصیل کو ڈھانے میں کامیاب ہو گئے۔ صلاح الدین نے یہ یقین کرتے ہوئے کہ اب Acre کا دفاع ناممکن ہے خلیج پار Haifa کی بندرگاہ کو جلا دیا تا کہ وہاں کے جہاز سازی کے کارخانے اور بندرگاہ دشمن کے ہاتھ نہ آئے۔ ایک تیراک محاصرہ کے باوجود جان پر کھیل کر سلطان کے پاس ایک آخری خبر لایا جس سے اس کی ناامیدی میں مزید اضافہ ہوا۔ ''ہم نے اب جانیں قربان کرنے کا تہیہ کر لیا ہے لہٰذا تم ہماری مدد کی کوشش نہ کرو اور خود کو حقیر مت کرو اور کسی طرح کی بزدلی نہ دکھاؤ۔'' اس عہد کے مطابق مدافعین نے شہادت کے سبز لباس زیب تن کئے جبکہ Acre نذر آتش تھا۔ صلاح الدین نے ایک بار پھر صلح کی پیش کش کی اس نے کہا کہ وہ اصل صلیب واپس کر دے گا اور ایک کے بدلے ایک قیدیوں کا تبادلہ کرے گا اور شہریوں کی جان و مال کی امان کے بدلے میں مزید تین ہزار قیدی رہا کرے گا۔ لیکن رچرڈ نے پھر انکار کیا اور کہا کہ وہ جب ہی مطمئن ہوگا جب سارے عیسائی قیدی رہا کئے جائیں اور لاطینی سلطنت کا سارا علاقہ واپس کیا جائے۔ صلاح الدین نے رچرڈ کی ضد اور حرص کی مذمت کی اور کہا کہ اس کا واسطہ ایک ایسے کندہ ناتراش سے ہے جو سیاسیات کی باریکیوں کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ اسے پھر قرآن یاد آیا: ''وہ چال چلنے کی کوشش کرتے ہیں اور خدا بھی چال چلتا ہے۔ لیکن خدا کی چال بہتر ہے۔'' مذاکرات کی ناکامی کے بعد فلپ نے پھر ''مینار ملعون'' پر شدید حملہ کیا جہاں دیوار میں گیارہ گز کا شگاف ہو گیا۔ لیکن اسے پھر پیچھے ہٹنا پڑا اور اس کے چالیس آدمی کام آئے۔ کہتے ہیں کہ اس ہنگامہ کے بعد طرفین کو ایک روحانی مشاہدہ ہوا۔ ایک عیسائی مورخ لکھتا ہے کہ دفعتہً سارا آسمان منور ہو گیا اور مینار کے قریب ہی عیسائیوں کو دوشیزہ مریم نے جلوہ دکھایا۔ انہوں نے بڑے پیار سے سب کو تسلی دی اور

فرمایا "ڈرومت اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری حفاظت کے لئے بھیجا ہے، چار دن بعد یہ شہر تمہیں مل جائے گا۔" یہ کہہ کر روح غائب ہوگئی اور یکدم ساری زمین ہل گئی جس سے مسلمان سخت خوفزدہ ہوئے۔" مگر ایک مسلمان سپاہی نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے ایک ہزار سبز پوش سواروں کو آتے دیکھا جس سے زمین دہل گئی۔ اس طرح یہ غیبی مخلوق بھی شہادت کا لباس پہن کر جنگ میں شامل ہوگئی۔ لیکن واقعی چار دن بعد ۱۸ر جولائی ۱۱۹۱ء کو Acre شکست کھا گیا۔ مشتوب اور کاراکش نے اپنی اور اہل شہر کی جانیں بچانے کے لئے صلح کی شرائط کی ذمہ داری اپنے سر پر لی۔ یہ شرائط بہت سخت تھیں۔ "پانچ سو عیسائی قیدی فوراً رہا کرنا ہوں گے اس کے بدلے میں دو ہزار مسلمان قید میں رہیں گے۔ اس کے ساتھ فاتحین کو دو لاکھ بائی زن ٹائن طلائی سکے ادا کرنا ہوں گے۔ اس کے علاوہ شہر کے دو سو رئیس ترین شہری بھی بطور یرغمال دیئے جائیں گے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اصل صلیب ایک ماہ کے اندر واپس کی جائے گی۔ جب تمام سرمایہ اور شہری مل جائیں گے تو باقی اہل شہر اپنے اہل وعیال اور ساز و سامان کے ساتھ شہر چھوڑ کر جاسکیں گے" ایک ہی دن میں ہجرت شروع ہوگئی۔ عیسائی سپاہی Toron پہاڑی کے راستہ کے دونوں طرف کھڑے ہوئے ان پناہ گزینوں کی رخصت کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ ایک بدحال روتی پیٹتی جماعت کو کوچ کرتے دیکھیں گے مگر انہیں یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ مسلمان بڑے صبر و وقار سے سربلند کئے ہوئے اپنا شہر چھوڑ کر جا رہے تھے۔ اس منظر کے بارے میں ایک چشم دید گواہ نے کہا ہے: "اگر یہ کافر نہ ہوتے تو یہ کہنا پڑتا کہ ان سے بڑھ کر شریف اور باہمت اور کوئی قوم نہیں۔" ایک اور شخص لکھتا ہے کہ عربوں نے اپنی جرأت اور شجاعت سے امتیاز حاصل کیا اور اس شان سے اپنی وقعت بڑھائی۔ جب وہ باہر نکلے تو ان کے چہروں پر کسی غم واندوہ کے مطلق کوئی آثار نہیں تھے اور نہ ہی اپنے مال وزر کے نقصان سے وہ کسی طرح ملول یا ہمت شکن نظر آتے تھے بلکہ ان کے باہمت رویئے سے تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ ہی فاتح ہیں۔" لیکن سلطان کے غم کی یہ حالت تھی جیسے کسی باپ نے اپنا بیٹا کھو دیا ہو۔ وہ دشمن کے خوشی کے نعرے سن رہا تھا اور شہر کی مسجدوں اور میناروں پر

جھنڈے لہراتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ وہ صلح کی شرائط قبول نہ کرتا لیکن جب تک اسے یہ اطلاع ملی تو اس وقت تک Acre کی قسمت کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ اس طرح مسلمان لشکر واپس ہوا جبکہ عیسائیوں کے خوشی کے نعرے ان کے کانوں میں گونج رہے تھے۔ ان کی اپنی خوشی ماتم اور غم میں تبدیل ہوگئی۔ صلاح الدین سکونِ قلب کی تلاش میں پھر قرآن مجید کی طرف رجوع ہوا۔ اسے یہ پڑھ کر تسلی ہوئی: ''ہم اللہ کے ہیں اور اسی کی جانب ہمیں واپس ہونا ہے۔'' اب وہاں محاذ قائم رکھنے سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اور اپنے مشیروں کی رائے کے مطابق وہ ساحلی علاقوں اور یروشلم کی حفاظت کے لئے جنوب کی طرف روانہ ہوا۔ مسلمانوں کے Acre سے واپس ہوتے ہی دونوں بادشاہ نہایت شان و شوکت سے شہر میں داخل ہوئے جہاں خوب ناچ ورنگ اور شوروغل برپا ہوا۔ ان کے گلوں سے انجیل مقدس کے الفاظ جاری تھے: ''بابرکت ہے اسرائیل کا رب جس نے اپنے بندوں کو نجات دلائی۔'' (Luke 1:68) فلپ نے Templars کے محل میں رہائش کی جس کے تین شاندار مینار سمندر کا نظارہ کراتے تھے اور رچرڈ نے اپنی ملکہ Berengaria کے ساتھ وسط شہر میں شاہی قلعہ میں قیام کیا۔ فلپ کا اہم ترین قیدی کاراکش تھا اور رچرڈ کا امیر اعظم مشتوب۔ کچھ دن بعد مشتوب کی رہائی کے لئے تیس ہزار (30,000) بازنطائن دینار دیئے گئے اور کاراکش کے لئے صرف آٹھ سو دینار ملے۔ کاراکش کو اپنی قیمت اس قدر کم ہونے کی وجہ سے ندامت ہوئی۔ شہر میں اطمینان سے قیام کے بعد بادشاہوں نے آپس میں مال غنیمت تقسیم کیا۔ Acre کی شرائط سے صلاح الدین کو سخت دھچکہ لگا تھا مگر اس کے ماتحت اس کی اجازت کے بغیر ایسا کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ اسے یہ اطلاع ملنے تک شہر کی مسجدوں اور میناروں پر دشمن کے سرخ، سبز اور نیلے پرچم لہرا رہے تھے۔ پھر بھی اسے امید تھی کہ شاید دشمن اپنی فتح کے جوش میں باہر نکل کر اس پر حملہ کرنے کی جرأت کرے گا اور اسے انتقام کا موقع ملے گا۔ لیکن افسوس ہے کہ یہ امید بھی پوری نہ ہو سکی اور دشمن کا فوجی دستہ باہر نہیں نکلا۔ البتہ دشمن کے ایلچی ضرور اس کے پاس آئے اور انہوں نے مودبانہ طور پر یہ مطالبہ کیا کہ ان کے قیدی رہا کئے جائیں، سونا ادا کیا جائے

اور اصل صلیب واپس کی جائے۔ کچھ مسلمان مورخوں نے لکھا ہے کہ ان سفیروں کو صلیب پہاڑی پر سے دکھائی گئی جسے دیکھ کر وہ سجدوں میں گر گئے مگر یہ بعید از قیاس ہے۔ سلطان نے انہیں کوئی صاف جواب نہیں دیا۔ جس سے انہوں نے یہ سمجھا کہ غالباً تمام شرائط کو پورا کرنے میں کچھ دشواریاں ہیں۔ سلطان نے تجویز کیا کہ ادائیگی تین قسطوں میں ہو جس کی پہلی قسط ایک مہینہ میں ادا کی جائے۔ تاہم یہ بات بھی صاف نہیں تھی اور مسلمان اس کا یہ مطلب سمجھ رہے تھے کہ تمام قسطیں تین مہینوں میں ادا کر دی جائیں گی۔ اس صورت حال کو صلاح الدین نے مزید صلح کی تجاویز سے اُلجھانے کی کوشش کی۔ اس نے پیش کش کی کہ ایک مکمل دائمی صلح کی جائے جس کے مطابق حج کی شاہراہ پر واقع قلعے Kerak اور Mt Real کے علاوہ جنوبی فلسطین کا باقی تمام علاقہ لاطینی سلطنت کے حوالہ کر دیا جائے بشرطیکہ وہ سلطان کو دو ہزار سوار اور پانچ ہزار پیدل ایک سال کے لئے بطور قرض دیں تاکہ وہ میسو پوٹامیہ کی بغاوت کچل سکے۔ جب رچرڈ نے یہ مضحکہ خیز تجویز رد کر دی تو سلطان نے اسے قیمتی تحائف بھیجے اور عیسائیت کے بارے میں تفصیلات معلوم کیں۔ گویا وہ عیسائیت ہی قبول کرنا چاہتا تھا۔ سفیروں کی آمد و رفت کے دوران میں رچرڈ باقی اہم کاموں میں مصروف رہا۔ اس نے سنگ بار مشینوں کو کھلوا کر صندوقوں میں رکھوایا۔ فصیلوں کی مرمت کرائی اور تمام ملبہ اور گرد و غبار صاف کرایا۔ اب اصل صلیب کی واپسی کے دن بھی قریب ہی تھے اس لئے اس نے انگلستان کو اپنی کامیابی کی اطلاع بھیجی اور لکھا کہ وہ Lent (Easter سے پہلے چالیس دن کا دور جس میں بعض عیسائی روزے وغیرہ رکھتے ہیں) سے پہلے ہی گھر پہنچ جائے گا۔ Acre کی شکست کے ایک مہینہ بعد جب پھر سفیر سلطان کے پاس گئے تاکہ وہ قیدیوں کو حاصل کریں تو سلطان نے انہیں کچھ قیدی دے دیئے اور باقی کی فراہمی نہ کر سکا جن میں بعض نام ور ہستیاں بھی تھیں جن کا خاص طور پر مطالبہ کیا گیا تھا۔ اس کے برخلاف سلطان نے کہا کہ پہلے مسلمانوں کو رہا کیا جائے پھر وہ رقم کی ادائیگی کرے گا۔ اس طرح جانبین مطالبات اور جوابی مطالبات کرتے رہے۔ یہاں تک کہ رچرڈ تنگ آ گیا اور اس نے دھمکی دی کہ اگر معاہدہ کی تمام

شرائط بلا تاخیر پوری نہ کی گئیں تو وہ تمام دو ہزار سات سو مسلمان قیدیوں کو قتل کرادے گا۔ سلطان نے خیال کیا کہ اگر رچرڈ کو تمام مال وزر، قیدی اور صلیب وغیرہ مل گئی تو پھر وہ یقیناً قیدیوں کو قتل کرادے گا۔ وہ تو محض دھمکی دے رہا ہے۔ لیکن رچرڈ دھمکی نہیں دے رہا تھا۔ ۲۲ راگست ۱۱۹۱ء کو اس صلیبی سردار نے جو اتنی پاکیزگی اور تقدس سے حضرت عیسیٰ کے نام پر ارض مقدس کو آزاد کرنے آیا تھا دو ہزار سات سو مسلمان قیدیوں کو آپس میں بندھوا کر شہر سے باہر Nazareth جانے والی شاہراہ پر لایا اور Tell Aiy adida اور Tell Keisan میں ہر ایک کی گردن مروادی۔ اس پر اس صلیبی جہاد کے ایک شاعر اعظم نے بڑے فخر سے لکھا: ''مبارک ہو خالق حقیقی کی شان اور اس کامرانی پر۔''

اپنے گھر کی سلگتی ہوئی آگ

Acre کے غیر معمولی واقعات سے کچھ مہینے پہلے Eleanor نے اپنے چہیتے بیٹے رچرڈ کو سسلی میں رخصت کیا اور خود روم روانہ ہوگئی۔ وہ ایک نہایت سرکش، بلند حوصلہ اور بے مثال عورت تھی۔ اس کے ہمراہ Rouen کا پادریٔ اعلیٰ بھی تھا جسے مذہبی جنگ کے فرائض سے سبکدوش کردیا گیا تھا تاکہ وہ زیادہ اہم سیاسی خدمات انجام دے سکے Eleanor نے جب رچرڈ کی منگیتر Berengaria کو رچرڈ کے سپرد کیا تھا تو یہ تاکید کی تھی کہ Lent کے زمانہ کے بعد ان دونوں کی شادی کی جائے چاہے وہ کہیں بھی ہوں۔ اس وقت اسے یہ گمان بھی نہ تھا کہ اس وقت یہ دونوں قبرص میں ہوں گے۔ اسے یہ محسوس کرکے اطمینان ہوا ہوگا کہ اس نے کم از کم اس اہم مسئلہ کو تو حل کیا۔ لیکن بادشاہ کی عدم موجودگی میں اس کی اتنی وسیع سلطنت کو سنبھالنا جو اسکاٹ لینڈ سے Pyrenecs تک پھیلی ہوئی تھی بڑا اہم اور مشکل کام تھا۔ لہٰذا یہ ذمہ داری بھی Eleanor پر ہی پڑی یا یوں کہئے کہ اس نے اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر بخوشی یہ بوجھ بھی اُٹھالیا اور اب وہ ایک غیر اہم شہزادی کے بجائے ملکۂ اعظم بن گئی۔ رچرڈ کی واپسی تک اسے بہت سی آگ کی چنگاریوں کو بجھانا تھا۔ اسے سب سے پہلے تو تخت شاہی کے دعویداروں پر قابو پانا

تھا جن میں اس کا چھوٹا بیٹا John سب سے آگے تھا۔ دو سال پہلے رچرڈ نے تخت نشینی کے موقع پر John کے ساتھ غیر معمولی طور پر فراخ دلی کا برتاؤ کیا تھا حالانکہ اسے John کی بے راہ روی اور بزدلانہ حرکتیں پسند نہیں تھیں لیکن پھر بھی وہ اسے انگلستان اس لئے لایا تھا کہ وہ اس کی تخت نشینی میں شریک ہو سکے۔ John سونے کی تلوار ہاتھ میں لے کر رچرڈ کو تاج پہنانے لایا تھا۔ تاج پوشی کی رسم کے بعد رچرڈ نے اپنے بھائی کو متعدد قلعے اور جاگیریں عطا کی تھیں اور چند ہفتوں بعد ہی اسے Wales کی بغاوت کچلنے بھیجا تھا۔ وہ جب کامیاب ہو کر اس مہم سے واپس آیا تو رچرڈ نے اسے مزید علاقہ بطور انعام دیا۔ کچھ سال پہلے ہی لوگ اسے "John San Terre" (جانِ بے ملک) کہہ کر اس کا مذاق اُڑاتے تھے۔ لیکن اس فیاضی کے باوجود رچرڈ نے جان کو اپنا ولی عہد نہیں بنایا جس کا اسے سخت صدمہ تھا چونکہ صلیبی جنگ میں رچرڈ کے مارے جانے کا خاصہ امکان تھا۔ جان نہایت شکی انسان تھا، اسے یہ شک تھا کہ رچرڈ غالباً اس کی جگہ ان کے مرحوم بھائی جعفری کو ولی عہد بنا دے گا، اس سے بھی زیادہ اسے یہ دکھ ہوا کہ رچرڈ نے Wm Longchamp کو Ely کا اعلیٰ پادری بنا کر قوم کے معاملات کی باگ ڈور اس پستہ قد کبڑے پادری کے ہاتھ میں دیدی تھی جس نے یہ مقام پاتے ہی پوپ کو اس پر آمادہ کر لیا۔ کہ وہ اسے تمام انگلستان، ویلز اسکاٹ لینڈ اور آئرلینڈ کے امور کا منتظم بنا دے۔ اور جیسا کہ ایک مورّخ نے لکھا ہے کہ ان خطابات نے اسے اس قابل کر دیا کہ وہ بجائے ایک ہاتھ کے دونوں ہاتھ استعمال کر سکے یعنی جنرل کی تلوار کو St Peter کی تلوار سے بھی مدد ملے۔ Longchamp انگریزی نہیں سمجھتا تھا اور نہ ہی ساری عمر اس نے اسے سیکھنے کی کوشش کی۔ اس کی محض یہی قابلیت تھی کہ وہ رچرڈ کا خاص معتمد تھا اور Aquitaine میں اس کا نائب تھا۔ وہ نہایت ذہین اور سخت گیر تھا۔ یہی وہ اعلیٰ خصوصیات تھیں جو بادشاہ کی غیر حاضری میں اس کی سلطنت سنبھالنے کے لئے ضروری تھیں۔ رچرڈ نے اس خیال سے کہ کہیں اس کی عدم موجودگی میں John اس کے قائم مقام کے امور سلطنت میں دخل انداز نہ ہو ابتداً یہ مطالبہ کیا تھا کہ جان

تین سال کے لئے انگلستان سے باہر رہے لیکن پھر ماں کے اصرار پر اس نے اسے وہیں رہنے کی اجازت دے دی۔ اب رچرڈ کی عدم موجودگی میں John اور Longchamp کے درمیان جھگڑے کا میدان صاف ہو گیا۔ علاوہ ازیں اس ڈرامہ میں ایک تیسرا کردار بھی موجود تھا اس کا نام بھی جعفری تھا۔ یہ اس کے باپ ہنری کا بیٹا تھا جو ایک نامعلوم انگریز عورت کے بطن سے تھا۔ یہ نہایت مغرور، بدطینت، غیر مہذب اور بدچلن شخص تھا گویا اس کی ذلیل پیدائش اس کے حلیہ اور اطوار سے ہی عیاں تھی۔ گو کہ Eleanor اس سوتیلے بیٹے سے سخت بغض و عداوت رکھتی تھی مگر پھر بھی وہ اسے شاہی محل میں رکھنے پر مجبور تھی چونکہ اس نے اپنے والد کا بڑی وفاداری سے ساتھ دیا تھا اور بہت سی بغاوتیں کچلی تھیں۔ اس کے علاوہ اس میں اعلیٰ درجہ کی انتظامی صلاحیت بھی تھی۔ لہذا رچرڈ اور Eleanor یہ جانتے تھے کہ انھیں جعفری کے جائز حقوق کا لحاظ کرنا پڑے گا۔ اس سلسلہ میں خود ہنری کی وصیت ان کے بہت کام آئی۔ اس نے مرتے وقت یہ وصیت کی تھی کہ اس کا یہ ثمر مشق York کا پادری اعلیٰ بنایا جائے۔ لہذا اسے York کا پادری اعلیٰ بنا دیا گیا جس کی بدولت اس کے حکومت پر تمام حقوق ختم ہو گئے اور وہ گویا شمالی علاقہ میں جلاوطن کر دیا گیا۔ اس کے بعد انھوں نے York کے چرچ کی اہمیت کو کم کر دیا۔ یہ حل تو نہایت دانشمندانہ تھا البتہ اس سے کچھ حاصل نہ ہو سکا چونکہ بہت سے پادریوں نے اس کے خلاف احتجاج کیا چونکہ جعفری اس منصب کے لئے قطعاً نااہل و نامناسب تھا۔ وہ فطرتاً مقدس پادریوں کی بہ نسبت شمشیر زنی، شکاری کتوں اور عقابوں کو زیادہ ترجیح دیا کرتا تھا۔ فوراً اس کے خلاف بدچلنی اور رنڈی بچہ ہونے کا پروپیگنڈا کیا گیا۔ پوپ سے متعدد طور پر درخواست کی گئی کہ اسے اس عہدہ سے برطرف کیا جائے۔ جعفری نے رچرڈ سے مدد چاہی اور اس سے صلیبی جنگ کے لئے کافی چندہ جمع کرنے کا وعدہ کیا لیکن جب وہ ایسا نہ کر سکا تو رچرڈ اس سے ناراض ہو گیا۔ درحقیقت رچرڈ کبھی تو اپنے اس سوتیلے بھائی سے نفرت کرتا تھا اور کبھی اسے کارآمد سمجھتا تھا۔ سسلی میں Eleanor نے اسے یہ بری خبر سنائی تھی کہ اس کا بھائی John اور Longchamp دونوں قابو سے باہر ہو گئے

تھے۔ John تو سارے ملک کا دورہ اس طرح کر رہا تھا جیسے کہ اب وہی بادشاہ ہو گیا ہے اور سب سے کہتا پھر رہا تھا کہ اب رچرڈ فلسطین سے زندہ واپس نہ آئے گا۔ اُدھر Longchamp خود کو بادشادہ نہیں بلکہ ڈکٹیٹر (آمر) ثابت کر رہا تھا۔ اس کے سابق دوست Coventry کے بشپ نے اس بارے میں لکھا ہے: ''اس کی ناک کے نتھنے پھولے ہوئے، ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ، بھنویں سکڑی ہوئیں اور آنکھوں میں حقارت کی چمک نظر آتی تھی۔ اس کے جلو میں اتنے خادم، کتے، عقاب اور گھوڑے ہوتے تھے کہ اس اعلیٰ حضرت کی ایک رات کی مہمان نوازی صاحب خانہ کو برسوں کے لئے کنگال کر دیتی تھی۔ اس Ely کے بشپ نے حسب پسند بہت سی زمینوں پر اپنا اور اپنے خاندان کا قبضہ کیا ہوا تھا۔ انگلستان کے معزز سرداروں کے بیٹے اس کے حضور میں گھٹنے ٹیکنے کی ذلت برداشت کرتے تھے۔ اور اس کے دربار میں Norman (فرانسیسی) اور Flaming (ہالینڈ اور بلجیم) کے لوگ تھے جن کا مشغلہ محض انگریزوں کا مذاق اڑانا تھا۔''

چنانچہ Longchamp کے خلاف انگلستان میں نفرت کی لہر دوڑ گئی۔ York Shire کا ایک پادری لکھتا ہے کہ عوام اسے بادشاہ بلکہ اس سے بھی اوپر سمجھتے تھے اور پادری اسے پوپ بلکہ اس سے بھی زیادہ سمجھتے تھے۔'' تیسری صلیبی جنگ کا ایک نامور مورّخ Gerald of cambrilge لکھتا ہے: ''چونکہ وہ خود Norman تھا اس لئے اپنے کو اعلیٰ قوم کا فرد سمجھتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ تو خود کو اللہ میاں کا ہم مرتبہ بنانے کی کوشش میں تھا۔'' وہ مزید لکھتا ہے کہ "Longchamp منحنی، پستہ قد، کبڑا اور جسمانی اور اخلاقی طور سے گرا ہوا تھا۔ وہ لنگڑا تھا اس کی پنڈلیاں ٹیڑھی تھیں۔ بڑے بڑے پاؤں تھے، بڑا سر، سانولا رنگ اور توند تھی۔ اس کے لمبے لمبے بال تھے اور اندر دھنسی ہوئی کالی آنکھیں تھیں اور اس کے چہرے پر ہمیشہ طنزیہ مسکراہٹ رہتی تھی۔ یہ سب دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک کتے اور بندر کی اولاد ہے۔'' ظاہر ہے یہ نارمن Gerald کو ناپسند تھا۔ ۱۱۹۱ء کی گرمیوں میں جب کہ رچرڈ Acre

کی فصیل پر سنگ باری میں مصروف تھا Johnاور Longchamp بالآخر دست بہ گریباں ہو گئے Notting ham کے Johnنے اور Linwolnنے Longchamp کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن بہت سے پادریوں نے بیچ میں پڑ کر ملک کو خانہ جنگی سے بچا لیا۔ تاہم یہ صلح نامہ حال کے بجائے مستقبل کے بارے میں تھا چونکہ اس میں یہ خیال کیا گیا تھا کہ رچرڈ مقدس جنگ میں کام آ جائے گا۔ گو کہ فی الحال تو امن برقرار ہو گیا تھا لیکن جانبین مستقبل کے لئے جب رچرڈ نہ ہو گا قلعوں کو آپس میں بانٹ رہے تھے۔ ادھر سسلی میں رچرڈ اور Eleanor نے یہ نہایت اہم سمجھا کہ جعفری کو York کا اعلیٰ پادری بنا دیا جائے چونکہ یہ نطفۂ حرام پھر بھی انگلستان میں ہر دلعزیز تھا۔ وہ ایک بادشاہ کی اولاد تھا، ایک بادشاہ کا بھائی تھا اور اس کی ماں عوام میں سے تھی اس لئے لوگ اسے پسند کرتے تھے۔ اس کی ہر دل عزیزی Johnاور Longchamp کی غیر ہر دل عزیزی کا توازن بن سکے گی۔ رچرڈ نے Eleanor کو کچھ سربند خطوط دیئے تا کہ وہ ان دونوں کو قابو میں لا سکیں۔ لیکن ان دور دراز فرمانوں کا کیا اثر ہو سکتا تھا۔ انگلستان کا یہ اندرونی جھگڑا صلیبی جہاد کے طے شدہ اقرار نامہ کے خلاف تھا جس کی رو سے تمام عیسائی فرمانرواؤں نے یہ عہد کیا تھا کہ مقدس جنگ کے دوران کسی طرح جھگڑا فساد نہیں کیا جائے گا اور اس جنگ میں شریک ہونے والے حاکموں کی عدم موجودگی سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جائے گا۔ یہ تخیل دوسری صلیبی جنگ کے زمانہ کا تھا۔ اس عہد نامہ کو بوسہ دے کر ثبت کیا گیا تھا۔ Eleanor اور اسکے سابق شوہر شاہ فرانس Louis نے بھی ۱۱۴۷ء میں Gissor کے مقام پر یہ قسم کھائی تھی۔ پھر رچرڈ اور فلپ نے بھی Vezelay سے کوچ کرنے سے قبل ۱۱۹۰ء میں یہی صلح کی تھی۔ اب Eleanor بھی یہی آلۂ کار لے کر روم روانہ ہوئی۔ Johnاور Longchamp نے اس کی خلاف ورزی کی تھی اور وہ یہ چاہتی تھی کہ اس کے پیش نظر پوپ ان کو حکم دے کہ یہ جھگڑے فساد بند کریں چوں کہ ان سے مقدس جنگ میں خلل پڑ رہا ہے۔ Eleanor اس دائمی شہر خاص اس دن پہنچی جبکہ ۸۰ سالہ Bobo نامی

پادری 111 Pope Coles time بنایا جارہا تھا۔ یہ شخص Thomas Becket کے قتل کے زمانے میں روم میں اعلیٰ پادری رہ چکا تھا اور لئے وہ بادشاہ اور بشپ کے درمیان مخالفت کے خطرات اور فوائد سے اچھی طرح واقف تھا۔ بے شک وہ صلیبی جنگ کا دل وجان سے حامی تھا لیکن اسے ان جھگڑالو فریقین کے بارے میں بھی کوئی غلط فہمی نہیں تھی۔ جیسا کہ اس نے بعد میں کہا ہے کہ یہ سب خوفِ خدا یا مذہبی جوش میں ایسا نہیں کر رہے تھے بلکہ ان کا غرور اور حرص اس حرکات کی وجوہ تھیں۔ تاہم پوپ نے Eleanor کی درخواست منظور کی اور جعفری کو York اور Rouen کا پادری اعلیٰ بنا دیا۔ اس کی بدولت وہ Longchamp سے منصب واختیارات میں اونچا ہوگیا چونکہ Longchamp تو محض Ely ہی کا پادری اعلیٰ تھا۔ رچرڈ کے سربند خطوط اور پوپ کے فرمان نے Eleanor کے ہاتھ اتنے مضبوط کر دیے کہ اب وہ رچرڈ کی نمائندہ خاص بن گئی۔ اس طرح اُن اختیارات سے لیس ہو کر وہ روم سے روانہ ہوئی اور تیزی سے الپس کے پہاڑوں سے گزر کر گرمیوں میں Rouen کے قلعہ میں اطمینان سے جا بیٹھی جہاں سے وہ یورپ میں اپنی سلطنت اور خلیج پار انگلستان پر نظر رکھ سکتی تھی۔ حالانکہ رچرڈ اپنے مستعد نائب Longchamp کی بعض حرکات پر قابو رکھنا چاہتا تھا لیکن اس کا یہ مقصد نہیں تھا کہ اس کے اختیارات کم کر دیے جائیں۔ اس نے ۶ اگست کو جب کہ وہ صلاح الدین سے Acre کے سلسلہ میں مذاکرات کر رہا تھا Longchamp کو اس بارے میں لکھا بھی تھا۔ اس وقت اس نے اپنی قبرص اور Acre کی فتوحات کا بڑے فخر سے ذکر بھی کیا تھا اور لکھا تھا کہ وہ مرقد مقدس اور یروشلم کو ایک بار پھر عیسائیوں کے لئے فتح کر کے Lent کے زمانہ میں انگلستان واپس آ جائے گا۔ ادھر جعفری Aleanor کے ہمراہ پوپ کے فرمان سے مسلح ہو کر انگلستان روانہ ہوا۔ لیکن Longchamp کے جاسوسوں نے اسے نارمنڈی میں ہی روک لیا اور خلیج انگلستان پار کرنے کی اجازت نہ دی اور یہ دعویٰ کیا کہ بادشاہ نے ارض مقدس روانہ ہونے سے پہلے یہ حکم دیا ہے کہ جعفری تین سال تک انگلستان نہ جائے۔ ہر چند جعفری نے یہ

احتجاج کیا کہ بادشاہ کے موجودہ احکامات مختلف ہیں مگر انھوں نے کچھ نہ مانہ تاہم جعفری نے ان کی مرضی کے خلاف خلیج پار کی اور Dover پہنچا جہاں اسے فوراً ہی گرفتار کرلیا گیا۔ اس گرفتاری کی نوعیت بھی بہت بری تھی۔ جعفری بہ حیثیت پادری اعلیٰ کے سینٹ مائیکل کی خانقاہ میں پناہ لے چکا تھا جہاں پولیس نے اس کا محاصرہ کیا اور پانچ دن کی جھڑپوں کے بعد وہ خانقاہ توڑ کر گھس آئے اور عین چرچ کی عبادت کے وقت اسے منبر پر ہی پکڑلیا اور اسے بشپ کے لباس ہی میں گلی کوچوں سے گھسیٹ کر Dover کے قلعہ میں لے جا کر بند کر دیا۔ عوام نے ہر چند احتجاج کیا لیکن ان کی کوئی سنوائی نہ ہوئی۔ اس چیرہ دستی پر John کو وہ سنہری موقع ہاتھ آ گیا جس کا اسے عرصہ سے انتظار تھا۔ اس نے جعفری کی رہائی کا مطالبہ کیا جسے Longchamp نے منظور کرلیا پھر بھی اس نے جعفری کی قید کو خاص بہانہ بناتے ہوئے اور بھی بہت سے الزامات Longchamp پر لگائے اور اس کے خلاف ملک بھر کو بھڑکانا شروع کر دیا۔ خاص طور پر Coventry کے بشپ نے کہا کہ ''اس شخص اور اس کے ساتھیوں نے ملک ایسا لوٹا ہے کہ نہ کسی عورت کا ہار نہ کسی امیر کی انگوٹھی اور نہ کسی یہودی کی کوئی قیمتی شے چھوڑی ہے۔ انھوں نے خزانوں کو دو سال میں ایسا خالی کیا ہے کہ وہاں کنجیوں کے سوا اور کچھ باقی نہیں ہے۔'' جب یہ تحریک بڑھی تو Longchamp نے بھاگ کر لندن کے مینار میں پناہ لی اور ہر طرح کے شور وغل سے ان الزامات کے خلاف احتجاج کیا لیکن عوام کے شور میں اس کی آواز ڈوب گئی۔

اس نے ہر چند کہا کہ جعفری کو اس کی اجازت یا علم کے بغیر گرفتار کیا گیا تھا اور نیز یہ کہ وہ شاہی خزانہ کی ایک ایک پائی کا حساب دینے کو تیار ہے۔ پھر اس نے ایمانداری سے یہ اعتراف بھی کیا کہ اسے عوام سے بڑھ کر بادشاہ کا خوف ہے لیکن وہاں کوئی سنوائی نہیں ہوئی۔ لوگوں نے نعرے مارے کہ یہ تمام بربادی کی جڑ ہے اسے ختم ہی کر دو۔ کچھ نے انجیل کا حوالہ دیا کہ ''اسے کچل دو اس سے قبل کہ یہ تمہیں کچلے۔ جب اس نے ایک سرسبز درخت کا یہ حال کیا ہے تو پھر یہ خشک درخت کا کیا حال کرے گا۔'' پھر مقامی سرداروں اور اعلیٰ پادریوں پر مشتمل عدالت میں

11 Longchamp پر مقدمہ چلایا گیا جو قانونی اعتبار سے منظم اور درست تھا جس کی بنیاد Henry نے رکھی تھی۔ John نے بھی خود پر قابو رکھا اور مقدمہ کو بغیر گڑبڑ کے جاری ہونے دیا۔ اس نے صورت حال کو بخوبی سمجھ لیا تھا۔ اسے ججوں کے جذبات کا خوب اندازہ تھا اس لئے وہ اپنے جذبات کی رو میں حد سے آگے نہیں بڑھا۔ اسے احساس تھا کہ یہ مقدمہ Longchamp کے ساتھ ساتھ اس کے حق میں بھی اثر انداز ہو سکتا ہے۔ Longchamp کے مقدمہ کا فیصلہ ظاہر ہی تھا۔ رچرڈ کے سسلی کے خطوط میں سے جب ایک کھولا گیا تو صاف لکھا تھا کہ اگر Longchamp شاہی وزرا کی منشا کے خلاف کام کرے تو اسے برخاست کر دیا جائے۔ اور اس کی جگہ Rouen کا پادری اعلیٰ (رچرڈ کا سوتیلا بھائی جعفری) کا تقرر کیا جائے۔ لہٰذا Longchamp کو برخاست کیا گیا اور اسے قوم وملت سے بھی خارج کر دیا گیا۔ اب John نے اپنے ذاتی معاملہ کی طرف توجہ کی جو اس کے دل سے سب سے زیادہ قریب تھا۔ عدالت نے لندن کے شہریوں کے اتفاق سے یہ فیصلہ کیا کہ اگر رچرڈ مقدس جنگ میں لاولد مارا جائے تو John انگلستان کے تخت کا جائزوارث قرار دیا جائے گا۔ Longchamp عدالتی فیصلہ کے وقت حاضر نہ تھا وہ Dover فرار ہو گیا تھا۔ پہلے تو اس نے اس ذلت سے نکلنے کے لئے کچھ دیر یہ سوچا کہ وہ بھی صلیب تھام کر اس مقدس تحریک میں شامل ہو جائے لیکن اس کے بجائے اس نے یہ طے کیا کہ روم جا کر اس بے انصافی کے خلاف احتجاج کرے چونکہ وہاں اب بھی اس کے بہت سے ہمدردی تھے۔ لیکن وہ اس ملک سے باہر کیسے نکلے؟ چنانچہ اس نے اپنے پادریوں کے مقدس لبادہ کو اتار کر عارضی طور پر عورت کا بھیس بدلا اور ایک سبز چادر اور لمبی سی نقاب نما ٹوپی پہن کر کسی جانے والی کشتی کی تلاش میں ساحل سمندر پہنچا۔ بعد میں Coventry کے پادری نے اس منظر کا دل سے مذاق اڑایا ہے۔ ''اس نے عورت کا بھیس بدلا۔ اس صنف کا جس سے اسے ہمیشہ نفرت تھی۔ ایک پادری کا لباس اتار کر ایک رنڈی کے کپڑے پہنے۔ تف اس پر ایک مرد عورت بن گیا۔ ایک پادری رنڈی کا اور ایک اعلیٰ راہب مسخرہ

ہو گیا۔" جبکہ Longchamp ایک پتھر پر بیٹھا کشتی کا انتظار کر رہا تھا ایک مچھیرا ادھر سے گزرا اور بقول Coventry کے پادری کے وہ کچھ گرمائی کی تلاش میں اس سے بغل گیر ہونے لگا۔ اس کھینچاتانی میں عورت کی نقاب گر گئی اور دفعتاً اسے سابق وزیر اعلیٰ کی گندمی شکل نظر آئی جسے دیکھ کر بیچارہ مچھیرا کود پڑا اور اس نے شور مچایا "آؤ لوگو میں تمہیں ایک معجزہ دیکھاؤں۔ مجھے ایک ایسی عورت ملی ہے کہ جو مرد ہے۔" لہذا وہاں فوراً ایک بھیڑ جمع ہو گئی۔ بہت سی عورتیں اس کی سبز چادر خریدنا چاہ رہی تھیں۔ اور لوگ طرح طرح کے سوال کر رہے تھے لیکن Longchamp کو انگریزی نہیں آتی تھی اس لئے وہ خاموش رہا۔ اس کی خاموشی سے لوگ اور بھی مشتعل ہوئے اور صورت حال نازک ہو گئی۔ کسی نے نعرہ مارا کہ اس خبیث کو سنگسار کر دیا جائے لیکن اس کے بجائے وہ اسے گھسیٹ کر شہر کے گلی کوچوں سے گزرتے ہوئے Dover کے قلعہ لے گئے جہاں اسے عین اسی حوالات میں بند کر دیا گیا جہاں اس سے قبل جعفری کو بند کیا گیا تھا۔ تاہم بالآخر وہ کسی نہ کسی طرح یورپ پہنچ گیا۔ جہاں وہ کچھ عرصہ تک فساد برپا کرتا رہا۔ منجملہ اور باتوں کے اس نے رچرڈ کو John کی سازشوں اور تدابیر سے بھی آگاہ کیا کہ وہ اس کے تخت پر قبضہ کرنا چاہتا ہے اور اس نے رچرڈ سے درخواست کی کہ اسے پھر بحال کیا جائے۔ اس سلسلہ میں اس نے بالخصوص اپنے سابق دوست Coventry کے پادری کے خلاف زہر اگلا۔ اس نے لکھا کہ "ایسے پادری سے سب کو بچنا چاہیے چونکہ ایسی بیمار بھیڑ کہیں خدا کے سارے گلے کو ہی بیمار نہ کر دے۔"

اس میں شک نہیں کہ اس دور کے تعلیم یافتہ حضرات مخالفوں کی بے عزتی کرنے میں طاق تھے۔ لیکن کسی کی بے عزتی یا غیبت Longchamp کے کام نہ آئی اور وہ پھر اس منصب پر بحال نہ ہو سکا اور تاریخ سے روپوش ہو گیا۔ لیکن ان واقعات کا رچرڈ پر برا اثر ہوا۔ اس کا بھائی John اب اتنی طاقت پکڑ چکا تھا کہ اس کی حکومت میں خلل انداز ہو سکے۔ اب رچرڈ کا "دست آہن" اس کے وطن مالوف میں بے اثر ہو چکا تھا اور "صلح الٰہی" کے عہد نامہ کی بھی کوئی

وقعت نہیں تھی۔ اس کے لئے اب انگلستان کی کشش بہت طاقتور ہوگئی تھی۔ اگر اس نے فوراً ان مسائل کا سدِ باب نہ کیا تو وہ سب کھودے گا اور بے گھر ہو جائے گا۔ یہ سب بری خبریں اسے رفتہ رفتہ فلسطین میں ملتی رہیں اور جبکہ وہ Acre کی فتح کی خوشیاں منا رہا تھا تو اس نے سوچا ہوگا کہ کیا یہ سب صعوبتیں اس قابل ہیں کہ اپنا سارا مال و متاع اور مستقبل کھو دیا جائے؟ Acre کی فتح کے چند ہفتوں بعد ہی قسمت کی ایک اور ایسی ضرب کاری پڑی جس نے اس کے خطرات کو کئی گنا بڑھا دیا۔

مالِ غنیمت: یہ تو حقیقت ہے کہ انگریزی اور فرانسیسی زبردست افواج کی آمد سے ہی Acre فتح ہو سکا۔ لیکن شہر ہاتھ آتے ہی رچرڈ اور فلپ نے نہایت بے نیازی اور چیرہ دستی سے سارا مالِ غنیمت آپس میں ہی بانٹنا شروع کر دیا گویا ان کے خیال میں اس فتح میں کسی اور کا حق نہیں تھا۔ دونوں بادشاہوں نے بے شرمی کے ساتھ باقی کمزور شرکاء کو بالکل نظر انداز کر دیا اور اس حقیقت کا بھی خیال نہ کیا کہ اس مال میں بہت سا حصہ ان شرکاء کی ملکیت تھی۔ انھوں نے یروشلم کی سلطنت کے مقامی سرداروں کے ان دعووں کا مذاق اُڑایا کہ انہوں نے چار سال پیشتر اپنی املاک صلاح الدین کے ہاتھوں کھودی تھیں اور متواتر عیسائیت کو برقرار رکھنے کے لئے سخت جنگیں کی تھیں اور دو سال تک بے حد خطرات اور مصائب کا سامنا کرتے ہوئے یورپ سے آنے والی کمک کا انتظار کیا تھا۔ اور اب ان دونوں بادشاہوں نے اٹلی، جرمنی، بیلجیم اور آسٹریا کے سپاہیوں کا حق بھی نہ مانا۔ انگریز سپاہیوں کے جرمن فوج کے باقی ماندہ سپاہیوں کے ساتھ حقارت آمیز برتاؤ کا نتیجہ بہت برا نکلا۔ Fredrik Barbarossa کی موت کے بعد اس کے سوتیلے بھائی Leopold نے جو آسٹریا کا ڈیوک تھا باقی فوج کی کمان لی اور جلدی سے Acre پہنچا تاکہ وہاں کی جرمن فوج کو سنبھالے۔ فتح کی خوشی میں جرمنوں نے ایک اہم عمارت پر اپنا سرخ سپید پرچم لہرا دیا جسے انگریزوں نے فوراً اتار کر دھجیاں کر کے گندی نالی میں پھینک دیا اور جرمن سپاہیوں

پر خوب قہقہے لگائے۔ اس کے بعد شہر کے دروازوں پر پہرے لگادیئے گئے اور شہر میں صرف انگریزوں اور فرانسیسیوں کو ہی داخلے کی اجازت تھی اور سب کو غیر معمولی سختی سے روکا گیا۔ یہاں تک کہ (۱۳) تیرہ غیر انگریز یا غیر فرانسیسی سپاہیوں کے پاؤں قلم کردیئے گئے چونکہ وہ بغیر اجازت شہر میں داخل ہوگئے تھے۔ بے ایمان اور لالچی انگریز اور فرانسیسی منشیوں نے دوسروں کے دعووں کی قطعاً پروا کئے بغیر اطمینان سے مال غنیمت کی ناپ تول کی اور دونوں بادشاہوں میں برابر سے تقسیم کیا اور اس خانہ میزان سے باہر تمام لوگ خالی ہاتھ رہ گئے۔ کوئی تعجب نہیں کہ اس مغرورانہ روّیہ سے سخت نفرت پھیلی، اپنے جھنڈے کی بے حرمتی اور اپنے سپاہیوں کی زبردست قربانیوں کا مذاق اُڑاتے ہوئے دیکھ کر ڈیوک لیو پولڈ نے اپنی فوج کے ساتھ اس مہم کو خیر باد کہا اور اس کے انتقام کا وعدہ کیا اور کہا کہ رچرڈ کی رگوں میں وحشی Vikings کا خون رواں تھا۔ بالآخر سب سرداروں نے متحد ہو کر بادشاہوں پر زور ڈالا کہ یہ معاملہ مجلس شوریٰ میں طے کیا جائے تب بڑی مشکل سے یہ جھگڑا طے ہوسکا۔ یہ مجلس Templars کے قلعہ میں منعقد کی گئی۔ ایک سردار نے کہا کہ عربوں نے ہماری جائیداد و ملکیت چھینی، تم یہاں ہماری مدد کو آئے تھے۔ یہ حق وقانون کے مترادف ہے کہ تم اب ہمارے حقوق ہمیں دو۔ ہم تم سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ تم ہماری حق تلفی نہ کرو۔ سب سے پہلے فلپ نے اس ناانصافی کو تسلیم کیا۔ اس نے کہا کہ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے تو میں تو صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہم یہاں کسی کی زمین یا جائیداد پر قبضہ کرنے نہیں آئے ہیں ہم تو یہاں خدا کے نام پر اپنی آخرت بچانے آئے ہیں اور اس لئے آئے ہیں کہ یروشلم کی سلطنت کافروں سے واپس لے لیں۔ اب چونکہ خدائے تعالیٰ نے ہمیں یہ شہر دے دیا ہے تو یہ درست نہیں کہ ہم اسے اس کے جائز ورثاء سے چھین لیں۔ اہل مجلس نے اسے تسلیم کرلیا اور مقامی سرداروں کے لئے مکانات پر قبضہ کرنے کے انتظامات کردیئے گئے بشرطیکہ ان کے موجودہ انگریز قابض انہیں خالی کردیں۔ فلپ ویسے بھی اس گرم وخشک ملک میں رہنے سے عاجز ہوگیا تھا۔ تاہم شکایات جاری رہیں۔ اٹلی کے ایک شخص نے لکھا: ''چرچ اور آئندہ نسلیں یہ فیصلہ کریں گی کہ کیا

بادشاہوں کے یہ شایان شان تھا کہ انہوں نے بے شرمی سے اس مال پر قبضہ کر لیا جسے دوسروں نے دو سال تک اپنے خون پسینہ سے بچایا تھا۔ بجائے اپنے مفاد کے انہیں یہ سوچنا چاہیے تھا کہ ان مقدس میدانوں میں دوسروں کی ہڈیاں سپید ہو رہی ہیں۔ یہ ان کی فتح نہیں یہ تو خدا کی دین ہے۔"
اس بیان کی سنجیدگی کا اظہار اس سے بھی ہوتا ہے کہ Acre کے ارد گرد قبرستانوں میں ہزاروں سپاہی دفن تھے جو شمشیر سے نہیں طاعون اور قحط سے مارے گئے تھے۔ چنانچہ فتح کی شادمانی غم واندوہ میں تبدیل ہوگئی۔ اگر Acre کی فتح نے عیسائی لشکر کو متحد کر دیا ہوتا تو غالباً جلد ہی وہ آگے بڑھ کر یروشلم بھی فتح کر لیتے۔ لیکن رچرڈ کی مال و دولت کی حرص اور دوسروں کو حقیر و کمتر سمجھنے نے اتحاد کے نازک رشتہ کو توڑ دیا۔ فلپ پھر پیچش کا شکار ہو گیا اور کسی طرح وہاں سے نکلنے کے بہانے ڈھونڈ ھنے لگا۔ ایک مہینہ پہلے ہی وہ اپنے سر کے بال کھو چکا تھا اور اب وہ نیم بے ہوشی کے عالم میں تھا اور خود پر قابو کھو چکا تھا۔ ایک فرانسیسی مورخ نے اس نازک حالت کو اس طرح بیان کیا ہے: "رچرڈ فلپ کی عیادت کے بہانے سے آیا اور اس نے اس کا دل توڑ کر اسے مارنا چاہا۔ اس نے رسمی مزاج پرسی کے بعد فلپ سے پوچھا کہ اپنے بیٹے کی المناک خبر پر تم نے کیسے قابو کیا؟ فلپ نے گھبرا کر پوچھا کیسی خبر؟ رچرڈ نے کہا کہ اسی لئے تو میں یہاں آیا ہوں کہ تمہارا بیٹا Louis مر گیا ہے۔" س کا جواب انگریز مورخین نے یوں دیا ہے: "دراصل فلپ نے اپنے کاتبوں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ فرانس سے آئے ہوئے سرکاری مکتوب میں یہ اضافہ کریں کہ بادشاہ سے درخواست ہے کہ اس کا بیٹا اور سلطنت کا جانشین سخت بیمار ہے اس لئے وہ جلد از جلد ملک واپس ہو۔" دراصل یہ سب صرف پروپیگنڈا ہے جو جنگ کے بہت بعد ایک دوسرے کو بدنام کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔ لیکن اس کا ثبوت یہ ہے کہ فلپ کا چار سالہ لڑکا اسی زمانہ میں پیچش میں مبتلا ہوا تھا جبکہ فلپ بھی Acre میں بیمار تھا۔ لیکن یہ قرین قیاس نہیں کہ رچرڈ اور فلپ کو ہزاروں میل دور اس کی اطلاع ملتی۔ اس پروپیگنڈہ کو مذہبی رنگ دیتے ہوئے فرانسیسی ذرائع نے لکھا ہے کہ St Lazarre کے جلوس کے موقع پر تمام خرد وکلاں نے Louis کی صحت یابی کی دعا مانگی اور

جب بیمار بچے نے گرجا گھر میں صلیب اور دیگر مقدس اشیاء کو بوسہ دیا تو وہ ایک دم اچھا ہو گیا اور ساتھ ہی اس کا باپ فلپ بھی فلسطین میں تندرست ہو گیا۔ خیر کچھ بھی ہوا یہ حقیقت ہے کہ فلپ کی حالت واقعی بہتر ہونے لگی اور مزید۔ لات ایسے ہوئے کہ اسے ارض مقدس سے واپسی کا بہانہ مل گیا۔ Acre کی فتح کے بعد یہ فتنہ پھر رونما ہوا کہ فتح کے بعد یروشلم کے تخت کا حقدار کون ہوگا۔ غالباً یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس کا پشت پناہ فرانس کا بادشاہ کمزور ہے اور وہ زیادہ دن وہاں نہیں رہے گا Count of Montferrat (کاؤنٹ آف مونفرا) Conrad رچرڈ کے حضور میں حاضر ہوا اور اس کے سامنے گھٹنوں پر گر کر گڑگڑا کے معافی مانگی اور یہ درخواست کی کہ اس معاملہ کو طے کرا دیا جائے۔ لامحالہ رچرڈ اور فلپ نے اپنے امیدواروں کے حق میں خاصی ردّو کد کی۔ رچرڈ نے فلپ کی ملامت کی کہ اس نے اپنی موت یا واپسی کی صورت میں آئندہ تمام فتوحات اور قیدیوں کو رکھنے کے حقوق Conrad of Montferrat کو دے دیے۔ اس نے سب کے سامنے کہا کہ تم جیسے اعلیٰ مرتبہ شخص کے یہ شایانِ شان نہیں کہ وہ ان چیزوں کو عطا کر دے یا ان کا وعدہ کرے جو ہنوز اس کے قبضہ میں نہ ہوں۔ اور اگر تم فتح کر بھی لو تو تمہیں یروشلم کی سلطنت Guy کو دینی پڑے گی چونکہ وہی اس کا حق دار بادشاہ ہے۔ یاد رکھو تم نے Acre تنہا فتح نہیں کیا اور ایک ہاتھ تنہا کسی کو کوئی چیز نہیں بخش سکتا جو خدا نے دو ہاتھوں کو دی ہو۔ خیر کم از کم رچرڈ نے سب کے سامنے خدا کا نام تو لیا۔ آخر معاملہ تو طے ہو گیا لیکن دونوں بادشاہوں کے کھلے عام جھگڑے کا سب پر برا اثر ہوا۔ طے یہ ہوا کہ رچرڈ کا نمائندہ Guy جس نے Acre کے محاصرہ میں بڑی شجاعت اور جفاکشی سے خدمات انجام دی تھیں، یروشلم کے تخت و تاج کا وارث ہوگا لیکن اس کی موت کے بعد یہ حق Conrad اور اس کے ورثاء کو ملے گا۔ اس کے علاوہ Conrad کو اس کی سابقہ Sidon'Tyre اور بیروت کی سلطنت ملے گی اور Guy کے بھائی Jeoffrey کو Jaffa اور Escalon دیئے جائیں گے بشرطیکہ یہ تمام علاقے صلاح الدین سے چھینے جا سکیں۔ موجودہ عیسائی حکومت کے علاقوں کی

آمدنی دونوں فریقوں میں برابر تقسیم کی جائے گی۔ گوکہ Conrad اور Guy دونوں نے گھٹنوں پر گر کر قسم کھائی کہ وہ اس معاہدہ کی پابندی کریں گے لیکن ان جھگڑوں کا متحدہ محاذ پر برا اثر ہوا۔ Acre کی فتح کے دس دن بعد ہی ۲۲ر جولائی ۱۱۹۱ء کو Guy کے سفیر Duke of Beauvais اور Bishop of Burgundy رچرڈ کے حضور میں حاضر ہوئے اور فلپ کے نہ آنے کی معذوری کی معافی مانگی کہ وہ سخت علیل تھا۔ لیکن رچرڈ ان کے گڑگڑانے اور شرمندہ رویہ سے تاڑ گیا کہ ان کا مطلب کیا تھا۔ اس نے کہا تمہارا آقا گھر جانا چاہتا ہے اور تم میری اجازت لینے آئے ہو۔ وہ سمجھ گیا کہ فلپ نے خود اس کے پاس آنے کی جرأت نہیں کی تھی۔ بادشاہ کے دونوں نمائندوں نے بڑے جوش و خروش سے خوب جھک جھک کی اور کہا کہ اگر ان کا بادشاہ یہاں اور رہا تو وہ یقیناً مر جائے گا۔ ادھر اسے اپنے بیٹے اور تخت حکومت کی بھی فکر ہے۔ علاوہ اس کے اس نے Flanders کے لئے سخت انتظامات کئے تھے، ان پیچیدہ اور اہم مسائل کو اس کی ذاتی توجہ کی فوری ضرورت ہے۔ رچرڈ ان دلائل کو خاموشی سے سنتا رہا۔ اس وقت شاید اس کا دماغ خود اس کے اپنے مسائل کی طرف ہو گیا ہوگا۔ انگلستان، نارمنڈی اور انجو کی طرف۔ اپنے بھائی John اور Longchamp کی سازشوں اور مظالم کی طرف۔ یہ بھی ایسے ہی اہم مسائل تھے، جنہیں نظر انداز کر کے وہ اس مقدس جنگ میں لگ گیا تھا۔ اس نے Vezelay اور Gisors میں کئے ہوئے عہد کو بھی یاد کیا ہوگا جبکہ اس نے دنیاوی مسائل کو پس پشت ڈال کر وردیوں پر صلیب مقدس کا نشان لگوایا تھا اور شہادت کے امکان کو قبول کیا تھا۔ آخر اس نے کہا: ''اگر تمہارا بادشاہ اس مہم کو پایہ تکمیل تک پہنچائے بغیر واپس ہو جائے تو یہ اس کے لئے شرم و ذلت کی بات ہوگی۔ لیکن اگر اسے یہی طے کرنا ہے کہ آیا وہ یہاں مارا جائے یا گھر لوٹ جائے تو وہ ایسا ہی کرے جو اس کا دل کہے'' غالباً رچرڈ نے یہ احساس کیا کہ اب مزید مذاکرات کی گنجائش نہیں۔ شاید اس نے سوچا ہو کہ ''خس کم جہاں پاک۔'' فلپ کی واپسی کی خبر تمام لشکر میں جلد ہی پھیل گئی جس سے خاصی بد دلی پھیلی۔ دوسرے ہی دن اس کے پاس بہت سے سردار آئے اور

انہوں نے اس سے التجائیں کیں کہ وہ اس طرح سابقہ بادشاہوں اور آنے والی نسلوں کی نام ونمود کو دھبہ نہ لگائے چونکہ اس سے زیادہ اور کوئی قابل شرم حرکت نہیں ہوگی۔ لیکن فلپ پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ ایک ہفتہ بعد اس نے پھر رچرڈ کی منظوری حاصل کرنے کی کوشش کی، چونکہ رچرڈ کے پاس بھی اس کا کوئی حل نہیں تھا اور وہ اس بزدل ساتھی سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا اس نے فلپ سے صرف یہ وعدہ لیا کہ وہ اس کی غیر حاضری میں کسی طرح اس کی ملکیت کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔ فلپ نے انجیل مقدس پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ وہ ایسا نہیں کرے گا اور اس کی واپسی پر بھی چالیس دن تک اپنے عہد پر قائم رہے گا۔ اصولاً تو یہ عہد خدائے تعالیٰ کے روبرو ہی کیا گیا تھا لیکن عملاً جیسا کہ بنی نوع انسان کی روایات ہیں، یہ جلد ہی نظر انداز کر دیا گیا۔ کوچ کرنے سے پہلے ہی فلپ نے Acre کے مال کا آدھا حصہ اور قیمتی مسلمان قیدی جن میں کاراکش بھی تھا Conrad کو دے دیئے اور اپنی فوج کی کمان Duke of Burgundy کے سپرد کی اور اسے بھی مال غنیمت کا ایک بڑا حصہ عطا کیا۔ اس طرح بے عزت ہو کر اور پہلے سے زیادہ غریب ہو کر فرانس کے بادشاہ نے پانچ جہازوں کے ساتھ ارض مقدس کو خیر باد کہا۔ ان پانچ جہازوں میں سے بھی دو جہاز اس نے رچرڈ سے قرض لئے تھے۔ اس وقت اس کی ہیئت ایسی تھی کہ اس کے سر کے بال گر رہے تھے، جبڑوں کا گوشت لٹک رہا تھا اور ہر طرف سے نفرت اور لعنت کی بوچھاڑ ہو رہی تھی جس سے ساری فضا مکدر تھی۔ رچرڈ نے گھر ایک خط میں لکھا: ''اس نے نہایت کمینگی سے اس مقدس مہم کو چھوڑا۔ اور خدا سے عہد شکنی کر کے خود کو اور اپنے ملک کو ہمیشہ کے لئے ذلیل وخوار کیا۔'' خیر فلپ کے سفر کا پہلا حصہ تو بغیر کسی ناخوشگوار واقعہ کے گزرا۔ اس نے Antioch سے گزر کر دریائے Salef پار کیا جہاں جرمن شہنشاہ باربروسہ ڈوبا تھا۔ پھر وہ اس ساحل سے گزرا جہاں روایات کے مطابق تین بادشاہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش پر نوزائیدہ بچے کے لئے سونا، عطر اور دیگر خوشبویات کے تحفے لائے تھے۔ لیکن جب وہ اناطولیہ کی خلیج میں داخل ہوا جہاں اس سے پہلے رچرڈ کے جہاز بھی پھنس چکے تھے اور طوفان نے ملکہ Berengaria کے جہاز کو قبرص کے

ساحل تک پہنچا دیا تھا اس کا بیڑہ بھی شدید طوفان کا شکار ہو گیا۔ اس کے سردار خوفزدہ ہو کر اس کے گرد جمع ہوئے۔ ان کا خیال تھا کہ یا تو شیطان کا سر اوپر کی طرف ہے یا پھر سمندری اژدھا اپنے بھیانک سیاہ دہانہ میں انہیں نگلنا چاہتا ہے۔ فرانسیسی مورخوں کے مطابق فلپ نے ان بزدلانہ خیالات کی مطلق پروانہ کی اور کہا Juvenal کے یہودی ہی ان باتوں پر ایمان رکھتے ہیں میں تو نہیں۔ پھر اس نے اطمینان سے پوچھا کہ کیا وقت ہے؟ جواب دیا گیا آدھی رات ہے۔ اس نے کہا کہ اگر ایسا ہے تو فکر نہ کرو۔ اس وقت ہمارے ۔۔ میں راہب بیدار ہو چکے ہوں گے اور ہماری سلامتی کی دعا مانگ رہے ہوں گے۔ اس کے کچھ دیر بعد ہی طوفان رُک گیا اور وہ خیریت سے Brindisi پہنچ گیا۔ شاہی قافلہ رومؔ سے گزرا جہاں فلپ نے پوپ سے رچرڈ کی بدسلوکی کی شکایت کی اور نہایت ڈھٹائی سے دعویٰ کیا کہ رچرڈ نے اسے جہاد چھوڑنے پر مجبور کیا ہے۔ اس نے التجاء کی کہ اس نے رچرڈ کی عدم موجودگی میں اس کی زمینوں پر حملہ نہ کرنے کی جو قسم کھائی ہے اس سے اُسے آزاد کر دیا جائے۔ اس کے اس برتاؤ سے پوپ سمجھ گیا کہ مقدس جنگ کے یہ جانباز نہایت ذلیل اور بے ایمان ہیں۔ تاہم اس نے بادشاہ سے مصافحہ کیا اور اسے صلیب پہنائی۔ لیکن اس نے حقارت آمیز لہجہ میں فلپ کو تنبیہ کی کہ وہ صلح کے اس عہد کو نہ بھولے جو اس نے خدا سے کیا ہے ورنہ اسے عیسائیت سے خارج کر دیا جائے گا اور یہ بہتر ہے کہ وہ صیہونؔ میں جہاد کرنے والے بادشاہ کے خلاف ہاتھ نہ اُٹھائے۔ تاہم رومن شہنشاہ نے فلپ کے ساتھ بہتر سلوک کیا چونکہ وہ آسٹریا کے ڈیوک اور قبرص کے بادشاہ Comnenus کا رشتہ دار تھا۔ فلپ نے شہنشاہ کو خوب بڑھا چڑھا کر کہانیاں سنائیں کہ رچرڈ نے اس کے رشتہ داروں کی کیسی بے عزتی کی تھی۔ شہنشاہ نے فلپ کو یقین دلایا کہ اگر وطن جاتے ہوئے واپسی پر رچرڈ مقدس رومن علاقوں سے گزرا تو اسے پکڑ لیا جائے گا۔ اب ارض مقدس کی آزادی کی مہم میں رچرڈ شیر دل تنہا کھڑا تھا۔

فوج کے Acre سے کوچ کرنے سے پہلےؔ رچرڈ شہر کی فصیلوں کی مرمت کرانے میں مصروف ہوا۔ اس نے انہیں غیر معمولی طور پر بلند کرایا۔ بہ حیثیت ایک فوجی انجینئر کے وہ بے

مثال تھا۔ وہ مسلسل نقل و حرکت کا پتلا بن گیا تھا۔ کبھی ادھر کبھی اُدھر، ہر جگہ اور ہر وقت مزدوروں اور معماروں کو زیادہ سے زیادہ محنت کرنے پر اکسا رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی گوپھنیں اور دیگر حصار شکن آلات پوری احتیاط سے صندوقوں میں رکھوائے جا رہے تھے۔ جوں جوں دن گذرتے جا رہے تھے اسے یہ خدشہ تھا کہ اس عیاشی کے ماحول میں جہاں صنف نازک کی بہتات تھی اور جذبات پر قابو رکھنا دشوار تھا کہیں اس کے سپاہی بالکل ہی بے قابو نہ ہو جائیں۔ آخر اس نے ان عیش پرست مجاہدین کو حکم دیا کہ وہ شہر کے باہر میدان میں خیمے لگائیں جہاں صرف دھوبنوں کو ہی جانے کی اجازت تھی۔ چار و ناچار آہستہ آہستہ فوجی شہر سے باہر نکلے۔ فرانسیسی سپاہی ان میں سب سے زیادہ بددل اور آہستہ خرام پائے گئے۔ صدیوں بعد Sir Walter Scott یہ تصور کرے گا کہ رچرڈ نے اپنے سپاہیوں کا دل بہلانے کے لئے ایک جنگی مقابلہ کا انتظام کیا جس میں Saxcon کے ہیرو Inanhoe نے Norman کے بدمعاش Guilbert کو شکست دی۔ اس ڈرامہ کو The List of St.John of Acre کے نام سے مشہور کیا گیا اور شاہ رچرڈ کی شجاعت کی داستانیں اور قصیدے لکھے گئے۔ خصوصاً اس کے تبر کا استعمال۔ ایک شاعر اس بارے میں لکھتا ہے: ''جب رچرڈ کی جنگی کشتی Trenchmere بندرگاہ پر پہنچی اور اس نے دیکھا کہ اس کا دہانہ ایک بھاری فولادی زنجیر سے بند کر دیا گیا ہے تو وہ اپنا بے مثال تبر اپنی زبردست کلائی میں پکڑ کر کھڑا ہوا اور جونہی زنجیر نزدیک آئی اس نے ایک ہی وار سے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ تمام سرداروں نے یہ دیکھ کر نعرہ مارا کہ یہ تو ایک شاندار ضرب تھی۔'' واقعی یہ ایک شاندار ضرب تھی گو کہ یہ محض شاعر کے تخیل ہی کی پرواز تھی۔ مسلمانوں کے قابل مذمت قتل عام کے دو دن بعد بروز ہفتہ St. Bartholomew کے مبارک تہوار کے دن فوج کی صف آرائی کے بگل بجے اور صلیبی لشکر کے دستور کے مطابق کوچ کرنے سے پہلے جا بجا آگ روشن کی گئی، فوج تین حصوں میں منظم کی گئی۔ ہر سپاہی کو دس دن کا زاد راہ خود لیجانا تھا اور باقی سارا سامان اور ہتھیار وغیرہ کشتیوں پر لادے گئے جو بڑی فوج کے ہمراہ متوازی طور پر چلیں۔ فوج نے

قدیم رومیوں کی ساحلی شاہ راہ سے جنوب کی طرف کوچ کیا۔ رچرڈ نے Templars اور Normans کے ساتھ لشکر کا ہراول قائم کیا، لشکر کے قلب میں Guy اپنے مخلوط فوجی دستوں اور صلیبی جھنڈے کے ساتھ کھڑا ہوا۔ یہ پرچم بڑا عظیم الشان تھا جو ایک طویل بانس میں لگا ہوا تھا اور ایک خاص گاڑی پر نصب تھا جسے چار قوی گھوڑے کھینچ رہے تھے۔ پیچھے پیچھے، بہت سی خالی کشتیاں بھی آ رہی تھیں تاکہ حسب ضرورت باقی ماندہ اشخاص کو بھی لے سکیں۔ صلیبی پرچم میلوں دور سے نظر آ رہا تھا اور یہ اس بات کا نشان تھا کہ حضرت عیسیٰ کا نسب حضرت داؤد کے شاہی خاندان سے تھا۔ یہی وہ مقدس نشان تھا جس کے تحفظ کے لئے انجیل کے ماننے والے قدیم زمانہ میں اس کے گرد متحد ہو گئے تھے۔ فوج کے عقب میں Hospitalers اور فرانسیسی سپاہی تھے جو Acre چھوڑ دینے کا ابھی تک شکوہ شکایت کر رہے تھے۔ فوج نے دریائے Acre پار کیا اور ریگستانی میدانوں اور ٹیلوں سے گذر کر Haifa کا رخ کیا۔ جب یہ Tells اور Carmel کی پہاڑیوں کے پاس پہنچے تو دشمن نے انہیں تنگ کرنا شروع کر دیا۔ صلاح الدین اوپر پہاڑیوں سے صلیبی لشکر پر نظر رکھ رہا تھا جو آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا اور وقتاً فوقتاً مناسب موقعوں پر اپنے سواروں کو ان پر نازل کرتا رہا۔ یہ سبک رفتار سوار بیس بیس اور تیس تیس کے دستوں میں تیزی سے صلیبیوں پر حملے کرتے اور یکدم واپس ہو جاتے۔ صلیبی فوج کے لئے یہ محض وقتی پریشانی کا باعث تھے۔ جیسا کہ ایک عیسائی مورخ نے لکھا ہے: ''یہ تو بس مکھیوں کی طرح چمٹتے تھے، جب مارو تو بھاگ جائیں اور جب ہاتھ روک لو تو فوراً پھر دق کرنے لگیں۔'' البتہ ان مکھیوں نے اس ابتدائی دور میں کافی نقصان پہنچایا۔ بہت سے فرانسیسی سپاہی جو پیچھے رہ گئے تھے مارے گئے اور ان کے ساتھ چار سو گھوڑے بھی ضائع ہوئے جن کا نقصان پورا کرنا ناممکن تھا۔ بلکہ کچھ دیر کے لئے تو ان کا خاص فوج سے رابطہ بھی منقطع ہو گیا۔ اگر سلطان کے بیٹے ملک الافضل کے پاس کافی سپاہی ہوتے تو غالباً سارے فرانسیسی وہیں ختم کر دیئے جاتے جیسا کہ اس نے اپنے باپ کو خبر بھیجی ''اگر ہمارے پاس مناسب تعداد میں سپاہی ہوں تو ہم ان سب کو پکڑ سکتے ہیں۔'' لیکن جب

تک صلاح الدین کو اطلاع ملی اور اس نے کمک روانہ کی تو فرانسیسی سپاہی قدم بڑھا کر جلدی سے خاص فوج سے جا ملے۔ اسی ہنگامہ میں مسلمانوں نے ہنگری کے حاکم کو پکڑ لیا چونکہ وہ اپنے جوش میں ان ''مکھیوں'' کے تعاقب میں زیادہ دور نکل گیا تھا۔ کوہ کارمل (Mt Carmel) کے پاس فوج کی رفتار بہت آہستہ ہو گئی تھی۔ مسلمانوں کے عیسائی لشکر کو پیہم پریشان کرنے کے علاوہ برّی اور بحری فوج کے درمیان رابطہ رکھنا بھی بہت دشوار ہو گیا تھا۔ پھر بھی رچرڈ نے بڑے صبر سے فوج کی قیادت کی جس سے اس کی جنگی صلاحیت کا ثبوت ملتا ہے۔ اس نے فوج کو علی الصبح ٹھنڈ ٹھنڈ میں مارچ کرایا اور دوپہر کی تپش میں آرام کرنے کا موقع دیا۔ چونکہ بار برداری کے جانور کم تھے اس لئے سخت گرمی میں آدھے سپاہی قلی ہی بن گئے۔ صلیبی فوج جوں کی رفتار سے Haifa سے گذری۔ یہ صلیبی فوج کا وہ قدیم مورچہ تھا جسے صلاح الدین نے چار سال قبل مسمار کرا دیا تھا۔ پھر فوج کوہ کارمل کا چکر کاٹ کر ایک قیام گاہ پہنچی جسے Casal کہا جاتا تھا۔ اسی دوران میں ہنگری کا سردار ظہر کی نماز کے بعد سلطان کے حضور میں پیش کیا گیا۔ یہ شخص ایک تنومند اور شاندار انسان تھا جس سے تمام درباری خاصے متاثر ہوئے۔ مسلمانوں نے قیدیوں سے تمام ضروری اطلاعات جو وہ چاہتے تھے حاصل کیں پھر سلطان نے دربار برخاست کر دیا اور حکم دیا کہ اس سردار کا سر قلم کر دیا جائے۔ البتہ اس کے رتبہ کا لحاظ کرتے ہوئے یہ کہا کہ اس کی لاش کی بے حرمتی نہ کی جائے۔ دراصل صلاح الدین اس سے دو چار دن پہلے ہی کئے گئے مسلمانوں کے قتل عام کی وجہ سے غیظ وغضب میں بھرا ہوا تھا۔ اور انتقاماً اس نے اپنے سپاہیوں کو اجازت دے دی تھی کہ وہ مقتول قیدیوں کی لاشوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔ ایسے حالات میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن بھی اس کی اجازت دیتا ہے۔ ''جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور تمام زخموں کے بدلے ویسے ہی برابر کے زخم۔'' بہرحال اس میں بڑا وقت لگے گا کہ سلطان اتنے عیسائی قتل کرا سکے جتنے کہ مسلمان قتل کئے گئے تھے۔ ہنگری کے سردار نے یہ قیاس کرتے ہوئے کہ اس کا انجام قریب ہے سلطان کے حکم کے ترجمہ کی

درخواست کی۔ اسے سن کر اس نے کہا کہ اگر میری جان بخش دی جائے تو میں آپ کو Acre کا ایک اہم قیدی دلواؤں گا۔ سلطان نے بے اعتنائی سے جواب دیا کہ مگر یہ قیدی بھی ایک سردار ہونا چاہئے جس پر ہنگری کے سوار نے کہا کہ یہ بات اس کے بس میں نہیں ہے۔ سلطان خاموش رہا مگر اس کے امیروں نے درخواست کی کہ اس کی جان بخش دی جائے۔ سلطان نے کہا کہ وہ اس معاملہ پر غور کرے گا۔ فی الحال تو وہ دشمن کے لشکر کو دیکھنے جا رہا ہے۔ یہ کہہ کر وہ گھوڑے پر سوار ہوا اور چلا گیا۔ غالباً اس نے وہاں جو کچھ بھی دیکھا اس کا اس پر زبردست اثر ہوا چونکہ واپس آتے ہی اس نے ہنگری کے سردار کا سر قلم کرا دیا بلکہ ساتھ ہی دو اور عیسائی قیدی بھی قتل کر دیئے گئے۔ اب Casal سے آگے صلیبی فوج ایک قطعاً غیر معلوم علاقہ میں داخل ہو رہی تھی۔ ارض مقدس آنے سے پہلے ان کا گمان تھا کہ یہ ایک سنسان ریگستانی جگہ ہوگی جہاں جابجا کنکر، پتھر اور ریت کے ٹیلوں کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔ ان کے لئے یہ تصور کرنا آسان تھا کہ ایک ایسے ہی مقام پر حضرت عیسیٰ نے چیلوں میں گھوم پھر کر وعظ بیان کئے ہوں گے۔ صلیبیوں کا ایک ترانہ تھا: ''اے ارض مقدس جب سے میری گنہگار نظر تجھ پر پڑی ہے میں زندگی میں پہلی بار شرافت سے رہ رہا ہوں میری ہمیشہ کی مراد پوری ہوئی چونکہ میں اب وہاں پہنچ گیا ہوں جہاں خدائے تعالیٰ گوشت و پوست میں گھومتا پھرتا تھا۔'' لیکن جیسے ہی Mt Carmel سے گھوم کر میدان Sharon آیا تو یہاں کا نقشہ ہی کچھ اور تھا۔ بجائے ریت کے ٹیلوں اور پتھریلی پہاڑیوں کے انہیں یہ آب علاقہ ملا جہاں ہر طرف اونچی اونچی سرسبز گھاس اور پودے تھے۔ ان کی انجیل کے مطابق تو یہاں زرخیز میدان، صاف و شفاف چشمے، فوارے، گلاب اور انواع و اقسام کے پھل و پھول ہونے چاہئے تھے۔ لیکن یہاں تو مسلمانوں کے علاوہ شیر، گلدار، چیتے، اور طرح طرح کے دشمن بھی موجود تھے جو اس دور میں فلسطین میں بکثرت پائے جاتے تھے جو باعث خطرہ ہونے کے ساتھ ساتھ جانبین کے سرداروں کو شکار کے مواقع بھی فراہم کرتے تھے۔ شام کے ایک جنگجو کا قول تھا کہ جنگ اور شکار سے بڑھ کر ایک مرد کے لئے اور کیا مشغلہ ہو سکتا ہے۔ اس نے بھی اپنی زندگی میں اتنے ہی شیر

مارے تھے جتنے کہ ایک فرنگی جانباز نے۔ اور شکاری عقابوں کی بہت قیمت تھی خصوصاً جبکہ وہ صحیح طریقہ سے پالے گئے ہوں۔ ایسے عقاب تو بڑے سے بڑے پرندوں اور ہرنوں تک کو پکڑ لیتے تھے۔ البتہ Sharon اور Carmel کے میدانوں اور پہاڑیوں میں سانپ، مکڑیاں اور مسلمان بھی ملتے تھے۔ شام کو جب فوجی آگ کے الاؤ کے گرد جمع ہوتے تھے تو زہریلے سانپ کی کہانی سن کر کانپ جاتے تھے: "جب مادہ بہار پر ہوتی ہے تو نر اس کے پاس آتا ہے۔ سانپن اپنا دہانہ پھاڑ لیتی ہے اور سانپ اپنا سر اس میں ڈال دیتا ہے، سانپن سر کاٹ کر نگل جاتی ہے جس سے وہ حاملہ ہو جاتی ہے اور اس طرح اس نطفہ سے ایک نر اور ایک مادہ پیدا ہوتے ہیں۔" یا ایک اور دل ہلا دینے والی کہانی یہ تھی کہ یروشلم پہنچنے کے لئے ایک دریا پار کرنا پڑتا ہے جس میں بے شمار ناگ انسانی گوشت کے بھوکے ہوتے ہیں۔ بلکہ عیسائی تو ان کی دل پسند غذا ہیں۔ اپنے شکار کو زندہ نگلنے کے بعد یہ ناگ منہ کھول کر سو جاتے ہیں۔ چونکہ اجابت خارج کرنے کا ان کے پاس کوئی ذریعہ نہیں، لہذا ان کے کھلے ہوئے منہ میں زہریلے سانپ داخل ہو کر نگلے ہوئے انسان کو کھاتے ہیں۔" گویا بیچارہ عیسائی دو دفعہ لقمہ بنتا ہے۔ یہاں سانپ اور زہریلی مکڑیوں کی اتنی کثرت تھی کہ سپاہیوں سے کہا گیا کہ لمبی گھاس میں سے گذرتے وقت زور زور سے برتن پیٹیں اور خوب شور و غل کریں۔ حالانکہ اس فعل سے دشمن کو ان کی موجودگی کا پتہ ہو جائے گا۔ ناگوں، سانپوں، مکڑیوں اور کافروں کو دور رکھنے کے لئے رات بھر لشکر میں آگ روشن رکھی جاتی تھی اور مستقل ایک پہرہ دار نعرہ مارتا تھا Sanctum Spulcrum Adjuva (اے مرقد مقدس مدد) جواباً ساری فوج یہ نعرہ دہراتی تھی۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے راتیں ان ہی خوف و ہراس میں گونجتے ہوئے نعروں میں بسر ہوتی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی لمبی گھاس اور نیلے بھی پہاڑیوں پر گھومتے ہوئے دشمنوں سے انہیں بچاتے تھے۔ اس حالت میں بالآخر عیسائی فوج نسبتاً سلامتی سے جنوب میں Caesarea تک پہنچ گئی۔ صرف ان کا زبردست پرچم ہی مشرقی پہاڑیوں سے دکھائی دیتا تھا۔ گرمی بے تحاشہ تھی جس سے بہت سے سپاہی اپنی بھاری زرہ بکتر میں بے ہوش ہوتے جاتے تھے

مر بھی گئے۔ ادھر مسلمان پہاڑیوں پر سے متواتر سائے کی طرح ان کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ صلاح الدین بہ نفس نفیس ان کا تعاقب کر رہا تھا۔ وہ برابر سرداروں سے مشورہ کر رہا تھا صرف ظہر، عصر اور مغرب کی نمازوں کے وقت وقفہ کیا جاتا تھا۔ مٹھی بھر عیسائی قیدی اس کے سامنے پیش کیے گئے جن میں ایک عورت بھی تھی جو پوری طرح مسلح تھی۔ سب قتل کروا دیئے گئے۔ اب سلطان رحم دلی کے موڈ میں نہیں تھا۔ اس نے اپنی خاص فوج کو جنوب مشرق میں وادئ جزریل (Jazreel) سے گذار کر Tell Kecman کے مقام پر تعینات کیا جبکہ کچھ دستے پہاڑیوں پر سے دشمن کی نقل و حرکت کے نگراں رہے اور وہ خود خاص لشکر اور ان دستوں کے درمیان مسلسل چکر لگاتا رہا۔ ایک ہی دن میں اس نے ۳۵ میل کا سفر کیا Megiddo کے پاس تیزی سے گذر کر کہ جہاں خاص جنگ ہونی تھی وہ عیسائی فوج کے ہراول کے پہنچنے سے پہلے Caesarea آ گیا۔ یہ وہ شہر تھا جسے اس نے چار سال قبل برباد کرا دیا تھا تا کہ عیسائی اس کے قلعہ پھر استعمال نہ کر سکیں۔ غالباً اس جگہ وہ دشمن کا مقابلہ کرنا چاہتا تھا۔ لیکن جسمانی تکلیف نے اس کی نقل و حرکت کو بہت دشوار کر دیا تھا۔ اس کے جسم کے نچلے حصہ پر بڑے تکلیف دہ چھالے پڑ گئے تھے اور شدید درد کی وجہ سے وہ بمشکل ہی بیٹھ سکتا تھا۔ پھر بھی موقع کی سنگینی اور فرض شناسی سے مجبور ہو کر وہ زین پر سوار ہی رہا۔ اس نے ایک بار ایک ماتحت سے کہا کہ جب تک وہ گھوڑے پر سوار رہتا ہے تو اسے تکلیف محسوس نہیں ہوتی لیکن اُترتے ہی درد شروع ہو جاتا ہے۔ اس کے باوجود اس نے ہمت نہ ہاری اور صبر کیا، صبر کرنا اس کی غیر معمولی صفت تھی۔ قرآن اس کی رہنمائی کر رہا تھا ''جو خدا کی راہ میں جدوجہد کرتے ہیں اور صبر کرتے ہیں بے شک تیرا رب ان کی مغفرت کرے گا اور ان پر رحم کرے گا۔'' وہ اپنی ساری فوج کو بیک وقت استعمال کرنے سے پرہیز کر رہا تھا چونکہ اسے ہنوز کمک ملنے کی توقع تھی۔ وہ اپنے امیروں سے شاکی تھا کہ مسلمان سردار اسلام کے دشمنوں سے نفرت نہیں کرتے۔ کئی دن تک وہ فیصلہ نہ کر سکا اور اس کا سامان جنگ کبھی ادھر کبھی اُدھر گھمایا جاتا رہا۔ غالباً وہ اپنی رفتار کم کر دینا چاہتا تھا اور اس انتظار میں تھا کہ کمک ملنے پر موقع پاتے ہی دشمن پر حملہ کر دے

لیکن نہ تو اسے کمک ہی پہنچی اور نہ ہی حملہ کرنے کا مناسب موقع ہاتھ آیا۔ اس اثناء میں صلیبی لشکر Ceasarea کے کھنڈرات تک بغیر کسی حادثہ کے پہنچ گیا اور پھر وہاں سے تین میل جنوب کی طرف آگے بڑھ کر ایک چشمہ کے کنارہ پہنچا جسے ''دریائے مردگاں'' ("River of the Dead") کہا جاتا تھا۔

اس غیر آباد شہر سے کوچ کرتے ہی جنگ وجدل میں اضافہ ہو گیا۔ رچرڈ نے قلب لشکر میں دفاعی کمان تھامی اور شاہ Guy نے ہراول کو سنبھالا۔ خاتون Tiberias کے صاحبزادوں نے فوج کے عقب میں نگہبانی کی۔ مسلمان حملہ آور صلیبی لشکر کی تنظیم سے خاصے مرعوب تھے۔ جب وہ حملہ کرتے تھے تو صلیبی نہایت تنظیم سے اُنہیں صفوں میں گھسنے کے لئے راستہ کھول دیا کرتے تھے اور اندر عیسائی سوار جوابی حملہ کے لئے تیار ملتے تھے۔ ان کے لئے گویا یہ ایک معمولی مشق تھی۔ ایک عرب لکھتا ہے: ''وہ اپنے لمبے تیروں کی بوچھاڑ کر کے ہمارے سوار اور گھوڑے زخمی کیا کرتے تھے۔ میں نے بعض فرنگی ایسے دیکھے کہ جن کی زرہ میں دس دس تیر لگے ہوئے تھے مگر پھر بھی وہ اپنی صفوں کو قائم رکھتے ہوئے معمولی رفتار سے جا رہے تھے۔ بلکہ ان میں سے کچھ تو ایسے تھے کہ ان کی زروں سے اتنے تیر لٹک رہے تھے کہ وہ سیہی معلوم ہو رہے تھے۔ حالانکہ مسلمان ان پر ہر طرف سے تیروں کی بارش کر رہے تھے تاکہ وہ ان پر حملہ کریں مگر انہوں نے خود پر پورا قابو رکھا اور بڑے استقلال سے اپنی صفوں میں چلتے رہے۔ ایسے آزمائشی حالات میں ان کے صبر و ہمت کی داد دینا ہی پڑتی ہے۔'' یہ جنگی تنظیم ان کے سردار کی شخصیت کا بھی مظاہرہ کر رہی تھی۔ ریگستان کے ٹیلوں اور آب دوز گھاس کے علاقوں میں بڑی شدید جنگ ہو رہی تھی، ایک طرف تو توحید اور تکبیر کے نعرے بلند ہو رہے تھے تو دوسری طرف Sanctum Sepulerum Adjuua (مرقد مقدس کو بچاؤ) کا شور مچا ہوا تھا۔ ادھر Templars اپنے سیاہ و سفید پرچم کے نام پر جنگ کر رہے تھے۔ اس کا نام "Ha Beau Seant" تھا۔ اس کا سفید رنگ اپنے عیسائی بھائیوں کے لئے پیار و محبت کا نشان تھا اور سیاہ کفار کے لئے

بدنصیبی اور تباہی کی علامت تھا۔ جبکہ سپاہی مجموعی طور پر کشت وخون میں مصروف تھے۔ کچھ جانبازوں نے انفرادی طور پر بھی غیر معمولی شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ ان میں ایک مسلمان شہسوار بہت مشہور تھا۔ یہ دیو قامت جنگجو الطویل کے لقب سے مشہور تھا۔ عیسائی سپاہی بھی اس کی جرأت اور کارکردگی کو مانتے تھے چونکہ وہ کئی مرتبہ ان سے نبرد آزما ہو چکا تھا۔ مسلمانوں میں تو اس کے بہت سے نام مشہور تھے مثلاً جری، آدم خور شیر، شمشیرزن، ضرب کاری کا مالک، اور آتشیں مزاج وغیرہ، بقول ایک عرب کے: ''جنگ کے غبار میں وہ سب سے پہلے چھینک مارتا ہے، اسپ تازی پر سب سے پہلے سوار ہوتا ہے اور سب سے آخر میں اُترتا ہے۔ جب اور پشت دکھاتے ہیں تو وہ سینہ سپر ہوتا ہے اور فوراً حملہ کرتا ہے اور ہمیشہ دشمنی سے مبارزہ خواہ ہوتا ہے۔ اس نے کتنے ہی کافروں کے ہاتھ قلم کئے ہیں اور کتنی ہی دوشیزگان فتح کو حاصل کیا ہے اور کتنے ہی زانیوں کی ناکیں کاٹی ہیں۔'' اب پھر یہ شیر میدان میں نکلا اور نعرہ مارا کہ اگر کسی عیسائی میں ہمت ہے تو مقابلہ میں آئے۔ لیکن اس دفعہ بجائے ایک عیسائی کے دشمن کا ایک غول بھیڑیوں کی طرح اس پر ٹوٹ پڑا۔ اس مرتبہ اس جانباز نے جام شہادت کے شوق میں کچھ جلد بازی سے کام لیا۔ ایک عرب لکھتا ہے کہ ''بہت سے عیسائیوں کی ناکیں کاٹنے کے بعد یہ شہسوار گھوڑے سے گرا'' دراصل وہ گرا بھی اس لئے کہ حملہ آوروں نے اس کا گھوڑا مار دیا اور زمین پر اپنی بھاری زرہ میں وہ بے بس ہوگیا۔ جیسا کہ بتایا گیا ہے'' جب تک کہ اس کے لوگ مدد کو پہنچے وہ اللہ تعالیٰ اور اپنے دین کی خاطر جنت کی زندہ جاوید ہستیوں سے جاملا۔'' اس کی موت پر بڑا ماتم ہوا۔ عربوں نے اپنے دستور کے مطابق اپنے گھوڑوں کی دُمیں کاٹ دیں۔ پھر انہوں نے اپنے شیر کو ایک خاص مقام پر دفن کیا جسے ''مجاہد شیخ'' کہا جاتا تھا۔ بعد میں عیسائی مورخین نے بھی اس کی شجاعت کا حق ادا کیا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ''وہ ایک ایسا قوی، ماہر سپہ گری اور جانباز سپاہی تھا کہ کوئی تنہا شخص اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا اور نہ ہی کسی نے ایسی جرأت کی۔'' دریائے مردار بھی وہ مقام تھا جہاں اس جنگ میں رچرڈ پہلی بار زخمی ہوا۔ دوران جنگ اس کے پہلو میں ایک نیزہ لگا لیکن زخم کھا کر وہ اور بھی جوش میں آگیا اور

زیادہ شدت سے حملے کرنے لگا۔ اس جنگ وجدل میں وہ سپاہیوں سے زیادہ گھوڑوں کے ضائع ہو جانے سے پریشان تھا جنہیں مسلمان خاص طور پر نشانہ بنا رہے تھے، چونکہ وہ جانتے تھے کہ یورپ کے ان قد آور جنگی گھوڑوں کا بدل یہاں ناممکن تھا۔ ایک تخمینہ کے مطابق ابھی تک ایک ہزار گھوڑے کام آ چکے تھے۔ ادھر رات کو سپاہی مقتول گھوڑوں کے گوشت پر جھگڑے کر رہے تھے۔ یہ دیکھ کر رچرڈ نے حکم دیا کہ اگر ایک سوار کا گھوڑا مارا جائے تو اسے دوسرا گھوڑا جب دیا جائے جبکہ وہ اپنے مقتول گھوڑے کا گوشت بھوکے سپاہیوں کے حوالہ کر دے۔ جیسا کہ لکھا گیا ہے:۔ ''اور اس طرح انہوں نے گھوڑوں کا گوشت کھایا جو انہیں بھوک میں ہرن کے گوشت کی طرح مزیدار لگا۔'' اسی طرح کئی دن تک یہ خوں ریزی جاری رہی مگر جنگ کی بنیادی صورت حال میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ لیکن اس دوران عیسائی فوج برابر جنوب کی طرف بڑھتی رہی۔ وہ نہایت تنظیم سے آہستہ آہستہ جوں کی رفتار سے آگے بڑھ رہے تھے اور بڑے استقلال اور ہوشیاری سے دشمن کے حملوں کا دفاع کر رہے تھے۔ یہ لشکر صرف صبح کے وقت ٹھنڈ ٹھنڈ میں مارچ کرتا تھا۔ اور جب کوئی دریا ملتا تھا تو کئی کئی دن اس کے کنارہ پڑاؤ ڈالا کرتا تھا۔ اس فوج نے پندرہ دن میں صرف باسٹھ میل طے کئے تھے۔ تاہم اب وہ صلیبیوں کے پرانے قلعہ Arsuf کے پاس پہنچ گئے تھے۔ دراصل یہ چھوٹا سا شہر جو سمندر کے ساحل پر واقع تھا اور فصیل اور میناروں سے محفوظ کیا گیا تھا قدیم یونانی شہر Apollonia تھا جو صلیبی سلطنت کے دوسرے ساحلی شہروں کی طرف دفاعی قلعوں کی زنجیر کی ایک کڑی تھا۔ اسی طرح دوسرے شہر Haifa اور Caesarea بھی تھے۔ صلاح الدین نے Arsuf کو ۱۱۸۷ء میں فتح کر کے تاخت و تاراج کرا دیا تھا تا کہ آئندہ دشمن اسے استعمال نہ کر سکے پھر بھی اس کی بڑی اہمیت تھی چونکہ Jaffa (فی الحال Tel Avive) یہاں سے صرف چھ میل جانب جنوب تھا۔ خود رچرڈ نے لکھا ہے:'' Jaffa سے ہم عیسائیت کے مفاد کو فروغ دیں گے۔ اور اپنی منزل مقصود کو جس کی ہم نے قسم کھائی ہے، پہنچیں گے۔'' اس کے معنی یہ ہیں کہ Arsuf- Caesarea- Haifa اور Jaffa کو فتح کر کے صلیبی

لشکر اندرون ملک میں داخل ہو کر یروشلم کا رخ کرے گا۔

یروشلم وہ شہر جہاں خدا خود گوشت پوست میں بہ حیثیت انسان کے رہا۔ اس وقت صلیبی فوج کو روکنا ناممکن ہوگا۔ Arsuf کے گرد و نواح میں کافی جنگلات اور زرخیز میدان تھے۔ یہ جنگل شہر کے شمال میں بارہ میل تک پھیلے ہوئے تھے اور ایسے جنگل سارے فلسطین میں شاذ و نادر تھے۔ ان جنگلوں میں سلطان کو ایک اچھا موقع معلوم ہوا۔ یہاں دشمن پر اچانک حملہ کے لئے اس کی فوج بآسانی چھپ سکتی تھی۔ اسے اس موقع سے فائدہ اُٹھانا چاہئے۔ چنانچہ وہ جنگی تدابیر کرنے لگا۔ لیکن عیسائی سردار بھی موقع کی نزاکت کو بھانپ گئے تھے۔ اس سلسلہ میں افواہیں پھیلنے لگیں کہ سیاہ رو کافر جانور جنگل کو آگ لگا دینا چاہتے ہیں۔ لیکن تعجب ہے کہ اس کے باوجود سلطان کو ایک صلح کا پیغام بھی موصول ہوا۔ اسے یہ خبر مل کر بڑی حیرت ہوئی کہ دشمن نے اس کے ہر اول دستہ سے رابطہ قائم کر کے اس کے بھائی ملک العادل سے ملنے کی درخواست کی ہے۔ سلطان نے اس میں کوئی حرج نہیں دیکھا اور خیال کیا کہ کم از کم اس سے دشمن کے ارادوں کا تو کچھ اندازہ ہو سکے گا۔ اس نے اجازت دے دی اور ملک العادل دشمن سے ملنے کے لئے روانہ ہو گیا۔ اس نے اس رات عیسائی سفیروں سے گفتگو کر کے صبح ہی کو سلطان کے پاس ان کی پیشکش کا خلاصہ بھیج دیا۔ ''فرنگی کہتے ہیں کہ ہمارے درمیان بہت عرصہ سے جنگ ہو رہی ہے۔ ہم تو یورپ سے ان ساحلی علاقوں میں اپنے لوگوں کی مدد کو آئے ہیں۔ ان سے صلح کر لی جائے اور دونوں لشکر اپنے ملکوں کو واپس ہو جائیں۔'' سلطان نے اس تجویز کو غیر سنجیدہ سمجھا تاہم اس نے اپنے بھائی کو پیغام بھیجا کہ ان مذاکرات کو زیادہ سے زیادہ طول دیا جائے تا کہ عیسائی فوج آگے نہ بڑھے اور اس اثناء میں ہمیں کمک پہنچ جائے۔ جب رچرڈ کو اطلاع ملی کہ ملک العادل خود بہ نفس نفیس مذاکرات کے لئے آیا ہے تو اس نے اس نامور سردار سے ملاقات کی درخواست کی۔ رچرڈ بڑی شان و شوکت سے اپنے پرچموں اور ہتھیاروں کی جھنکار کے ساتھ نکلا۔ اس کے ساتھ Humphrey of Toron کا بیٹا Henfrid بہ حیثیت مترجم تھا۔ یہ شخص نہایت خوبرو نوجوان تھا لیکن اس کی

داڑھی مونچھ منڈھی ہوئی تھی جسے دیکھ کر مسلمان بچے ڈر گئے چونکہ انہوں نے کبھی اس شکل کا مرد نہیں دیکھا تھا۔ رچرڈ نے صلح اور امن کی خواہش ظاہر کرتے ہوئے اپنی تقریر کا آغاز کیا جس پر خیر سگالی کے طور پر ملک العادل نے تعظیماً سر خم کیا اور کہا: ''اگر آپ صلح کے خواہش مند ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ میں سلطان کو یہ پیغام دوں تو آپ اپنی شرائط سے آگاہ کریں۔'' یہ کہہ کر وہ اطمینان سے خاموش ہوا اور مزید تفصیلات کی توقع کی۔ لیکن رچرڈ نے جواب دیا: ''صلح کی شرط یہ ہے کہ تم ہمارا سارا علاقہ واپس کرو اور اپنے ملک کو واپس ہو جاؤ۔'' یہ سخت توہین تھی اور اس غرور و تکبر کا مظاہرہ تھا جس کی اہل یورپ سے توقع کی جاتی تھی۔ قرآن میں آیا ہے: ''جبکہ کافروں کے دلوں پر بغض و منافقت کی جہالت چھائی ہوئی ہے اللہ تعالیٰ اپنے رسول اور اہل ایمان پر سکون قلب اور ضبط نازل کرتا ہے تا کہ وہ خود پر قابو رکھ سکیں۔'' اس کے فوری بعد ہی مسلم سردار غیظ و غضب میں بھرا ہوا اپنی صفوں میں واپس ہوا۔ اب وہ جنگ کے لئے بیتاب تھا۔ اس کے علاوہ ان طویل مذاکرات سے کچھ اور حاصل نہ ہوا۔ جب سلطان کو رچرڈ کی اس گستاخی کا پتہ چلا تو اس نے لشکر جنگلات سے ہٹا کر جنوب کی طرف میدان میں صف آرا کیا۔ اسی اثناء میں صلیبی فوج نمکین دریا، ریگستانی علاقہ اور کھارے پانی کے تالابوں سے گذر کر Cleft کے مقام تک پہنچ گئی۔ اب وہ Arsuf سے صرف چھ میل دور تھے۔ یہ ۶ ستمبر ۱۱۹۱ء کی شام تھی۔ اسی رات دو اور بدنصیب عیسائی قیدی سلطان کی خدمت میں پیش کئے گئے جنہیں قتل کرا دیا گیا۔ گویا یہ دوسرے دن کی جنگ کی قربانی تھی۔ رچرڈ کے خیمہ میں جاسوسوں نے خبر دی کہ مسلمان لشکر تمام زمین پر چھایا ہوا ہے۔ اور تعداد میں عیسائیوں سے تین گنا زیادہ ہے۔ دوسرے دن دوشیزہ مریم کا یوم پیدائش تھا۔

معمہ ASCALON صلاح الدین اوپر پہاڑی پر اپنے خیمہ میں سخت دماغی و روحانی کرب و اذیت کا شکار تھا۔ وہ بمشکل ہی کھانے پینے یا قریب ترین مشیروں سے گفتگو کرنے کے لائق تھا۔ اس کا کاتب لکھتا ہے کہ اللہ اسے اس درد سے نجات دے گا جو اسے اس شکست سے

پہنچا ہے۔اس کے کاتب نے بھی ہر چند اس کا غم غلط کرنے کی کوشش کی مگر بے سود۔اسے اب اس خوفناک اور ناقابل شکست انگریز کے ہاتھوں دوبارہ شکست ہوئی تھی۔اسلامی لشکر کی ہمت ٹوٹ گئی تھی اور وہ اپنی صفوں میں مشکل ہی سے کسی قدر تنظیم برقرار رکھ سکا۔اس کے امیر کھلم کھلا بغاوت پر آمادہ تھے۔جیسا کہ Acre کی شکست کے بعد ہوا تھا،اب پھر وہ اس کی قیادت پر شک کر رہے تھے۔اس وقت بعض نے تو دشمن پر حملہ تک کرنے سے انکار کر دیا تھا جب کہ دشمن کا لشکر Haifa جارہا تھا۔اب Arsuf کے بعد وہ کیا کریں گے۔بعض کو یہ بھی شک تھا کہ سلطان اندرون ملک کے حکمرانوں کو اس کی مدد کرنے پر راضی کر سکے گا۔یہ تو ثابت ہو چکا تھا کہ اگر دشمن دفاعی خندقوں میں محفوظ رہ کر اس کا مقابلہ کرے تو وہ انہیں شکست نہیں دے سکتا۔اور نہ ہی وہ اُنہیں جب شکست دے سکے گا کہ جب وہ اپنی منظم صفوں میں باقاعدہ مارچ کرتے رہیں اور موقع پاتے ہی اس پر جوابی حملہ کر سکیں۔لہذا اب اسے ہر قیمت پر دو بدو جنگ سے بچنا ہوگا اور اپنی پرانی آزمودہ جنگی چالوں پر عمل کرنا پڑے گا۔یعنی دشمن پر مسلسل حملے کر کے اسے تنگ کیا جائے اور میدان سے بھاگا جائے۔اس طرح امید ہے کہ صحرائے عرب کی بے کنار وسعت،گرمی کی شدت اور تکلیف دہ سفر دشمن کی ہمت توڑ دے گا۔اب حملہ کے لئے یروشلم کا راستہ صاف ہو گیا تھا۔جنوب کی طرف Jaffa دس میل سے بھی کم تھا۔وہاں سے جنوب مشرق کی طرف قدیم رومی سڑک Ramla اور Laturn ہوتی ہوئی اس مقدس شہر کو جاتی ہے جس کا فاصلہ صرف پچیس میل رہ گیا تھا۔صلاح الدین کو صرف یہ اُمید تھی کہ وہ اندرون ملک دشمن کی رفتار کم کر سکے گا چونکہ فاصلہ کی دوری سے دشمن کو اپنے بحری بیڑہ سے کمک،سامان رسد اور دیگر ضروریات زندگی کی فراہمی بالخصوص پانی حاصل کرنا بہت دشوار ہوگا اور ادھر عرب لشکر انہیں متواتر حملوں سے پریشان کرے گا۔بالآخر جب سلطان کی ماتمی کیفیت کچھ بحال ہوئی تو اسے اندازہ ہوا کہ اس کا لشکر ہنوز اچھی حالت میں تھا۔ابھی تک تمام دیہاتی اور پہاڑی علاقے اس کے زیر اثر تھے۔اس نے دشمن کے سرداروں کے گھوڑے اور خچر لاتعداد مارے تھے۔حالانکہ Arsuf کے معرکہ میں مقابلۃً

اس کے دس گنا زیادہ آدمی مارے گئے تھے لیکن Acre کے محاصرہ میں دشمن کے بھی اتنے ہی آدمی مرے تھے جن میں جنگ سے زیادہ طاعون کا شکار ہوئے تھے اور سلطان کو اس کے نقصان کا بدل مل سکتا تھا جبکہ اس کے حریف کو نہیں۔ ممکن ہے کہ اندرون ملک آگے بڑھتے ہوئے دشمن سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے، ہو سکتا ہے کہ وہ تنگ آ کر پھر اس پر حملہ کر دیں جیسا کہ چند سال پہلے انہوں نے Cresson کے چشموں کی جنگ میں کیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ پھر عیسائیوں کو ایسی حالت میں گھیر لے کہ جب ان کے پاس پانی نہ ہو اور پھر ان کا حشر Hattin کی جنگ کی طرح ہو جائے۔ بقول خود رچرڈ کے: ''صلاح الدین شیر کی طرح اپنے غار میں چھپا ہوا ہے اور حملہ کی تاک میں ہے کہ وہ صلیب برداروں کو بھیڑوں کی طرح ذبح کر سکے۔'' تاہم صلاح الدین کو بھی Ascalon کو محفوظ کرنا ہوگا۔ یہ اس کے دفاع کا جنوبی مورچہ تھا جو اس کی مصر سے آنے والی رسد اور کمک کی حفاظت کرتا تھا۔ اور ساتھ ہی اسے یروشلم میں بھی حتی الامکان زیادہ سے زیادہ رسد اور دفاعی انتظامات کرنا پڑیں گے تاکہ وہ شہر ایک طویل اور سخت محاصرہ کو برداشت کر سکے۔ بعد میں عیسائی ذرائع نے لکھا ہے کہ سلطان نے Arsuf کی شکست کے بعد اپنے امیروں کو جمع کیا اور ان کو لعنت کی۔ اس نے کہا: '' کیا میرے بہادروں کا یہی کارنامہ ہے جن پر میں نے انعامات نچھاور کیے؟ پہلے تو تم بہت ڈینگیں مارتے تھے مگر اب عیسائی جہاں چاہیں گھوم پھر رہے ہیں اور اُنہیں کوئی روکنے والا نہیں۔ کہاں ہے وہ فتح جس کا تم نے وعدہ کیا تھا اور کہاں ہیں وہ کافروں کی تباہیاں جن کا ذکر ہمارے قرآن میں پہلے کی نسلوں کے بارے میں کیا گیا ہے؟ ہمارے آباواجداد جنہوں نے عیسائیوں کو ان کی گستاخیوں کا مزا چکھایا آج ہم ان کے لئے باعث ننگ و شرم ہیں۔''

آخر اس کے تیسرے بیٹے نے جو اسے سب سے زیادہ پیارا تھا اس کے غصہ کے اس طوفان کو کسی طرح ٹھنڈا کیا۔ ملک الظاہر نے کہا: ''معزز سلطان یہ الزام بجا نہیں۔ ہم نے پوری طاقت سے فرنگیوں پر حملہ کیا اور پورے جوش و خروش سے ان پر حملے کئے لیکن ان کی زرہ ایسی ہیں کہ ان پر کسی ہتھیار کا اثر نہیں ہوتا۔ ہماری ضربیں ان پر کارگر نہیں ہوتیں۔ علاوہ اس کے ان کے درمیان ایک

ایسا سردار ہے جو ہم نے کبھی نہیں دیکھا۔ وہ اپنے قد آور گھوڑے پر سوار حملے کرتا ہے اور ہماری صفوں میں درجنوں کا صفایا کر دیتا ہے۔ اس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا اور نہ ہی کوئی اس سے بچ سکتا ہے۔ اسے Melech Ric (رچرڈ شیر دل) کہتے ہیں۔ ایک ایسا بادشاہ جو ساری دنیا پر حکومت کرنے کے لئے پیدا ہوا ہے۔'' ملک الظاہر الیپو کا گورنر تھا۔ وہ نہایت سنجیدہ، نڈر اور صاف گو انسان تھا اور اپنے بلند حوصلہ، انصاف پسندی اور شاعرانہ شوق کے لئے مشہور تھا۔ اس کی اس بیباکانہ تقریر کا بہت اثر ہوا۔ یہ ستم ظریفی ہے کہ اس کے الفاظ نے سلطان کی ہمت افزائی کی۔ Arsuf کی شکست فاش کے چوبیس گھنٹوں کے اندر ہی سلطان پھر عیسائی فوج کے لئے خطرناک بن گیا۔ اپنے مقتول بہادروں کو دفن کرنے، دوشیزہ مریم سے دعائیں مانگنے اور ایک دن آرام کرنے کے بعد صلیبی مجاہدین پھر Jaffa کی طرف مارچ کرنے لگے۔ حالانکہ صلاح الدین نے راستہ روک کر ان پر اس امید میں تیر برسائے کہ وہ مشتعل ہو کر اس پر حملہ کرنے کی غلطی کریں گے۔ اس بار وہ مقابلہ کے لئے زیادہ مستعد تھا لیکن انہوں نے کوئی حملہ نہیں کیا اور مستقل مزاجی سے آگے ہی بڑھتے رہے اور سلطان کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ اسی دوران میں اس کے سامنے کچھ اور عیسائی قیدی پیش کئے گئے جن میں بہت سی عورتیں مکمل جنگی لباس زیب تن کئے ہوئے تھیں۔ ان سب کو ضروری معلومات حاصل کر کے قتل کر دیا گیا۔ ایک قیدی نے بتایا کہ رچرڈ Jaffa میں کچھ دن قیام کر کے وہاں کی فصیلوں اور خندقوں کی مرمت کرانا چاہتا ہے تاکہ یہ مورچہ آئندہ زائرین کے قیام کے لئے کام آئے۔ لیکن صلاح الدین کے دماغ میں یہ تشویش تھی کہ آخر دشمن Jaffa سے کدھر کا رخ کرے گا؟ Jaffa تو فلسطین کے نشیبی علاقہ کی سب سے اعلیٰ بندرگاہ نہیں تھی۔ اس کے بجائے تیس میل جنوب میں Ascalon تھا۔ گذشتہ ۹۰ ربرس میں یہ شہر چار دفعہ ہاتھ بدل چکا تھا۔ صلیبیوں نے اسے ۱۱۰۰ء میں سب سے پہلے فتح کیا تھا۔ پھر مسلمانوں نے اسے واپس لے لیا لیکن ۱۱۵۳ء میں اس پر دوبارہ عیسائیوں کا قبضہ ہو گیا۔ آخر میں صلاح الدین نے ۱۱۸۷ء میں پھر اسے فتح کیا اور اب یہ شہر اس کی مصر و شام کی سلطنت کے میزان کا مرکز تھا اور

اس کی بحری فوج کا مورچہ تھا۔ اگر یہ ہاتھ سے نکل گیا تو اس کی سلطنت کے دونوں حصوں میں باہمی رابطہ قائم نہ رہ سکے گا۔ ادھر مسلمانوں کے لئے یہ خوشنما شہر بہت اہمیت رکھتا تھا۔ انہیں اس سے دلی تعلق تھا۔ یہ فلسطین کے پانچ اہم شہروں میں سے تھا۔ یہ وہ شہر تھا جہاں حضرت سلیمان نے غصہ میں آ کر تمیں آدمیوں کو قتل کرایا تھا اور جہاں Herod پیدا ہوا تھا۔ شہر کے باہر وادئ النمل تھی جس کا ذکر قرآن پاک میں ہوا ہے۔ ایک بار وہاں سے گذرتے ہوئے حضرت سلیمان نے جو جانوروں کی بولیاں سمجھتے تھے، ایک چیونٹی کو یہ کہتے سنا کہ ''اے چیونٹیو بھاگو اپنے سوراخوں میں، کہیں سلیمان اور اس کے ساتھی تمہیں کچل نہ دیں۔'' (۱۸۔۲۷) یہاں چار سو سالہ قدیم مسجد عمر تھی اور شہر میں ایک خوبصورت سنگ مرمر سے مزین چوک تھا۔ یہ تمام علاقہ زیتوں کے درختوں اور ریشم کے لئے مشہور تھا مگر ساتھ ہی یہاں کی ریگستانی مکھیاں بھی مشہور تھیں۔ اس شہر کی بندرگاہ کمان کی شکل کی تھی جس کے دفاع کے لئے دوہری فصیلیں اور ۵۳ مینار تعمیر کئے گئے تھے۔ اس کے محل وقوع کی یہ اہمیت تھی کہ عرب بوقت ضرورت مصر سے فوج فراہم کر کے عیسائیوں کا مقابلہ بلا تاخیر کر سکتے تھے۔ عربی میں اس کے نام کے معنی ''شام کا سر'' ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اگر عیسائی یروشلم یا دیگر اسلامی مقامات مقدس پر چڑھائی کریں تو Ascalon مسلمانوں کا سب سے پہلا دفاعی مورچہ تھا۔ اس صورت میں صلاح الدین کو یہ یقین نہیں تھا کہ رچرڈ واقعی یروشلم کی طرف بڑھے گا یا نہیں۔ ارض مقدس کو آزاد کرانے کے تمام شور وغل کے باوجود کون یہ کہہ سکتا تھا کہ رچرڈ صرف یروشلم پر ہی اکتفاء کرے گا؟ اور اس کے بجائے وہ اپنے یورپ کے اجداد سکندر اعظم اور جولیس سیزر کی طرح پھر مصر فتح کر کے بحر روم کا شہنشاہ نہ بنے گا؟ فوجی نقطۂ نظر سے تو اس کا جواز ملتا ہے۔ اگر رچرڈ ساحلی علاقوں میں جنوب کی طرف آگے بڑھے تو اپنے ناقابل شکست بحری بیڑہ کی وجہ سے وہ صلاح الدین سے زیادہ طاقتور ہوگا۔ مصر کی فتح کے بعد Ascalon مشرق قریب کا حاکم بن جائے گا اور اس کی وہی اہمیت ہوگی جو سکندر اور سیزر کے عہد میں اسکندریہ کی تھی۔ ایسی صورت میں نقشہ ہی بدل جائے گا اور Ascalon مصر و شام کی سلطنت کا مرکز میزان بننے کے

بجائے صلیبی سلطنت کا اہم ترین مورچہ ہو جائے گا۔ اور یروشلم اس کے تاج کا ہیرا ہوگا۔ آخر صلاح الدین کی سلطنت کی ساری دولت مصر ہی میں تھی۔ گذشتہ نوے برس میں عربوں کی تاریخ کا سب سے شاندار کارنامہ یہی تھا کہ مصر وشام ایک متحدہ سُنّی سلطنت بن گئے تھے۔ اور اس کی بدولت اہل یورپ کی مشرق وسطی میں موجودگی ناممکن ہوگئی تھی۔ خود صلاح الدین بھی فرنگیوں کی شدید مخالفت کے باوجود اسی اتحادی طاقت کی بنا پر ہی سلطان بنا تھا۔ ایک صلیبی بادشاہ نے ۱۱۶۳ء تا ۱۱۶۹ء مصر پر پیہم حملہ کر کے اس طاقت کو توڑنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوسکا۔ ان ہی جنگوں میں سلطان کا باپ قاہرہ میں باب الفتح کے باہر گھوڑے سے گرا تھا۔ پھر اس کے چچا شیر کوہ نے مصر فتح کر کے دمشق کے سلطان کو نذر کیا تھا۔ فرنگیوں کی مکمل شکست کے بعد سلطان صلاح الدین شاہ مصر بنا۔ لیکن عربوں کی تاریخ کا صرف یہی شاندار کارنامہ نہ تھا بلکہ اس سے بڑھ کر رسول اکرمؐ کی برکت سے قرآن ان کے لئے ایک دائمی شان بنا۔ ''حالانکہ انسان کی تخلیق بہترین طور پر کی گئی۔ لیکن جب اس کی نیت بگڑی تو اس نے وحدانیت چھوڑ کر انتشار کا ٹیڑھا راستہ اختیار کیا اور وہ رنج، تکلیف، خودغرضی، ذلّت اور بغض وعداوت کا شکار ہوا اور کفر ومایوسی نے اس کی زندگی میں زہر ملادیا اور اسے جسمانی، روحانی، اخلاقی اور خود اپنی ذات میں معصیت کی شکلیں نظر آنے لگیں۔''

اب کون Melech Ric کو روک سکتا تھا؟ یہ غضبناک جنگجو جس کے بارے میں خود صلاح الدین کے بیٹے کی رائے تھی کہ وہ ساری دنیا پر حکومت کرنے کے لئے پیدا ہوا ہے، اب اسے قاہرہ کی دولت سے کون باز رکھ سکتا تھا؟ کون Chatillon کا مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ پر حیبانہ حملہ بھول سکتا تھا؟ اس نے یہ حملہ ۱۱۸۲ء میں کیا تھا جبکہ اس کا ارادہ نہ صرف یروشلم پر قبضہ کرنا بلکہ تمام اسلام کا ہی خاتمہ کر دینے کا تھا۔ پس یہ صلاح الدین کے زبردست بھیانک خواب تھے۔ پھر آخر Ascalon کا مسئلہ کیسے حل ہو؟ اس پیچیدہ مسئلہ کے حل کی تلاش کے لئے سلطان نے Ramla میں اپنے امراء کو مشورہ کے لئے طلب کیا۔ کیا Ascalon کا دفاع ممکن تھا یا یوں کہئے کہ وہ Ascalon اور یروشلم دونوں محاذوں پر بیک وقت جنگ کر کے دونوں کا دفاع

کر سکتے تھے؟ ان سب کے دماغ پر Acre کی دردناک تباہی ہنوز چھائی ہوئی تھی۔ سختیاں، فاقے اور آخر میں رچرڈ کے مظالم سب یاد تھے۔ یہ سن کر سب گھبرا گئے۔ ان میں سے السمپن فربہ نامی ایک بدمزاج اور منہ پھٹ کرد بولا: "اگر تم Ascalon کو بچانا چاہتے ہو تو یا تو خود وہاں جاؤ یا اپنے بیٹوں میں سے کسی کو بھیجو۔ اپنے خبیث نانجاروں کو یہ کام کرنے دو، ہم میں سے تو کوئی بھی وہاں نہیں جائے گا چونکہ ہمیں Acre کی تباہی کا شوق نہیں ہے۔" یہ گستاخانہ الفاظ گویا بغاوت ہی کے مترادف تھے۔ صلاح الدین کو خوب اندازہ ہوا کہ وہ اس وقت نہایت نازک حالت میں تھا اور اس نے اس بدتمیزی کو نظرانداز کرنا ہی مناسب سمجھا۔ لیکن اُسے اس سے بے حد صدمہ ہوا کہ اس کے روبرو اس کے گھر والے خبیث اور نانجار کہے جا رہے تھے۔ یہ کیسے ممکن ہوا کہ خود اس کے اپنے غیور کرد اس کی ایسی توہین کر رہے تھے۔ وہ خاموشی سے اپنے خیمہ میں روپوش ہو گیا اور ایک دن وہیں رہا۔ امیروں سے ہٹ کر اس نے نماز میں نجات تلاش کی اور اللہ تعالیٰ سے مشورہ کی دعا مانگی اور اللہ تعالیٰ نے اسے راہ دکھائی کہ چونکہ مسلمان Ascalon کو نہیں بچا سکتے اس لئے اسے منہدم اور ویران کر دیا جائے۔ بڑی تکلیف دہ ذہنی اور روحانی کشمکش کے بعد اس نے Ascalon کو منہدم کرا دینے کا فیصلہ کیا۔ Arsuf کی شکست کے چار دن بعد ہی صلاح الدین نے اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کا فیصلہ کن قدم اُٹھایا۔ اس نے فوج کا ایک حصہ اپنے بڑے لڑکے ملک الفضل کے سپرد کر کے اسے Jaffa کے پاس تعینات کیا کہ وہ صلیبی لشکر کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھے اور خود اپنے بھائی ملک العادل کے ہمراہ Ascalon روانہ ہوا۔ اسلامی لشکر کا خاص حصہ اور بھاری جنگی ساز و سامان اس کے ساتھ تھا۔ آدھے دن کے مارچ کے بعد وہ Yubnah (یوبنہ) پہنچے۔ یہ شہر ایک پہاڑی پر واقع تھا اور عیسائیوں میں Ibelin کے نام سے مشہور تھا۔ سلطان کو یہ معلوم تھا کہ وہاں ایک عمدہ مسجد تھی جس میں حضور نبی کریمؐ کے صحابیؓ دفن تھے اور جہاں کے بہترین انجیر مشہور تھے۔ وہاں اس نے لشکر کو آرام کرنے کا موقع دیا۔ جب رات ہوئی تو اس کے دماغ پر Ascalon کے فیصلہ کا سخت دباؤ ہوا۔ اپنے لڑکے ملک

الافضل سے بات کرنے کے بعد وہ اپنے مشیر خاص کی طرف متوجہ ہوا۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ چار سال پہلے اس شہر کی فتح نے ہی اسے پروشلم فتح کرنے کا موقع دیا تھا۔ اس نے پُرحسرت آواز سے کہا: ''اس سے پہلے کہ میں Ascalon کا ایک پتھر بھی توڑوں میں اپنی اولاد قربان کردوں گا لیکن یہی منشائے ایزدی ہے اور مسلمانوں کے حق میں لازمی ہے لہذا میں مجبور ہوں۔'' ایسا معلوم ہورہا تھا کہ وہ اس شہر کے ساتھ اپنی سلطنت ہی کو منہدم کررہا تھا اور اپنی تیس سالہ محنت وقربانیوں کو برباد کررہا تھا، عربوں کے حسین خواب کا خاتمہ کررہا تھا اور اتحاد کے مقدس اصول کا پائمال کررہا تھا۔ ایک دن بعد ہی اس نے شہر کے باہر خیمے ڈال دیئے اور اس کے سپاہی شہر کو مسمار کرنے کے لئے گھر گھر مدد مانگنے لگے۔ اس منحوس خبر پر تمام عورتوں نے بڑی آہ وفغاں اور ماتم کیا مگر انہیں اپنا مال ومتاع کوڑیوں کے مول بیچ کر مصر یا شام جانا پڑا۔ جو کچھ نہیں بیچا جاسکا اسے چھوڑنا یا کمر پر لاد کرلے جانا پڑا۔ کہتے ہیں اس وقت دس مرغیوں کی قیمت صرف ایک درہم رہ گئی تھی۔ یہ ایک نہایت اندوہناک قافلہ تھا۔ ایک ایسے مضبوط اور قدیم شہر کو مسمار کرنا بھی کوئی آسان کام نہیں تھا۔ اس کی فصلیں نو یا دس ہاتھ موٹی تھیں اور بنیادی پشتوں سے مضبوط کی گئی تھیں، خاص توجہ میناروں کی طرف دی گئی تھی۔ ان میں سب سے زیادہ زبردست Hospitalero کا مینار تھا جو بجائے خود ایک مضبوط قلعہ تھا جہاں سے سمندر کا نظارہ اچھی طرح کیا جاسکتا تھا۔ ماہ رمضان کے پہلے روزہ پر اس میں لکڑو بھر کر آگ لگادی گئی۔ یہ برابر دو دن جلتا رہا تب کہیں اس کا پلاستر اتنا کمزور ہوا کہ مزدور اسے گراسکے۔ اس دوران میں سلطان مزدوروں کو مسلسل انسانی طاقت سے بڑھ کر محنت ومشقت کے لئے اُکساتا رہا۔ Jaffa سے ملک الافضل روزانہ خبریں بھیجتا رہا، اس طرح اسے رچرڈ کی نقل وحرکت کی پوری اطلاع ملتی رہی۔ عیسائی فوج نے شہر کے باہر پڑاؤ ڈالا تھا اور وہاں کے باغوں میں خوب انگور، انار، اور انجیر کھارہے تھے جو وہاں بکثرت پائے جاتے تھے۔ ان کا بحری بیڑہ بھی Acre سے سامان رسد اور جنگی کمک لے کر پہنچ گیا تھا اور اس میں عورتیں بھی تھیں۔ بعد میں ایک عیسائی مورخ لکھتا ہے: ''گویا یہ آدم وحوا کی ایک

مجموعی داستان تھی، Acre سے عورتیں آئیں تا کہ وہ مردوں کے شہوانی جذبات کو بھڑکائیں اور انہیں بدفعلیوں کی ترغیب دیں۔ جس سے سب بدکار ہو گئے۔ ان کا جوش جہاد ٹھنڈا پڑ گیا اور ساری مذہبی عقیدت ضائع ہو گئی۔'' بلکہ بعض سپاہی تو Acre چلے گئے جہاں وہ مزید بدکاریوں میں مبتلا ہوئے۔ تاہم مخبروں نے صلاح الدین کو ان واقعات کی اطلاع نہ دی۔ حزبین میں متواتر جھڑپیں ہوتی رہیں۔ رمضان کے گذرنے کے ساتھ ساتھ ان میں اور اضافہ ہو گیا۔ ایک دفعہ پھر سلطان کا دل للچایا کہ دشمن کو کسی تنگ مقام پر پھانس کر تباہ کرنا چاہئے لیکن اس کے بیٹے نے دفعتہً ایک اور مصالحتی پیغام کی اطلاع دی۔ Toron کے حاکم ہمفرے کے لڑکے حسین ہمفریڈ نے پھر ملنے کی درخواست کی ہے۔ اس باران کی یہ پیشکش ہے کہ سلطان تمام ساحلی شہر بغیر جنگ کے ان کے حوالہ کر دے۔ لیکن یہ نہیں بتایا کہ اس کے بدلہ میں وہ کیا کریں گے۔ چونکہ Jaffa کے شمال میں عیسائیوں نے پہلے ہی تمام اہم شہروں پر قبضہ کر لیا تھا اور اب صلاح الدین Ascalon کو منہدم کرا رہا تھا اس لئے جنوب میں صرف دو معمولی قلعے Gaza اور Darum رہ گئے تھے۔ کئی امیروں نے کہا کہ مسلمان دشمن سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا کر اس پیشکش کو قبول کر لیں۔ لیکن صلاح الدین نے اس تجویز کو سنجیدہ نہیں سمجھا۔ نیز یہ کہ ساحلی شہروں کو اس طرح آسانی سے دشمن کے حوالہ کر دینے سے رچرڈ کے لئے مصر پر حملہ کرنا ممکن ہو جائے گا۔ تاہم یہ تجویز زیادہ سے زیادہ وقت حاصل کرنے کے لئے مناسب تھی۔ اس لئے کہ اسے دشمن پر متواتر حملے کرنا ہی زیادہ پسند تھے۔ اب چونکہ دن بہ دن Ascalon ختم ہوتا جا رہا تھا صلاح الدین نے پھر Ramla کی طرف توجہ کی۔ ملک الافضل نے اسے لکھا: ''ہم صلح کے مذاکرات کو حتی المقدور طول دے رہے ہیں تا کہ تمہیں کافی وقت مل جائے کہ تم Ascalon منہدم کرا سکو۔''

اکتوبر ۱۱۹۱ء کے آغاز میں Ascalon سے آئے ہوئے پناہ گزینوں کا ایک قابل ترس قافلہ کہ جو اپنا حقیر مال و اسباب اپنی پشتوں پر لادے ہوئے تھے، ملا۔ صلیبیوں کو ان کی زبانی جنوبی مورچہ کی بربادی کا پتہ چلا۔ حالانکہ بادشاہ کو ان خبروں کی صداقت میں کوئی شک نہیں تھا لیکن

پھر بھی وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ شہر کا انہدام کس حد تک ہوا ہے تا کہ وہ اس صورت حال کا تجزیہ کر سکے۔ لہٰذا اس نے ایک مضبوط جنگی کشتی تیار کرا کر شاہ Guy کے بھائی جعفری کو اس کی کمان دے کر Ascalon کی جانب روانہ کیا۔ گو کہ جعفری ایک اہل افسر تھا مگر اس کے ساتھ ہی وہ نہایت خود پسند بھی تھا، وہ کہتا تھا کہ جبکہ Guy بادشاہ بنا دیا گیا ہے تو اب اسے تو خدا بنا دینا چاہئے۔ جب یہ کشتی اس شہر کے میناروں کا انہدام اور ہر طرف آتش فشانی کی سنسنی خیز خبریں لے کر آئی تو رچرڈ فوراً حملہ کے لئے تیار ہو گیا۔ اس نے مجلس مشاورت میں کہا: "عرب میدان میں آ کر لڑنے سے ڈرتے ہیں اور وہ Ascalon مسمار کر رہے ہیں۔ میری رائے میں ہمیں آئندہ یہاں سے گذرنے والے زائرین کے لئے اسے بچانا چاہئے تا کہ وہ وہاں محفوظ رہ کر قیام کر سکیں۔ لیکن شمپین کے ہنری اور برگنڈی کے ڈیوک نے اس کی سخت مخالفت کی۔ انہوں نے کہا کہ اگرچہ Jaffa ایک چھوٹا شہر ہے مگر وہ یورپ سے زیادہ قریب ہے اور زائرین کی ضروریات کے لئے کافی ہے اور یورپ سے آنے والوں کے داخلہ کے لئے بڑی موزوں بندرگاہ ہے۔ اس کے برخلاف Ascalon راستہ سے ہٹ کر ایک بیرونی چوکی ہے۔ یہ بہت دور جنوب میں واقع ہے اور افریقیوں کے علاوہ دیگر زائرین وہاں سے نہیں گذرتے۔ لیکن افریقی زائرین کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ ہمارے لوگوں نے بڑی مشقت سے Jaffa کی خندقوں اور فصیلوں کی صفائی اور تعمیر کی ہے۔ یا تو ان دلائل کے وزن نے یا ان کو پیش کرنے والوں کی کثیر تعداد نے اہل مجلس کی اکثریت کو یقین دلا دیا اور رچرڈ کو خاموش ہونا پڑا۔ بعد میں ایک انگریز مورخ نے لکھا کہ "یہ احمقانہ رائے احمقوں کی مہلک ضد کا ہی نتیجہ تھی۔ انہیں تو محض اپنے ذاتی آرام و آسائش ہی سے دلچسپی تھی اور وہ مزید تکلیف و اخراجات برداشت نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ان فرانسیسیوں نے وہ کیا جس کی انہیں بعد میں پشیمانی ہوئی۔ اگر اس وقت Ascalon بچا لیا جاتا تو تمام سرزمین ہی کافروں سے پاک ہو جاتی۔" بلکہ Conrad نے بھی کہ جو Tyre کے مضبوط مورچہ میں آرام سے قلعہ بند تھا رچرڈ کو نہایت گستاخانہ پیغام بھیجا: "صلاح الدین Ascalon تباہ کر رہا

ہے اور تم چپ چاپ اپنے پچھائے پر بیٹھے ہو۔ تمہیں جب خبر ملی تھی کہ وہ شہر مسمار کر رہے ہیں تو چاہئے تھا کہ جلد از جلد وہاں پہنچتے۔ تمہیں دیکھتے ہی وہ وہاں سے بھاگ جاتا اور تمہیں یہ شہر بغیر ہتھیار اٹھائے مل جاتا۔'' ۱۴ر اکتوبر ۱۱۹۱ء کو رچرڈ نے Clairuaux (کلیرے ڈ) کے راہب اعلیٰ کو کہ جو Poiturs اور Loudunais کے علاقوں میں پوپ کا نمائندہ تھا، خط لکھا۔ اس خط سے اس کے ذہنی اضطراب اور مستقبل کی توقعات کا واضح طور پر اظہار ہوتا ہے، اس نے دشمن پر اپنی طاقت کا مبالغہ کرتے ہوئے لکھا کہ ''صلاح الدین Ascalon اس لئے منہدم کر رہا ہے کہ اسے معلوم ہوا ہے کہ ہم آگے بڑھ رہے ہیں۔ اس میں ہم سے مقابلہ کی جرأت نہیں ہے اور اب وہ سارا ملک شام چھوڑ کر بھاگ رہا ہے۔'' رچرڈ کی اس حاشیہ آرائی کی ایک اور وجہ بھی تھی۔ بجائے اس کے کہ سلطان ایک طویل جنگ سے ڈرتا خود وہ اس سے گھبرا رہا تھا۔ دراصل اسے مصر سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اور نہ ہی اس میں جولیس سیزر بننے کا حوصلہ تھا کہ وہ بحر روم کا شہنشاہ بن جاتا۔ وہ تو صرف یروشلم فتح کر کے اس ملعون سرزمین سے جلد از جلد نکل جانا چاہتا تھا۔ اس کا دماغی رجحان تو صرف گھر کی طرف واپسی ہی کا تھا۔ اس نے صلاح الدین کی مفروضہ پست ہمتی کے سلسلہ میں لکھا: ''ایسے حالات میں ہم توقع کر سکتے ہیں کہ ہم اپنے آقا کی وراثت پر پھر قبضہ کر سکیں گے۔ اب چونکہ خدا کے فضل سے ہم نے اس وراثت کا ایک حصہ فتح کر لیا ہے، جس میں نہ صرف ہماری طاقت بلکہ سارا سرمایہ بھی صرف ہو چکا ہے، ہم آپ کو برادرانہ طور پر مطلع کرتے ہیں کہ ہم ملک شام میں Easter کے بعد نہیں ٹھہریں گے۔'' اس نے چھ ماہ کے نوٹس سے پوپ کو آگاہ کیا کہ وہ مقبوضہ علاقوں کے انتظام و حفاظت کے لئے مناسب قدم اُٹھائے۔ اس نے یہ نہیں بتایا کہ آخر پوپ یہ کس طرح کرے۔ گویا وہ جیسے بھی کرے یہ اس کا مسئلہ ہے۔ اس نے لکھا: ''کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں یہ الزام لگایا جائے کہ ہم نے اپنی غفلت یا سستی سے ایسی مقدس اور برگزیدہ ہستی کو عیسائیت کے مفاد کے بارے میں بروقت آگاہ نہیں کیا۔ آپ کو لازم ہے کہ آپ اہل ایمان کو اس نیک کام کی ترغیب دیں۔'' مختصر یہ کہ میں نے تو اپنا فرض ادا کر دیا اب سنگ ریزوں کی صفائی آپ کے ذمہ ہے۔ لیکن

صرف یہ خط ہی رچرڈ کی دماغی حالت کا آئینہ دار نہ تھا اس کے ایک ہفتہ بعد ہی ۱۱ اکتوبر کو اس نے بحری بیڑے کے افسروں کو ایک اور فرمان بھیجا جو اس کے برخلاف تھا۔ اگر اس کے عزائم ۴ اکتوبر کو بہت محدود تھے تو ۱۱ اکتوبر کو بہت بلند۔ اس نے لکھا: ''تمہیں معلوم ہے کہ اللہ کی عزت بڑھانے اور مسلمانوں کے غرور کو توڑنے کے لئے تمہاری مرضی سے ہم مصر قاہرہ اور اسکندریہ کی طرف پوری قوت سے قدم بڑھائیں گے......'' اور پھر اس نے اس مہم سے حاصل کئے جانے والے مال غنیمت کا خوب نقشہ کھینچا۔ شاید وہ اس چال سے جنیوا کے جہازی بیڑہ کو لالچ دے کر جنگ میں شامل کرنے کی کوشش کر رہا ہو، تاہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ رچرڈ نے ہنوز Caesar Augustus بننے کا حوصلہ نہ چھوڑا تھا۔ Jaffa میں قیام کرنے کے فیصلہ نے دو مہینوں کا وقفہ دے دیا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انجیروں اور اناروں کے درختوں کے خوشگوار سائے نے صلیبی لشکر کی آتش جہاد گل کردی۔ Jaffa اور Ascalon کے درمیان مسلسل خورد و نوش سے لدے ہوئے جہازوں کی آمد و رفت جاری رہی جن میں عورتیں بھی تھیں۔ ان کا ایک شاعر لکھتا ہے: ''عورتیں پھر اپنے قدر دانوں کے پاس آ گئیں اور شہوت و بے شرمی کا پھر بازار گرم ہو گیا۔'' اکثر ان جہازوں کی واپسی پر بھی بہت سے سپاہی ان کے ساتھ Acre پہنچ گئے جہاں وہ چکلوں اور شراب خانوں میں گم ہو گئے۔ اس معاملہ میں رچرڈ نے بھی نادانستہ طور پر ان کی مدد کی۔ اس نے اپنی بیوی Berengaria اور بہن Johanna کو سسلی کے محفوظ قلعہ Margat سے بلوالیا۔ وہ نہایت کر و فر سے زرق برق لباسوں میں ملبوس خدام اور موسیقار کے ساتھ شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ سے آئیں۔ اب جبکہ خود بادشاہ ہی ایسی عیش پرستی کا مظاہرہ کرے تو پھر اس کی رعایا سے کس طرح سخت و خشک فوجی زندگی کی امید کی جا سکتی ہے۔ چند ہفتوں بعد رچرڈ کو اس خامی کا احساس ہوا اور اس نے Guy کو Acre بھیجا کہ وہ ان عیش پرست سپاہیوں کو گھیر گھار کر Jaffa واپس لائے۔ حالانکہ Guy رچرڈ کا ایک اہم افسر تھا لیکن عموماً سپاہی اس کی زیادہ عزت نہیں کرتے تھے۔ جیسا کہ ایک مورخ نے لکھا ہے شاہ Guy کے ساتھ کم ہی بادل نخواستہ واپس ہوئے۔ آخر رچرڈ کی

خود Acre جانا پڑا جہاں سے وہ اپنے آدمیوں کو بمشکل برا بھلا کہہ کر بلکہ کوڑے مار کر واپس لاسکا۔ حالانکہ بادشاہ ان کام چوروں کو واپس لانے میں کامیاب تو ہوا لیکن ساتھ ہی وہ وہاں سے بہت سے خادم اور عیش و عشرت کا سامان بھی لایا تا کہ Jaffa میں شاہی قیام زیادہ سے زیادہ آرام دہ بنایا جاسکے۔ اس سے لشکر میں اس کی ساکھ پر برا اثر ہوا۔ Jaffa کی ان تعطیلات کے زمانے میں صلیبی فوج ایک خطرناک حادثہ سے بال بال بچ گئی۔ ۸ رمضان کو رچرڈ ایک مختصر جماعت کے ساتھ کچھ سیر و شکار کے لئے شہر سے باہر نکلا۔ ویسے تو اس کا ارادہ شکار ہی کرنے کا تھا لیکن اگر راستہ میں اسے کچھ ترک مل جاتے تو انہیں بھی پکڑ لیتا۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس کی ایک فوجی اہمیت بھی تھی۔ اسے قدیم رومی شاہ راہ پر جنوب مشرق میں Ramla کی طرف جانا تھا۔ لہٰذا اس راستہ کا کچھ جائزہ لینا بھی ضروری تھا۔ خیر چند گھنٹے گھومنے پھرنے کے بعد وہ اور اس کے ساتھی Lydda پہنچ گئے جہاں سینٹ جارج کا گرجا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اس کی زیارت کرنے کے لئے ہی وہاں گیا ہو۔ بہر حال وہ وہاں جنگل میں ایک درخت کے نیچے لیٹ کر سو گیا، اسی دوران میں مسلمانوں کا ایک طاقتور دستہ ادھر سے گذرا، انہوں نے جب کچھ عیسائیوں کو وہاں دیکھا تو وہ ان پر ٹوٹ پڑے۔ شور و غل سے اس کی آنکھ کھل گئی اور گھبرا کر وہ بمشکل گھوڑے پر سوار ہو سکا۔ اس کی شکاری پارٹی بہت مختصر تھی اور ان سب کا گرفتار ہو جانا لازمی تھا لیکن انہیں محض نارمن سردار Wm des Pre'aux کی بروقت حاضر دماغی نے بچالیا۔ اس نے خطرہ کا پورا اندازہ کرتے ہوئے نعرہ مارا کہ میں غضبناک Melech Ric (رچرڈ شیر دل) ہوں مجھے گرفتار کرنے کی کون جرأت کرسکتا ہے، لہٰذا اسے فوراً ہی پکڑ لیا گیا اور رچرڈ اس افراتفری میں بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔ ایک مورخ نے یوں لکھا ہے کہ دست ایزدی نے اسے بلند تر خدمات کے لئے محفوظ رکھا۔ اس طرح غریب ولیم جنگ کے خاتمہ تک مسلمانوں کی قید میں رہا جبکہ زبردست تاوان دے کر اسے رہا کرایا گیا۔ جب اس کے لشکر کو اس خطرناک حادثہ سے بچ جانے کی خبر ہوئی تو وہ سخت ناراض ہوئے بلکہ بعض سرداروں نے تو اس کے منہ پر ہی اس کی ملامت کی، لیکن رچرڈ نے

بے اعتنائی سے جواب دیا کہ کوئی اس کی فطرت زبردستی نہیں بدل سکتا۔ ایک اور موقع پر ٹیمپلرز دشمن کے نرغہ میں آ گئے اور انہوں نے اس سے مدد مانگی۔ اس وقت اس کے ایک بہی خواہ نے کہا کہ حضور ہم ان لوگوں کو نہیں بچا سکتے، بجائے اس کے کہ آپ خود کو اور عیسائیت کو خطرہ میں ڈالیں انہیں ختم ہونے دیں۔ اس نے جواب دیا کیا مطلب؟ کیا میں اپنے لوگوں کی مدد نہ کروں جنہیں میں نے یہ وعدہ کر کے آگے بھیجا ہے کہ میں تمہارے پیچھے آتا ہوں۔ اگر میں ایسے وقت میں ان کی مدد نہ کروں تو پھر کبھی بادشاہ کہلانے کے قابل نہ رہوں گا۔ لیکن اس بہادرانہ رویّہ کے باوجود اس ساری مہم کے بارے میں اس کے خدشات بڑھتے جا رہے تھے۔ اس کے آگے Ramla کا میدان تھا جو یروشلم جانے والی قدیم شاہ راہ کی رہ گذر میں تھا۔ Ramla فلسطین کا قدیم دارالخلافہ تھا۔ حالانکہ انجیل کے دور میں تو اس کا وجود نہیں تھا لیکن یہ اپنی چار سو سالہ زندگی میں پہلے یروشلم کے برابر ہی ہوا کرتا تھا۔ یہاں کے دلکش حمام اور عمارات مشہور تھیں یہاں یہودیوں کی بھی ایک آبادی تھی جہاں تقریباً تین سو افراد رہتے تھے جن کے مسلمانوں اور صلیبی حکام سے اچھے تعلقات تھے۔ لیکن اب صلاح الدین کے لشکر نے وہاں ایک مضبوط مورچہ بنا لیا تھا۔ اور مخبروں نے اطلاع دی تھی کہ سلطان شہر کی ہر اس چیز کو مسمار کرا رہا ہے جو فوجی نقطۂ نظر سے دشمن کے کام آ سکے۔ اس کی یہ تدبیر تھی کہ وہ سب تباہ کر کے پیچھے ہٹ جائے اور آگے بڑھتی ہوئی صلیبی فوج کو ہر موڑ پر تنگ کرے۔ جو نہی رچرڈ کے دستہ حالات کا جائزہ لینے یا لوٹ مار کرنے شہر سے باہر نکلتے دشمن کے سوار قدم قدم پر ان کی گھات میں ہوتے۔ عیسائی اگرچہ ہر بار انہیں بہادری سے پسپا کر دیتے مگر ان مسلسل حملوں سے ہر بار ان کا نقصان بھی ہوتا۔ ہر معرکہ میں ان کے شہسواروں کے کارناموں کی خوب شہرت ہوتی مگر بہت سے کم نامور سپاہی مارے جاتے۔ اس کے سدِّ باب کے لئے باہر نکلنے والے دستوں کو زیادہ طاقتور بنایا گیا اور عام لشکر سے ان کا فاصلہ کم رکھا گیا۔ کئی دفعہ خطرات کے باوجود رچرڈ کو خود ان کی مدد کو جانا پڑا تب اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کا شاندار گھوڑا سبک رفتار عربوں کے مقابلہ میں تیز نہیں ہے۔ ویسے بھی زیادہ دور تک تعاقب کرنا بڑا خطرناک تھا۔ رچرڈ نے راستہ کی دو

چوکیوں "میدانی Casal" اور "Cosal Maen" کی مرمت کے لئے انجینئر روانہ کئے لیکن سوال یہ تھا کہ ان چوکیوں پر پہرا دے گا کون؟ اور وہ کب تک وہاں تنہائی، فاقہ کشی یا شکست برداشت کر سکیں گے؟ خود اس کے عقب میں بھی وہ علاقہ جو عیسائیوں کا کافی خون بہا کر فتح کیا گیا تھا محفوظ نہ تھا۔ اطلاعات کے مطابق وہاں بھی منظم مسلمان چورڈاکو صلیبی فوجی چھاؤنیوں میں گھس کر قتل وغارت اور لوٹ مار کیا کرتے تھے۔ عیسائی اسے کب تک برداشت کر سکتے تھے۔ کیا یہ ایک مستقبل کی جھلک نہیں تھی؟ اسی اثناء میں رچرڈ کو خبر ملی کہ صلاح الدین نے Lydda میں سینٹ جارج کا خوشنما گرجا اور Ramla کا قلعہ مسمار کرا دیا ہے۔ عرب مورخ بہاء الدین کے احوال کے مطابق رچرڈ نے ۲۶ رمضان (۱۷ اکتوبر ۱۱۹۱ء) مذاکرات کا اشارہ کیا اور سلطان کے بھائی ملک العادل سے ملاقات کی درخواست کی گئی۔ جانبین Yazur کے مقام پر جو Jaffa سے ۳ میل اور Ramla سے ۸ میل کے فاصلے پر ہے پر واقع ہے، بڑی دھوم دھام سے ملے۔ عیسائی سفیروں نے رچرڈ کا ایک خط سلطان کے نام پیش کیا۔ پھر وہ سب سلطان کی خدمت میں Ramla پہنچے جہاں اس نے یہ خط کھولا۔ اس خط میں ابتداً تو نہایت مہذبانہ طریقہ سے لکھا تھا کہ مسلمان اور فرنگی دونوں خون بہا بہا کر لب دم ہیں، سارا ملک مکمل طور پر تباہ ہو چکا ہے۔ دونوں طرف جانیں اور مال و دولت قربان کئے جا رہے ہیں، اب اسے روکنے کا وقت آ گیا ہے۔ اس اہم انکشاف کے بعد خط میں یروشلم۔ صلیب مقدس اور صلیبی سلطنت کا ذکر کیا جو اس جھگڑے کی بنیادی وجوہ تھیں۔ اس نے لکھا: "یروشلم ہماری ایک ایسی مقدس عبادت گاہ ہے جسے جب تک ہمارے ایک آدمی کی بھی جان میں جان ہے ہم نہیں چھوڑ سکتے۔" اس نے مزید مطالبہ کیا کہ تمام صلیبی سلطنت ہماری موروثی جاگیر ہے اسے بلا تامل واپس کیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی غالباً اس نے خود کو واقعی Caesar Augstus (سیزر آگسٹس) سمجھتے ہوئے قاہرہ کو بھی بطور خراج حاصل کرنے کا مطالبہ کیا۔ پھر آخر میں اس نے صلیب کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے لکھا: "تمہارے لئے تو صلیب محض لکڑی کا ایک ٹکڑا ہے لیکن ہمارے لئے اس کی زبردست اہمیت ہے۔ اگر سلطان

ہمیں اسے واپس کردے تو ہم صلح کرلیں گے اور یہ جنگ رک جائے گی۔" جیسا کہ عموماً سیاسی مذاکرات کا طریقہ ہے سخت وترش روالفاظ سے زیادہ ضروری بین السطور کا سمجھنا ہوتا ہے۔ سلطان نے اس پر پوری توجہ دی۔ بظاہر تو ایک ایسے فریق کی طرف سے ایسے سخت مطالبات کا آنا کہ جو خود باوجود Acre اور Arsuf کی فتوحات کے گھر چکا تھا، اس کی فوج بددل ہورہی تھی اور اس کے ساتھی ڈگمگا رہے تھے، نہایت احمقانہ تھا۔ خط کے ابتدائی الفاظ ہی اس کی تھکن ظاہر کررہے تھے اور وہ باعزت طریقہ سے اس جھگڑے سے پیچھا چھڑانے کا خواہاں تھا۔ لیکن سلطان کو بھی ذرا سوچ سمجھ کر قدم اُٹھانا پڑے گا۔ وہ خود بھی تھک رہا تھا اور اسے یہ خطرہ تھا کہ دو ایک اور ناکامیوں سے کہیں اس کا سارا لشکر ہی غائب نہ ہو جائے لہٰذا اس نے اس کا یوں جواب دیا: "یروشلم کی ہمارے لئے بھی وہی اہمیت ہے جو تمہارے لئے ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ، کیونکہ ہمارے نبیؐ نے شب معراج کا سفر یہاں سے ہی کیا اور روزِ قیامت ہم لوگ یہاں ہی جمع کئے جائیں گے لہٰذا تم یہ امید مت کرو کہ ہم اس شہر کو چھوڑ دیں گے یا اس نقطہ پر تم سے صلح کرلیں گے، یہ سرزمین تم سے بہت پہلے ہی سے ہمارا وطن رہی ہے تم تو حال ہی میں یہاں آئے اور یہ بھی اس لئے کہ اس وقت ہمارے لوگ بہت کمزور تھے۔ اب اللہ تعالیٰ تمہیں یہاں ایک پتھر بھی نصب نہیں کرنے دے گا۔ جہاں تک صلیب کا تعلق ہے تو یہ سراسر جھوٹ ہے کہ حضرت عیسیٰ اس پر چڑھائے گئے تھے۔ صلیب تو ہمارے ہاتھ میں تاش کا ایک پتا ہے۔ یہ اس وقت تک واپس نہیں دی جائے گی جب تک کہ اسلام کو بھی اس کے بدلہ میں کوئی اہم چیز نہ ملے۔" اب یہ جیسے کو تیسا کا سا معاملہ بن گیا لیکن سیاسی زبان میں دونوں فریقوں نے اپنا اپنا مطلب صاف طور پر بیان کردیا تھا۔ تاہم محض الفاظ ہی کافی نہ تھے۔ لہٰذا خود ملک العادل سلطان کا یہ ترش جواب لے کر صلیبی لشکر میں پہنچا جہاں اُس کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا گیا۔ کہا گیا کہ رچرڈ خود اس سے ملنے سے معذور ہے چونکہ اس کے جسم پر خون کی جونکیں لگی ہوئی ہیں۔ دراصل وہ بیمار نہ تھا بلکہ اس دور کے مطابق بیماری کے سدّ باب کے لئے اس کے جونکیں لگائی گئی تھیں۔ اس شام بادشاہ کی طرف سے ملک العادل کی خاص ضیافت کی گئی اور اس کے

جواب میں دوسرے دن اس نے بھی رچرڈ کو سات اُونٹ اور ایک شاہی خیمہ پیش کیا۔اس طرح بادشاہ اور شاہزادہ میں جان پہچان اور ہمدردی کی بنیاد پڑی۔

ان سنجیدہ مذاکرات کو باہمی ضیافتوں، تحفے تحائف کے لین دین اور غیر معمولی اظہار دوستی نے ایک مختصر عرصہ کے لئے مضحکہ خیز حد تک پہنچا دیا۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ یہ احمقانہ پیش کش کہاں تک پہنچی لیکن ظاہر ہے کہ رچرڈ اہم مذاکرات میں صنف نازک کی قیمت کو خوب سمجھتا تھا۔ ادھر ملک العادل بھی اس کی ضیافتوں سے مستفید ہوکر مغربی خواتین کا قدر داں ہوگیا تھا۔مسلمانوں میں یہ خبر عام ہوگئی کہ ملک العادل اپنے بھائی کے پاس Ramla میں ایک حیرت انگیز پیغام لے کر آیا ہے۔ملک العادل نے بڑی سنجیدگی سے سلطان کو رچرڈ کا پیغام پیش کیا۔"ملک العادل (جس کا لقب سیف الدین تھا) کی نسبت رچرڈ کی بہن سابقہ ملکۂ سسلی Joanna (جوآنا) سے کی جائے گی۔شادی کے بعد یہ دونوں یروشلم کی سلطنت کے مشترکہ طور پر حاکم بنیں گے اور یروشلم ہی اس سلطنت کا پایۂ تخت ہوگا۔صلاح الدین فلسطین کا تمام مقبوضہ علاقہ اپنے بھائی کو دے دے گا اور رچرڈ اپنا علاقہ اپنی بہن کو دے گا۔اس طرح سارا ملک متحد کر کے ایک سلطنت بن جائے گا البتہ Templars اور Hospitalers کو اپنے قلعے قائم رکھنے کی اجازت ہوگی تا کہ عیسائی زائرین مقامات مقدس کو یروشلم آزادی اور بے خطر جا سکیں۔ اصلی صلیب واپس کی جائے گی جس کے ملنے پر رچرڈ ارض مقدس سے واپس ہو جائے گا۔" اس سے پیشتر کہ ملک العادل یہ پیغام اپنے بھائی کو پہنچا سکتا اس کی افواہیں اسلامی لشکر میں پھیل گئیں جن سے عام سپاہیوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔کیا واقعی صلح ہونے والی ہے؟ سلطان نے بھی اپنے بھائی کے جذبات کے احترام میں نمائشی طور پر رضامندی کا اظہار کیا البتہ اُسے بے ساختہ ہنسی ضبط کرنے میں بڑی مشکل ہوئی ہوگی۔اب تک اس نے یہ شبہ نہیں کیا تھا کہ رچرڈ ایک عملی مسخرہ بھی ہو سکتا تھا۔اول تو یہ کہ قرآن (مجید) ایک کافر سے شادی کرنے کی ممانعت کرتا ہے۔میاں بیوی کی جنت میں روحانی ہم آہنگی اسلام کا ایک بنیادی نظریہ ہے۔جس کے معنی یہ ہیں

کہ دونوں حق الٰہی کو بیک دل وجاں تسلیم کریں۔ قرآن میں آیا ہے: ''کافر عورتوں سے نکاح مت کرو تاوقتیکہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں۔ ایک مسلمان کنیز ایک غیر مسلم خاتون سے بہتر ہے خواہ وہ تمہیں کتنی ہی پسند ہو۔'' پھر آگے کہا گیا ہے: ''اے اہل ایمان کافر تو تمہیں آگ کی طرف بلاتے ہیں۔'' لہٰذا شادی کے لئے جوآنا کو مسلمان بننا پڑے گا۔ اگر کسی معجزہ سے یہ رشتہ ہو جاتا تو شعراء ملک العادل کے بارے میں بہت نغمہ سرائی کرتے۔ بعد میں اس کی شان میں ایک بہت شاندار قصیدہ لکھا بھی گیا۔ ساتھ ہی یہ یقین کرنا بھی مشکل ہے کہ یورپ کے شاہی خاندان خاموشی سے اپنے بدترین دشمن کے ساتھ ایسا رشتہ گوارا کر لیتے۔ تاہم جیسا کہ ان معاملات میں دستور تھا صلاح الدین نے اپنے امیروں کو جمع کیا اور انہیں تین بار یہ پیغام سنایا گیا۔ ہر بار سلطان نے اپنی رضامندی ظاہر کی۔ جیسا کہ مورخین کی رائے ہے اسے یقین تھا کہ رچرڈ بھی اس پر تیار نہ ہو گا کہ اس کی بہن اسلام قبول کر لے۔ رچرڈ نے تو محض شرارت سے یہ تجویز پیش کی تھی۔ خیر اس مضحکہ خیز تجویز کا کچھ بھی مطلب ہو کم سے کم مسلمانوں کو تاخیر جنگ سے ضروری تیاری کا موقع تو مل گیا۔

لیکن اب اس ڈرامہ کو آگے بڑھنا ہی تھا۔ اسے سنتے ہی جوآنا نے چیخنا چلانا شروع کر دیا اور ہر طرح کی مقدس ہستیوں کی قسمیں کھائیں کہ وہ ہرگز ایک مسلمان سے شادی نہیں کرے گی۔ اس سلسلہ میں خود رچرڈ نے بھی کوئی اچھا پارٹ ادا نہیں کیا۔ جب مسلمان قاصد اس کے پاس جواب لینے آیا تو وہ بس کسی قدر خفت سے اپنی بہن کے انکار کا ذکر کر سکا اور کہا کہ اگر ملک العادل عیسائی ہونے پر آمادہ ہو تو ہم شادی کی خوشیاں منائیں گے۔ اس کے امکان سے لاعلمی ظاہر کرتے ہوئے اس نے معاملہ کو مزید طول دیا، گویا کہ وہ ایک معاہدہ ہی کر رہا تھا۔ اس کا صلاح الدین کو خط یروشلم کے بارے میں ہی تھا۔ اس نے لکھا: ''میں آپ کی دوستی اور محبت کا خواہاں ہوں۔ میں کہہ چکا ہوں کہ میں فلسطین کے تمام علاقے آپ کے بھائی کو دے دوں گا اور میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ اس ملکیت کو بانٹ لیں۔ لیکن ہم لازمی طور پر یروشلم میں قدم جمانا چاہتے ہیں۔ میرا مقصد تو صرف یہ ہے کہ اس علاقہ کی تقسیم اس طرح ہو کہ مسلمان آپ پر الزام نہ لگائیں اور فرنگی مجھ پر الزام نہ

لگائیں۔'' اگر جوآنا (Joanna) اس رشتہ کے لئے رضامند نہ تھی تو رچرڈ کے پاس ایک اور دانہ تھا۔ یہ اس کی بھتیجی الینور (Eleanor) تھی۔ گو کہ وہ ملکہ تو نہیں تھی لیکن ایک دوشیزہ تھی اور Brittany کی شہزادی تھی اور اس کی شادی کے لئے اسے پوپ کی اجازت کی بھی ضرورت نہیں تھی چونکہ وہ قانونی طور پر اس کا سرپرست تھا جبکہ جوآنا ملکہ تھی جس کے لئے پوپ کی اجازت حاصل کرنا ضروری تھا اور اس کے لئے کم از کم تین ماہ کی مہلت درکار تھی۔ لیکن جب ملک العادل کو یہ پیغام ملا تو وہ کسی طرح اس پر راضی نہ ہوا۔ اب تو اس کا دل ایک عیسائی ملکہ پر ہی آ گیا تھا اور وہ صرف ایک عیسائی ملکہ کو ہی قبول کرنا چاہتا تھا۔ اب ان کھلاڑیوں کے لئے یہ بازی اور مشکل ہوگئی۔ اسی دوران ایک اور ڈرامہ نے اس صورت حال کو مزید پیچیدہ بنا دیا۔ خاص اسی دن جبکہ Humphrey رچرڈ کی طرف سے سلطان سے مذاکرات کر رہا تھا غیر متوقع طور پر ایک او رمقامی سردار اس سے ملنے آیا۔ یہ Sidon کا شہزادہ تھا جو ٹائر کے حاکم Conrad کا ایک اہم پیغام لے کر صلاح الدین کے پاس آیا تھا۔ اس کو سب خوب اچھی طرح جانتے تھے، یہ شخص کئی سال سے جنوبی لبنان کے سنگین قلعہ Beaufort کا حاکم تھا۔ Hattin کی جنگ میں بچ کر بھاگ نکلا تھا مگر ایک اور معرکہ میں گرفتار ہوا تھا اور کچھ دن پہلے تک دمشق میں قید رکھا گیا تھا۔ صلاح الدین نے بیوفورٹ کے قلعہ کا محاصرہ ایک سال تک قائم رکھ کر فتح کیا تھا۔ اب وہ Conrad سے اس امید میں مل گیا تھا کہ شاید اس کی مدد سے وہ اپنے ساحلی علاقوں کو آزاد کرا سکے۔ Conrad نے تو پہلے ہی رچرڈ کی مہم سے پیٹھ موڑ لی تھی چونکہ رچرڈ نے اس کے حریف شاہ Guy کی طرف داری کی تھی۔ اس وقت Conrad نے ناراض ہو کر Acre کو خیر باد کہہ دیا تھا اور شاہ فرانس فلپ سے جا ملا تھا۔ اس کے اور رچرڈ کے درمیان اس وقت بھی عداوت جاری تھی جبکہ رچرڈ جنوب کی طرف مارچ کر رہا تھا۔ جب Arsuf کی جنگ کے بعد رچرڈ اپنے سپاہی واپس لانے کے لئے Acre گیا تھا تو اس وقت اس کا مقصد کونراڈ اور اپنے دیگر فرانسیسی مخالفین سے اختلافات دور کرنا بھی تھا۔ لیکن وہ اس میں قطعاً ناکام رہا۔ کونراڈ اپنی جنگی

صلاحیت، اہمیت اور حیوانی طاقت کی بدولت مقامی مسلمان سرداروں میں خوف وہراس کا باعث تھا۔لیکن اب اس کی کیا چال تھی؟ Humphrey (ہمفرؔی) کے دربار سے رخصت ہونے کے بعد ہی کونرآڈ کے اس سفیر نے سلطان کے حضور میں ایک نہایت اہم پیش کش کی۔اس نے کہا کہ اب کونرآڈ اس مغرور اور جھگڑالو انگریز سردار سے تنگ آ گیا ہے اور وہ اس حرامزادہ کو ارض مقدس سے نکالنے کے لئے سلطان سے متحد ہونے کو تیار ہے۔اس کے بدلے میں سلطان اسے بیروت اور Sidon کے شہر دے اور اگر Acre فتح ہو جائے تو اس پر بھی کونرآڈ کا حق ہو گا۔ پس کونرآڈ کے تصورات کو سمجھنا کچھ مشکل نہیں تھا۔وہ چاہتا تھا کہ ایک نئی ریاست قائم کی جائے جس میں بیروت، سڈون اور Acre بھی شامل ہوں جہاں کے باشندے پہلی صلیبی جنگ کے فاتحین کی اولاد تھے نہ کہ سمندر پار کے غاصب جن کا سردار ایک غدار تھا۔صلاح الدین اس تجویز سے خوش ہوا۔یہ خیال کہ مقامی صلیبیوں اور غیر ملکی حملہ آوروں کو تقسیم کیا جائے بہت دل پسند تھا۔ اگر وہ کونرآڈ کی پیش کش قبول کرلے جس کے لئے وہ آمادہ تھا، تو وہ ان زرد رو یورپ والوں کو آپس میں دست و گریباں کر سکے گا۔اگر کونرآڈ Acre پر چڑھائی کر دے تو رچرڈ یروشلم کی طرف آگے بڑھنے سے روک جانے پر مجبور ہو جائے گا اور پلٹ کر پہلے Acre بچانے کی کوشش کرے گا۔ لہٰذا اسلامی لشکر میں سیڈوؔن کے شہزادہ کے لئے ایک شاندار خیمہ ایستادہ کیا گیا اور اسے قیمتی قالینوں اور ملائم گاؤتکیوں سے مزین کیا گیا جہاں اس کی اعلیٰ پیمانہ پر ضیافت کی گئی جس کے بعد اس نے ملک العادل کے ساتھ اسلامی لشکر کی جنگی صفوں کا معائنہ کیا۔پس ایک خلیفہ یا پاشا کی طرح سیڈون کے اس شہزادہ کی کئی دن مہمان نوازی کی گئی جبکہ امیر نے دونوں حریفوں کی پیش کشوں پر غور کیا۔اس مصنوعی ماحول میں ایلچیوں کی مختلف لشکروں میں آمد و رفت رہی۔ایک دفعہ تو اسلامی اور صلیبی لشکروں کے درمیان ایک نہایت شاندار خیمہ لگایا گیا جہاں رچرؔڈ اور ملک العادل نے نہایت خوشگوار ماحول میں ضیافتوں کے دوران مذاکرات جاری رکھے۔ یہاں تک کہ ۱۶ر اکتوبر کو رچرڈ نے سلطان کے لئے ایک بہت قیمتی جنگی گھوڑا پیش کیا۔آخر میں ان مذاکرات میں

قیدیوں کا مسئلہ اُٹھا۔ سلطان نے رچرڈ کے سفیر ہمفرتی سے کہا کہ اگر صلح نہ ہوئی تب بھی قیدیوں کا مسئلہ باقی رہے گا۔ سفیر کے رخصت ہونے کے بعد سلطان اپنے مشیروں کی جانب متوجہ ہوا۔ اس نے کہا: ''صلح کے بعد بھی اُنہیں ہم پر دھوکہ سے حملہ کردینے سے کون روک سکے گا؟ اگر میں مرگیا تو مسلمان اتنے بڑے لشکر کو قائم نہیں رکھ سکیں گے اور لامحالہ فرنگی بالادست ہوجائیں گے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ ان سے بدستور جنگ ہی کی جائے یہاں تک کہ انہیں اس سرزمین سے باہر نکال دیا جائے یا پھر ہم ہلاک ہوجائیں۔'' تاہم دستور کے مطابق اس نے امیروں سے دونوں پیش کشوں کے متعلق مشورہ کیا۔ امیروں نے رائے دی کہ اگر واقعی رچرڈ کی پیش کش مخلصانہ ہو تو وہ قابل ترجیح ہوگی چونکہ ہمیں کافی تجربہ ہے کہ مقامی سرداروں سے ایک منصفانہ معاہدہ ناممکن ہے۔ وہ ہمیشہ عہد شکنی کرتے ہیں۔ حال ہی کا تجربہ ظاہر کرتا ہے کہ Al- Anketar (یعنی رچرڈ) اور اس کی فوج کے خلاف کوئی بھی قدم اٹھایا جائے وہ ان مقامی سرداروں کے حق میں ہی فائدہ مند ہوگا۔ چنانچہ کونراڈ کی پیش کش عدم اعتماد کا شکار بن گئی۔ کچھ دن بعد ہی سیڈون کے شہزادہ نے اسلامی لشکر میں اپنا شاہی قیام ختم کیا اور رخصت ہوگیا۔ اسی دوران شادی کے محاذ پر بھی حقیقت عود کر آئی اور ایسا نظر نہیں آرہا تھا کہ تیسری صلیبی مہم کا اختتام برادرانہ آتش محبت میں ختم ہوگا۔ رچرڈ کے شادی کے آخری پیغام نے عیسائیوں میں کھلبلی مچادی۔ نہ صرف جوآنا بلکہ خود اس کا بشپ بھی اس کے سخت خلاف ہوگیا۔ اگر مسلمانوں کا قرآن کافروں سے شادی کرنے کو ممنوع قرار دیتا ہے تو عیسائیوں کی انجیل بھی اس کی اجازت نہیں دیتی۔ ''نہ تو خود ان سے شادی کرے گا اور نہ ہی تو اپنی بیٹی اس کے بیٹے کو دے گا۔ کیونکہ وہ تیری بیٹی کو میری راہ سے ہٹادیں گے اور وہ دوسرے خداؤں کی پوجا کرنے لگے گی۔ پس آقا کا عتاب تجھ پر نازل ہوگا اور تجھے دفعتہً برباد کردے گا۔'' اس رشتہ کی مخالفت کئی قسم کی تھی۔ لہذا رچرڈ نے صلاح الدین کو لکھا: ''عیسائی پوپ کی اجازت کے بغیر میری بہن کی شادی پر راضی نہیں۔ پوپ عیسائیت کا افسر اعلیٰ ہے۔ لہذا میں نے اس کے پاس ایک سفیر روانہ کیا ہے جو تین مہینہ میں واپس ہوگا۔ اگر وہ اس رشتہ کی اجازت دیتا ہے تو بہتر ہے ورنہ

میں اپنی ایک بھتیجی کا ہاتھ آپ کو پیش کرتا ہوں جس کے لئے مجھے پوپ کی اجازت کی بھی ضرورت نہیں ہے۔'' اب تین مہینہ جواب کا انتظار کرنا ناممکن تھا۔ اُدھر جوآنا ملک العادل سے شادی کرنے پر رضامند نہیں تھی اور ملک العادل الینور سے شادی کرنے کو تیار نہ تھا۔ اس صورت حال کے پیش نظر صلاح الدین نے اس خط کا جواب ہی نہیں دیا۔ اب جنگ کی تیاری کا وقت آ گیا تھا۔ تاہم رچرڈ نے سیاسیانہ طور پر اس تنازعہ کو دور کرنے کی آخری کوشش کی۔ اس نے اپنے نئے دوست اور مستقبل کے بہنوئی کی معرفت سلطان سے ملنے کی درخواست کی۔ گو کہ اس کے امیر اس پر راضی تھے لیکن پھر بھی صلاح الدین کا جواب وہی رہا۔ اس نے لکھا: ''اگر بادشاہ ملاقات کے بعد پھر جنگ شروع کر دیں تو یہ ایک توہین ہے اور ان کے شایان شان نہ ہوگی۔ اس لئے ہمیں پہلے اس معاملہ کو طے کر لینا چاہئے اس کے بعد ہی ملاقات اور سنجیدہ مذاکرات مناسب ہوں گے اور جب ہی ہماری دونوں قوموں کے درمیان ایک مخلصانہ دوستی کی بنیاد قائم ہو سکے گی۔'' اکتوبر میں ان غیر فطری مذاکرات کے دوران بھی دونوں لشکر بیکار نہیں رہے اور Ramla (رملہ) کے علاقہ میں ان کے دستوں میں جھڑپیں ہوتی رہیں۔ اسی زمانہ میں سلطان کو یہ پریشان کن خبر ملی کہ Acre کے شمالی مضافات میں کسان صلیبیوں کو دل کھول کر غلّہ اور گوشت فراہم کر رہے ہیں جس سے اُس کی یہ امید بھی ٹوٹ گئی کہ وہ طویل قیام سے دشمن کی فوج کو بھوکا مار سکے گا۔ نیز دشمن کے کچھ مفرور سپاہیوں نے اسے یہ بھی اطلاع دی کہ رچرڈ عنقریب Jaffa سے کوچ کر کے رملہ کی طرف مارچ کرنے والا ہے۔ ان خبروں کے ملنے پر سلطان نے حملہ آوروں کے آنے والے راستوں کے قلعوں اور شہروں کو منہدم کرانا شروع کر دیا۔ Lydda میں اس نے سینٹ جارج کے گرجا گھر کی خوبصورتی اور عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے اسے مسمار کرا دیا۔ اس کے بعد رملہ کا سینٹ جان کا اہم چرچ اور اس کا قلعہ اس کا نشانہ بنے۔ وہاں کے باشندوں کو شہر خالی کر دینے کا حکم دیا گیا۔ اور ان کی کسی قدر تسلی کے لئے انہیں سرکاری گودام سے غلّہ حاصل کرنے کی اجازت دی گئی۔ ۱۴ر اکتوبر کو اس نے Laturn کے مضبوط دفاع کی تعریف کرنے کے

باوجود وہاں کے پانچوں میناروں کو منہدم کرا دیا۔ رمضان کی ابتداء میں سلطان نے خفیہ طور پر یروشلم کا سفر کیا تا کہ وہاں کے ذخائر اور دفاع کا معائنہ کرے بالآخر اکتوبر کے آخر میں صلیبی لشکر نے Jaffa کے خوشگوار ماحول کو خیر باد کہا اور انہوں نے زائرین کی قیام گاہ کے اہم مقام Yazur سے گذر کر Lydda اور Ramla کے کھنڈرات میں پڑاؤ ڈالا۔ اس ناخوشگوار ماحول اور بکھری ہوئی اینٹوں اور پتھروں کے درمیان انہوں نے مجبوراً دس دن گذارے جس کی بڑی وجہ موسم تھا جہاں کئی ہفتوں تک مسلسل شدید بارش اور اولے فوج پر برستے رہے۔ آندھیوں نے خیموں کی میخوں کو اُکھاڑ دیا۔ بہت سے گھوڑے ڈوب گئے اور روٹی برباد ہوگئی۔ سرداروں کے جسموں پر ان کے زرہ بکتر زنگ کھا گئے اور زمین کیچڑ کا سمندر بن گئی جہاں سے آگے بڑھنا ناممکن ہوگیا۔ اس کے باوجود دشمن ان پر تیر برساتا رہا۔ جبکہ صلاح الدین دشمن کی آمد سے پہلے سارا علاقہ ویران کرنے میں مصروف تھا۔ اس کے لشکر میں طرح طرح کی بری افواہیں اور سیاسی نقصانات کی خبریں گشت کرنے لگیں۔ پہلے تو سلطان کو یہ غلط خبر ملی کہ یورپ واپسی کے دوران فرانس کا بادشاہ مرگیا۔ پھر اس خبر سے چاہے کتنی ہی خوشی ہوئی ہو اس سے کہیں زیادہ غم اس خبر سے ہوا کہ شام میں اس کے بھتیجے تقی الدین کا انتقال ہوگیا۔ اس کا اس جوشیلے شہسوار سے بہت قریبی تعلق تھا۔ اس نے روکر کہا کہ میں اللہ تعالیٰ سے اس کی مغفرت کی دعا مانگتا ہوں اور پھر اس نے ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' کہا۔ تقی الدین عیسائیوں کے خلاف اپنی آتشیں نفرت اور جوش کی بدولت میدان جنگ میں بہت اہم اور نمایاں تھا۔ اب اس کا نہ ہونا نہ صرف جہاد اسلامی بلکہ سلطان کی ساری سلطنت کے اتحاد و بقا کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان تھا۔ اس حادثہ سے اس کی مہم میں بڑا خلل پڑا اور میسوپوٹامیہ کے صوبہ کے لئے بہت سے دعویدار پیدا ہوگئے جن پر قابو پانے کے لئے اسے کچھ فوجی دستے روانہ کرنا پڑے ساتھ ہی خلیفہ وقت نصیر الدین الٰہی کا ایک فرمان پہنچا جس میں اس کے سیاسی اقدامات کی مذمت کی گئی۔ موصل کی بدامنی اور بغداد کی ناراضی کے ماحول میں اسے اب کسی امداد کی توقع نہیں تھی۔ اب تو اس مقدس شہر کا دفاع صرف اس کے شامی، ترکی، مصری اور کرد

سپاہیوں کو ہی کرنا ہوگا۔ مسلمانوں کا ہراول دستہ حملہ آوروں سے آگے آگے پہاڑیوں میں رہا جبکہ ان کے بدوؤں نے پیچھے سے دشمن کی سمندر سے آنے والی رسد پر متواتر حملے کئے لیکن صلاح الدین نے فوج کا خاص حصہ یروشلم منتقل کردیا۔ اسے موسم بہار کے خشک موسم سے قبل شہر کے محاصرہ کی توقع نہیں تھی۔ تاہم وہ وہاں کے دفاعی انتظامات سے مطمئن نہیں تھا اور اسے اندیشہ تھا کہ کہیں سامان جنگ کا ذخیرہ کم نہ پڑ جائے۔ ایک دور افتادہ امیر کو اس نے لکھا: ''اگر موسم بہار تک کمک نہیں پہنچی تو حالات بہت سنگین ہو جائیں گے۔'' بہت سے سپاہی بھی اس خراب موسم میں فرار ہو رہے تھے لیکن پھر بھی اس دوران میں اسے مصر سے کچھ تازہ سپاہی ملے جن کا افسر نامور کمانڈر ابوالہائجہ (Abul Haija) تھا۔ ۱۲ ردسمبر کو جب موسم کچھ بہتر ہوا تو صلیبی فوج پھر حرکت میں آئی۔ Ramla سے آگے بڑھ کر وہ Toron پہنچے جہاں انہوں نے شہر کے مسمار شدہ میناروں کے سائے میں رات گذاری۔ ایک دن قیام کے بعد وہ Laturn سے تین میل شمال مشرق میں ایک مقام پر آئے جو حال ہی میں خالی کیا گیا تھا اور جس کا نام بیت نوبہ (Bait Nuba) تھا۔ اب یہ یروشلم آزاد کرانے والے وہاں سے صرف بیس میل ہی دور تھے۔ برف باری نے انہیں بار بار روکا۔ تعجب ہے کہ ان دشوار حالات میں بھی صلیبی فوج بلند ہمت ہی رہی۔ انہوں نے جودیہ کی پہاڑیوں کے علاقہ میں پڑاؤ ڈالا جہاں بڑی چٹانیں اور تنگ وادیاں تھیں۔ عیسائی سپاہیوں کو یہ منظر اپنے خوابوں اور دعاؤں کی تعبیر معلوم ہوا۔ بالآخر ان کے پیش نظر وہی گول پہاڑیاں تھیں جہاں ان کے خداوند نے گھوم پھر کر ہزاروں لوگوں کو وعظ دیئے تھے اور پند و نصیحت کی تھی۔ یروشلم کی مشہور گلی Via Dolorosa اب اتنی قریب تھی کہ وہ اس کی مہک لے رہے تھے۔ اس آخری شاندار فتح سے کوئی بھی منہ نہ موڑنا چاہتا تھا یہاں تک کہ Jaffa کے زخمی بھی بدوؤں کے خطرات کا سامنا کر کے وہاں پہنچ رہے تھے جبکہ بدوان کی لاچارگی کے باوجود ان پر حملے کرنے سے باز نہیں آ رہے تھے۔ یہ زخمی بڑی مشکل سے بیت نوبہ لائے جا رہے تھے تا کہ وہ بھی اس خوشی میں حصہ لے سکیں۔ ۱۰۹۹ء کے صلیبی مجاہدین کی طرح

ایک بار پھر یہ وہاں آ رہے تھے، ان کا بادشاہ رچرڈ نیا Godfrey de Boullon تھا۔ یہ وہ شخص تھا جس نے اسی سال پہلے یروشلم کے گلی کوچوں کو مسلمانوں اور یہودیوں کے خون سے بھر دیا تھا۔ جس نے بادشاہ ہونے سے انکار کر دیا تھا اور محض مرقد مقدس کے خادم کی حیثیت سے حکومت کی تھی۔ اس کی قبر پر کندہ تھا: ''اے روشن ستارے یہاں ڈیوک Godfrey آرام کر رہا ہے جو مصر کے لئے دہشت تھا۔ جس نے عربوں کو بھگایا، ایرانیوں کو تتر بتر کیا۔ جو بادشاہ منتخب ہوا مگر وہ شاہی تاج کے لائق نہیں تھا لیکن وہ تو عیسیٰ علیہ السلام کا غلام تھا۔ ایسعہیون کے حقوق کا تحفظ کرنا تھا اور بہ حیثیت ایک کیتھولک کے مساوات وحق پرستی کے اصولوں پر کار بند ہونا تھا۔ ولیوں میں وہ جواہرات سے مزین تاج کا مستحق تھا۔ فوج کے لئے آئینہ اور عوامی طاقت اور علماء کے لئے ایک مضبوط منبع تھا۔'' لہٰذا موجودہ مجاہدین کی بھی وہی شان ہوگی۔ وہ تو Gregory کی ماتمی دعا کا جواب تھے، اس نے فریاد کی تھی: ''خداوند کفار تیری ملکیت میں گھس آئے ہیں، انہوں نے تیرے مقدس مندر کو ناپاک کر دیا ہے اور یروشلم کو کھنڈر بنا دیا ہے۔''

اب برف اور کیچڑ میں بھی فوج نے خوشیاں منائیں۔ سپاہیوں نے کھیل کود میں اپنے ہتھیار اُچھالے اور ان کے سرداروں نے فتح کے بعد خوشیاں منانے کی فہرست بنائی جیسا کہ انہوں نے Acre کی فتح کے بعد کیا تھا۔ اس امید میں اب سارا لشکر کمر بستہ تھا۔ انہوں نے لباس دھوئے۔ زرہ بکتر اور برچھوں کو چمکایا اور نعرے مارے کہ خداوند تیری رحمت سے ہی ہم یہاں پہنچے ہیں اور اب بالآخر راہ مستقیم پر گامزن ہیں۔

متبرک اور شیطانی شعلے:۔ ۱۱۹۱ء کے کرسمس اور Epiphany (۶ رجنوری جسے آرتھوڈوکس عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اصل یوم پیدائش مانتے ہیں، جبکہ کیتھولک اور دیگر عیسائی فرقے اسے وہ دن کہتے ہیں جب تین عقلمند بادشاہ شیر خوار حضرت عیسیٰ کو تحفے دینے دور دراز علاقوں سے وارد ہوئے۔ علاوہ اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ کبھی کسی اہم اور پیچیدہ معاملہ کی دفعۃً کسی پر حقیقت واضح ہو جائے) کے تہوار کے درمیان صلیبی جنگ کی قسمت کے فیصلے

کا توازن بہت نازک تھا۔ اس نہایت سخت اور فیصلہ کن دور میں رچرڈ شیر دل غیر معمولی مزاجی بحران میں مبتلا رہا۔ کبھی وہ غیر معمولی خود اعتمادی سے پھٹا پڑتا تھا تو کبھی نہایت مایوسی اور بددلی کا پتلا معلوم ہوتا تھا۔ Bait Nuba اگرچہ نہایت کیچڑ پانی کی دلدل بن گئی تھی مگر پھر بھی وہاں خوشی کا ماحول تھا جبکہ ٹیمپلرز نے دلیری سے باہر نکل کر چھاپے مارے اور تقریباً دو سو مویشی پکڑ لائے جو فوج کی خوراک کے لئے بہت ضروری تھے' لیکن پھر بھی رچرڈ مایوسی سے نڈھال رہا۔ دراصل اس کے دل و دماغ پر سلطان سے کہیں زیادہ دور کے معاملات طاری تھے۔ اس کی ماں Eleanor اس کی حکومت کی جانشین نارمنڈی میں تھی جہاں اس نے اپنے آنجہانی شوہر کی داشتہ Alais کو قید کر رکھا تھا اور جہاں وہ سلطنت کے دور دراز علاقوں کو قابو میں رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ادھر اس کا چھوٹا بھائی John اس کے خلاف یارکشائر میں ڈرہم کے سابق بشپ کے ساتھ سازشیں کر رہا تھا۔ ڈرہم کا یہ سابق بشپ Hugh تھا جسے پوپ نے مذہب سے خارج کر کے برطرف کر دیا تھا۔ John نے Hugh سے مل کر نہایت دیدہ دلیری سے متعدد قلعوں پر قبضہ کر لیا تھا اور اب وہ رچرڈ کی عدم موجودگی میں تمام ملک پر ہی قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ لیکن ان سب سازشوں کا سردار فرانس کا بادشاہ فلپ تھا جو کرسمس سے پہلے ہی پیرس پہنچ گیا تھا۔ اس نے بڑے پیار سے خود کو رعایا کے سامنے صلیبی جنگ کے ہیرو کی حیثیت سے پیش کیا اور St. Denis کے مزار پر بڑی عاجزی سے سجدہ ریز ہو کر اپنی بحفاظت واپسی کا شکرانہ ادا کیا۔ لیکن فی الحقیقت اس کے ساتھ جو فوج Vezlay سے جہاد کے لئے روانہ ہوئی تھی اس کا صرف ایک چوتھائی حصہ ہی واپس ہوا' باقی جنگ اور بیماریوں کا شکار ہوئے۔ ان سب میں اہم ترین بیلجیم کا سردار تھا۔ چنانچہ فلپ نے اس کی قربانی اور وفاداری کو سراہتے ہوئے چرچ میں ایک نادر مشرقی ریشم کا پارچہ رکھا اور پھر وہ اپنے قصر شاہی فونٹین بلو کو روانہ ہوا تاکہ وہاں مزید سازشیں کرے۔ اس پر رچرڈ کا جنون طاری تھا۔ گویا رچرڈ اس کی زندگی کی داستان بن گیا تھا۔ ان دونوں کی زندگیاں شدید جذبات سے باہم پیوستہ تھیں جن کی جگہ اب نفرت نے لے لی تھی۔ ۱۱۹۲ء کے

آغاز میں ہی اس نے رچرڈ، پوپ یا عہد خداوندی کی ظاہرداری کو ختم کر دیا۔ اب تو اسے Vexin، Flanders نارمنڈی یا جو کچھ بھی ممکن ہو رچرڈ کی غیر حاضری میں قبضے میں لینا تھا۔ بعد میں بقول ایک انگریز مؤرخ کے: ''ساری دنیا کو خوب معلوم ہے کہ اس نے اپنے عہد کا کتنا پاس کیا۔'' اس طرح فرانس کے بادشاہ نے اپنے اعلیٰ جہاد کی مقدس کتاب کو بے نیازی سے بند کیا اور تمام نمائش اور ظاہرداری کو ختم کر کے اپنی فطرتی سازشوں کی طرف متوجہ ہوا۔

۱۱۹۲ء میں رچرڈ اپنے بدمزاج اور صاحب تو ند قائم مقام Longchamp کے خط موصول کر رہا تھا جن میں وہ بادشاہ کو اس کے بھائی جان (John) کی شرانگیزیوں کی خبریں دے رہا تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ جان مقامی سرداروں سے حلفِ وفاداری لے رہا ہے جس کے بہت خطرناک نتائج ہو سکتے ہیں اور اگر رچرڈ اپنی سلطنت کی خیر چاہتا ہے تو اس مقدس جہاد کو خیرباد کہہ کر فوراً ہوا کے پروں پر ملک واپس ہو۔ حالانکہ یہ اطلاعات ایک غیر معتبر ذریعے سے پہنچ رہی تھیں جن میں خبر رساں کا ذاتی مفاد تھا جس کے پیش نظر رچرڈ نے انہیں خاص اہمیت نہیں دی۔ تاہم بعض دیگر اہم اور معتبر ذرائع بھی اسے اسی طرح کی خبریں بھیج رہے تھے۔ علاوہ ازیں ان خبروں کو اس تک پہنچنے میں تقریباً دو مہینے لگ جاتے تھے اس لئے تازہ ترین صورت حال کا اندازہ کر کے اسے اور بھی وحشت ہوتی تھی۔ وہ خوب اندازہ کر سکتا تھا کہ اس کا سابق عاشق اور شریکِ جہاد شاہ فرانس وہاں پہنچ کر اس کے خلاف کیا کچھ نہیں کرے گا۔ اور فی الحقیقت شاہ فرانس نے بھی وہاں پہنچ کر کوئی وقت ضائع نہیں کیا۔ ۲۰ /جنوری ۱۱۹۲ء کو وہ Gissors کے اہم نارمن قلعہ کی فصیلوں کے سامنے آ پہنچا۔ Gissors وہ مقام ہے جہاں انگلستان اور فرانس کے بادشاہ اہم مذاکرات کیا کرتے تھے جس کی یاد میں وہاں ایک درخت لگایا گیا تھا۔ فلپ نے وہاں قلعہ کے گورنر سے مطالبہ کیا کہ اس کی بہن Alais کو Rouen کی قید سے رہا کیا جائے۔ اس کے ثبوت میں اس نے اپنے اور رچرڈ کے درمیان سسلی میں کئے گئے ایک عہد نامہ کی دستاویز پیش کی جس کی رو سے Alais کی فوری رہائی اور Gissors سے ملحقہ بعض قیمتی جاگیروں کو

Alais سے شادی نہ کرنے کے تاوان میں فلپ کو دینے کا وعدہ کیا تھا۔ فلپ کا یہ مطالبہ دراصل برادرانہ جذبات سے بڑھ کر ہی تھا۔ اس نے خفیہ طور پر رچرڈ کے بھائی جانؔ کے پاس سفیر روانہ کئے تھے جن کے ذریعے ایک شیطانی منصوبہ پیش کیا گیا تھا جس کا ماحصل یہ تھا کہ جانؔ فوج لے کر فرانس پہنچے اور اس کی حسین البتہ استعمال شدہ بہن Alais سے شادی کرے اور ان کی سرحدی جاگیروں پر بھی قبضہ کرے کہ جو رچرڈ نے شادی نہ کرنے کے تاوان میں دی تھیں۔ اب یہ معمولی حقیقت کہ جان پہلے ہی شادی شدہ تھا فلپ اور جانؔ دونوں کے لئے ایسی رکاوٹ نہ تھی جسے پار نہ کیا جا سکے۔ ظاہر ہے کہ عہد نامہ کی یہ دستاویز جعلی تھی۔ ہر شخص جانتا تھا کہ رچرڈ نے اس سلسلے میں فلپ سے کوئی وعدہ نہیں کیا تھا۔ حقیقت اس کے برخلاف تھی۔ رچرڈ نے Mersina میں اپنے باپ کی اس داشتہ سے بالکل قطع تعلق کر لیا تھا اور فلپؔ کا غم دور کرنے کی خاطر اسے کچھ معمولی رقم دے دی تھی۔ تاہم قلعہ کے گورنر Hugh نے مذاکرات کو طول دیا تا کہ وہ اپنی حاکمہ الینور (رچرڈ کی ماں) کی منظوری حاصل کر سکے۔ اب یہ ستر سالہ، ثابت قدم مادر شاہ پورے استقلال اور تحکمانہ انداز سے اسٹیج پر رونما ہوتی ہے۔ اس کے مخبروں نے پہلے ہی اسے فلپؔ اور جانؔ کی سازباز سے مطلع کر دیا تھا اس لئے اس معاملے کا فیصلہ کرنا اس کے لئے آسان ہو گیا۔ اس نے Hugh کو حکم دیا: اعلیٰ حضرت شاہ فرانس کو آگاہ کرو کہ یہ دستاویز جعلی ہے اور رچرڈ نے اسے کسی علاقے کو فرانس کو دینے یا کسی شخص کو جیل سے رہا کرنے کا کوئی حکم نہیں دیا ہے۔ ویسے بھی ایسا فعل عہدِ خداوندی کے برخلاف ہو گا۔" نتیجۃً جلد ہی چاروناچار اور قہر و غضب کی حالت میں فلپؔ کو پیرس واپس ہونا پڑا۔ اسی دوران میں Eleanor بلا تاخیر انگلستان پہنچی تا کہ وہ اپنے کوڑھ مغز بیٹے جانؔ کی خبر لے۔ ایک انگریز مؤرخ کے مطابق وہ تو ہر طرح یہ چاہتی تھی کہ اس کے دونوں بیٹوں میں کم از کم صلح ہی برقرار رہے تا کہ ان کی ماں ان کے باپ سے بہتر خوشگوار زندگی گزار سکے۔ ملکہ ۱۱ر فروری Portsmouth اُتری جہاں اسے یہ معلوم کر کے سخت پریشانی ہوئی کہ جانؔ ساؤتھمٹن میں فوج اور بحری بیڑہ جمع کر رہا ہے۔ صرف یہی اس کی پریشانی کی وجہ

نہیں تھی، وہ جب Ely میں اپنے محل کی طرف روانہ ہوئی تو ہر طرف سے عوام گھروں سے نکل کر ننگے پاؤں، ننگے سر شہر کے کیچڑ پانی سے آلودہ گلی کوچوں میں اس کے گرد جمع ہو گئے اور طرح طرح کے مظالم اور افراتفری کی داستانیں سنانے لگے۔ وہاں کی صورتِ حال یوں تھی کہ رچرڈ کی غیر حاضری میں اس کے بھائی نے ملک پر غاصبانہ طور پر قبضہ کیا ہوا تھا۔ تمام اعلیٰ پادری تتر بتر ہو گئے تھے۔ کچھ تو پوپ نے مذہب سے خارج کر دیئے تھے اور کچھ فوج سے مل گئے تھے۔ یہ سب ملک میں مختلف فرقوں کو لڑا رہے تھے، یہاں تک کہ مُردے بھی احترام سے دفن نہیں کئے جا رہے تھے۔ گویا سارا ملک ہی ٹوٹ رہا تھا۔ نہایت افسردگی لیکن مصمم ارادے سے الینور نے قدم اُٹھایا۔ وہ پہلے ونڈسر، پھر آکسفورڈ اور Winchester گئی۔ ہر جگہ اس نے مقامی بااثر لوگوں کو کبھی پیار محبت سے اور کبھی ڈانٹ ڈپٹ کر مجبور کیا کہ وہ جان کی مدد نہ کریں۔ اور خود جان کو بھی اس نے ایک کھلا پیغام بھیجا کہ اگر وہ اس کے حکم کے خلاف فرانس جائے گا تو وہ اپنی ساری جائیداد و ملکیت کھو دے گا۔ مجبور ہو کر بالآخر عارضی طور پر جان نے یہ ارادہ ترک کر دیا۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے بعد الینور نے اپنی اَن تھک طاقت کو بغاوتوں کو کچلنے کے لئے استعمال کیا جو ہر طرف پھیل رہی تھیں۔ اس نے ایک آہنی قانون سے سب فرقوں کو متحد کیا۔ ان سازشوں میں اس کا سوتیلا بیٹا جیفری بھی تھا جو York کا طاقتور پادری اعلیٰ تھا۔ اس کے ساتھ جان کا ساتھی ڈرہم کا برطرف شدہ پادری Hugh بلکہ قابل نفرت لانگ چیمپ بھی تھے۔ لانگ چیمپ ہنوز فرانس میں ہی رہ کر اس امید میں تھا کہ رچرڈ کی واپسی پر پھر اس کا وزیرِاعظم اور Ely کا بشپ بن جائے گا۔ غرض رعب و دبدبہ، پیار محبت اور سب سے بڑھ کر اپنے آہنی ارادے کی بدولت الینور نے بالآخر ملک میں کسی قدر امن و سکون قائم کر دیا۔ اب Lent کا تہوار پھر آ رہا تھا اور وہ اپنی کامیابیوں اور اکثر ناکامیوں اور مایوسیوں سے قطعاً نڈھال ہو گئی تھی۔ آخر وہ رچرڈ کو لکھنے بیٹھی۔ اس نے لکھا کہ اگر رچرڈ اپنا ملک بچانا چاہتا ہے تو ارضِ مقدس کے جہاد کو خیرباد کہہ کر فوراً واپس آئے۔ یہ وہ فرمان تھا جسے رچرڈ کبھی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا، مگر یہ خط ۱۱۹۲ء کی گرمیوں سے پہلے نہیں ملا۔ اس

سے پہلے ہی اس پر حقیقت روشن ہو گئی تھی اور اس نے خود ہی فیصلہ کر لیا تھا۔

جنوری کی ابتداء میں رچرڈ نے مجلس شوریٰ طلب کی۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ختنہ کے تہوار کا دن تھا۔ بجائے ہنسی خوشی اور پر امید فضا کے اس مجلس کا ماحول نمایاں طور پر کبیدہ تھا۔ اُنہیں خبر ملی تھی کہ صلاح الدین یروشلم سے کوچ کر کے پھر ان کے عقب میں Tell Jezer کی پہاڑیوں پر آ گیا تھا۔ یہ پہاڑیاں رملہ سے پانچ میل دور جنوب کی طرف تھیں۔ پس ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آنکھ مچولی کا یہ کھیل برابر جاری رہے گا۔ اگر عیسائی فوج اپنی منزل مقصود کی طرف آگے بڑھی تو دشمن انہیں پیچھے سے تنگ کرے گا اور اوپر پہاڑیوں پر سے بھی اس کا سایہ ان پر رہے گا۔ دوران مجلس رچرڈ نے خاص طور پر مقامی فرنگیوں سے رائے طلب کی، لیکن ان پر قنوطیت چھائی ہوئی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ ان بدترین حالات میں یروشلم کا محاصرہ کرنا بے معنی ہوگا۔ یوں بھی شدید بارشوں، کیچڑ، پانی، اور آندھیوں نے فوجی اقدامات اور تنظیم کو ناممکن بنا دیا تھا۔ اگر صلیبی فوج اس طرف سے آگے بڑھی تو یقیناً صلاح الدین پہاڑیوں سے اُتر کر ان پر ٹوٹ پڑے گا۔ اور اگر بالفرض کسی معجزہ کی بناء پر شہر فتح ہو بھی گیا تو اس کا دفاع کون کر سکے گا؟ یروشلم کو بچانے کے لئے تو اعلیٰ ترین سواروں کی ایک بھاری جماعت درکار ہوگی۔ لیکن وہاں مستقل رہنا کون پسند کرے گا؟ اس مقدس شہر کے فتح ہونے سے صلیبی مہم کا مقصد پورا ہو جائے گا اور یورپ والے ہوا کے پروں پر گھر بھاگیں گے۔ ان کی مدد کے بغیر مقامی فرنگی ہرگز شہر پر قبضہ نہیں رکھ سکیں گے۔ چنانچہ صلیبی فوج کے لئے یہ معمہ ایک عذاب بن گیا۔ اگر شہر فتح کیا جائے تو ساری فوج ہی کی تباہی کا اندیشہ ہے اور اگر فتح نہ کیا جائے تو ساری مہم کا اصل مقصد ہی پورا نہ ہو۔ اس ستم ظریفی کا یہیں خاتمہ نہ ہوا۔ فوج کے اعلیٰ ترین جنگ باز ٹمپلرز اور Hospitalers نے بھی اس کی تائید کی۔ ان جنگجو راہبوں کی رائے میں فوجی اعتبار سے یہ مناسب ہوگا کہ چند ماہ کے لئے Ascalon واپس ہوا جائے اور پہلے اس مسمار شدہ شہر کی از سر نو تعمیر کی جائے تا کہ صلاح الدین کی جنوب سے آنے والی کمک کا سدِ باب ہو سکے۔ پھر شاید گرمیوں کے خشک موسم میں یروشلم کی طرف بڑھا

جائے۔ اب ایسی شکست خوردہ تجویز کی فرانسیسیوں کے سوا اور کون مخالفت کر سکتا۔ دوران جہاد سارے عرصہ وہ روتے پیٹتے رہے، اپنے بادشاہ فلپ کی عہد شکنی (جہاد چھوڑ کر بھاگ جانا) کی شرمندگی کا شکار بنے۔ اب آخر انہیں اپنی مردانگی دکھانے کا موقع ہاتھ آیا لہٰذا انہوں نے اس بزدلی کی سخت مذمت کی اور کہا کہ ان کے سپاہی ہرگز یہ گوارا نہیں کریں گے۔ یہ حقیقت بھی ہے کہ ان کا یہ دعویٰ صحیح تھا۔ جب لشکر میں واپس ہونے کی خبریں پھیلیں تو سپاہیوں کا جوش وخروش غم وغصہ، افسردگی اور ناامیدی میں تبدیل ہو گیا۔ وہ اس دن پر لعنت بھیجنے لگے کہ جب وہ پیدا ہوئے تھے اور اس دن پر بھی جب انہوں نے اس جہاد میں دل وجان سے شریک ہونے کا عہد کیا تھا۔ فوراً ہی بہت سے لوگ فوج چھوڑ کر بھاگنے لگے جن میں فرانسیسیوں کی تعداد سب سے زیادہ تھی۔ تقریباً سات سو فرانسیسی سوار Jaffa، Acre اور Tyre رچرڈ کو برا بھلا کہتے ہوئے روانہ ہو گئے اور شیخی مارتے رہے کہ صرف ان ہی کا دل گردہ تھا کہ وہ آگے بڑھنا چاہتے تھے۔ پہاڑیوں پر سے صلاح الدین نے بڑے تعجب سے عیسائی لشکر کی واپسی کا نظارہ دیکھا۔ یہ بے شک قدرت الٰہی ہی تھی جس سے وہ مستفید ہو رہے تھے کیونکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس وقت یروشلم کی حالت بہت نازک تھی اور غالباً شہر کسی بھی سنجیدہ محاصرہ کا شکار ہو سکتا تھا۔ جب سلطان پر پوری حقیقت واضح ہو گئی تو اس نے سپاہیوں کو گھر جانے کی چھٹی دے دی اور انہیں حکم دیا کہ وہ مئی میں تازہ دم ہو کر پھر حالات کا مقابلہ کرنے حاضر ہوں۔ آئندہ دو ہفتوں تک دل شکستہ صلیبی مجاہدین کو ایسا محسوس ہوا کہ گویا ان کا آقائے نجات دہندہ انہیں بزدلی کی سزا دے رہا ہو۔ بارش اور اولے مسلسل برستے رہے اور فوج اس قیامت خیز ماحول میں دلدلوں میں ہی مارچ کرتی رہی۔ وہ بہت سا ساز وسامان پھینکتے رہے بلکہ بہت سے دلدل میں پھنسے ہوئے گھوڑوں کو بھی وہیں مرنے دیا۔ رملہ پہنچ کر باقی ماندہ فرانسیسی سپاہیوں نے اپنے سردار Henry of Champagne کے حکم کو نظر انداز کرتے ہوئے Burgundy کے ڈیوک کی قیادت میں راستہ کے چوراہے سے Jaffa کے لئے شمال کا رُخ کیا جبکہ رچرڈ جنوب کی طرف Ibelin روانہ ہوا۔ آخر ۲۰ جنوری کو خاص لشکر

اپنی منزل مقصود پر پہنچ گیا جو Ascalon تھا جسے صلاح الدین مسمار کرا چکا تھا۔ یہ شہر اس وقت کنکر پتھروں کا ڈھیر تھا اور سپاہی ان پتھروں پر ہی چڑھ سکے۔ یہاں کبھی اس شہر کا قابل فخر بڑا دروازہ ہوا کرتا تھا۔ ان کے وہاں آنے کے آٹھ دن تک متواتر بارش ہوتی رہی جس کی وجہ سے ان خستہ حال مجاہدین کو رسد پہنچانے کے لئے بھی کوئی کشتی بندرگاہ میں داخل نہ ہو سکی۔ فروری میں موسم کی حالت قدرے بہتر ہوئی۔ اور رفتہ رفتہ رچرڈ نے اپنی عادت کے مطابق فوج کو ہمت دلانا شروع کی اور انہیں محنت مشقت پر لگایا۔ کم از کم ایک بار تو تمام طبقاتی فرق مٹ گیا۔ شہسوار عام سپاہیوں بلکہ عورتوں کے دوش بدوش شہر کی دوبارہ تعمیر میں لگ گئے۔ اور پھر مینار بلند ہونے لگے۔ ایک مینار کو عام مجرموں نے ایستادہ کیا لہٰذا وہ "مینار خونیں" کے نام سے مشہور ہوا۔ ایک اور مینار عورتوں نے بنایا جسے "مینار دوشیزگان" کہا گیا۔ ایک مینار مقامی بدوؤں نے بھی بنایا۔ ان تعمیرات کا فوج کے اخلاق پر بھی اچھا اثر پڑا یہاں تک کہ رچرڈ نے فرانسیسیوں تک سے مدد مانگنا چاہی۔ اسے Acre اور Tyre سے اندرونی اختلاف کی خبریں ملی تھیں۔ پرانی عداوتیں پھر اُبھر آئی تھیں۔ شاہ Guy کے ساتھی Conrad کے ساتھیوں کے خلاف اور Pisa والے Genoa والوں کے خلاف لڑ جھگڑ رہے تھے جبکہ فرانسیسی رنڈیوں اور شراب خانوں میں مصروف تھے یہاں تک کہ خود Burgundy کے ڈیوک کو بھی اس کے مخالفین نے گھوڑے سے کھینچ کر کیچڑ میں پھینک دیا تھا۔ رچرڈ نے فرانسیسیوں کو Ascalon آ کر پھر فوج کے ساتھ شامل ہو جانے کی درخواست کی۔ اس نے لکھا: "یہ مناسب ہوگا کہ جب ہم جنگ کے بارے میں مشورہ کریں تو ساری فوج موجود ہو چونکہ باہمی اختلافات ہمیں کمزور کر دیں گے اور ہم دشمن کے حملوں کا نشانہ بنیں گے۔" یہ اس بات کی طرف پہلا اشارہ تھا کہ رچرڈ کے لئے اب صلاح الدین سے مذاکرات کرنا ناگزیر ہو گئے تھے۔ لیکن Tyre اور Acre سے آنے والی خبروں کے پیش نظر فرانسیسیوں کو ان کی شہری عیاشیوں سے چھڑانا بہت مشکل ہوگا۔ ایک انگریز مورخ لکھتا ہے: "وہ رقاصاؤں کے ناچ کا لطف اٹھا رہے تھے۔ ان کے رنگین و بھڑکیلے لباس ان کی زنانہ خصلت کے

آشکار تھے، ان کی آستینوں میں سونے کے کڑے ہوتے تھے اور وہ بے شرمی سے اپنی کمروں کا مظاہرہ کرتے تھے جن پر بنت کار پٹیاں بندھی ہوتی تھیں۔ ان کی گردنوں سے چمکتے ہوئے جواہرات نظر آتے تھے اور ان کے سر رنگ برنگے پھولوں سے سجے ہوتے تھے۔ بجائے خنجروں کے ان کے ہاتھ میں جام شراب ہوتا تھا اور رات بھر کی بادہ نوشی کے بعد طوائفوں کے چکلوں کا رُخ کرتے تھے۔" گو کہ یہ بیان ان کے ایک مخالف کا ہے اور نہایت مبالغہ آمیز اور یک طرفہ ہے پھر بھی اس سے فرانسیسیوں کی اخلاقی حالت کا کسی قدر اندازہ ضرور ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں کون انہیں واپس لینا چاہے گا؟ تاہم رچرڈ کے دعوت نامہ کا فرانسیسیوں پر اچھا اثر ہوا اور بعض نے ایسٹر کے تہوار کے بعد واپس آنے کا وعدہ بھی کیا۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ جب تک صورت حال میں کوئی تبدیلی نہ ہو تو انہیں باحفاظت یورپ واپس ہونے کی اجازت دی جائے گی۔ رچرڈ کے پاس ان شرائط کو تسلیم کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ پھر بھی اسے Conrad of Montferrat کے ساتھ اتنی بھی کامیابی نہیں ہوئی۔ اس باغی نے بادشاہ کی دعوت کو قطعاً رد کر دیا۔ انگریزوں کو یہ احساس ہوا کہ کونراڈ ان کے بادشاہ رچرڈ کی طاقت توڑنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا ہے۔ جنگ کے سلسلہ میں Acre کے شمال میں ایک مقام Casale Imbert میں ایک کانفرنس ہوئی جس میں کونراڈ نے رچرڈ کو سخت سست کہا کہ اس نے کونراڈ کو اس مہم میں شریک ہونے کی دعوت ہی کیسے دی۔ انگریزوں نے یہ افواہیں اڑائیں کہ کونراڈ رچرڈ کے خوف سے Tyre میں اپنی بیوی کی خواب گاہ میں چھپ گیا ہے۔

ایسٹر کی آمد تک Ascalon پھر ایک قدیم شہر کی صورت اختیار کرنے لگا۔ اس سے رچرڈ بہت خوش ہوا۔ اس خوشی کی اور بھی وجوہ تھیں۔ ایک دفعہ جنوب میں Darum کے قلعہ کا دورہ کرتے ہوئے (جنوب میں صرف یہی ایک قلعہ سالم بچا تھا) رچرڈ کو ایک قافلہ ملا جس میں بارہ سو عیسائی قیدی تھے جن کے محافظ اس کے قابل خوف جھنڈوں کو دیکھتے ہی بھاگ گئے اور تمام قیدی آزاد کر دیئے گئے۔ غالباً چونکہ فرانسیسیوں نے اسے ایسٹر تک کی میعاد دی تھی یا پھر اس

لئے کہ وہ انہیں خوش کر کے ان کا دل بڑھانا چاہتا تھا رچرڈ نے ایسٹر کے تہوار پر شاہی جشن منایا اور سب کو نہایت فراخ دلی سے تحفے تحائف اور انعامات سے نوازا۔ البتہ ان ضیافتوں، انعامات اور تحفوں کا فرانسیسیوں پر کچھ اثر نہ ہوا اور انہوں نے اصرار سے اپنی روانگی کی اجازت چاہی۔ رچرڈ کو تلخی اور غصہ کے باوجود اپنا وعدہ پورا کرنا پڑا اور فرانسیسی بلا تامل کوچ کر گئے۔ تاہم احتیاطاً رچرڈ نے Acre کے حاکم کی طرف قاصد دوڑائے کہ وہ فرانسیسیوں کو ہرگز شہر میں داخل نہ ہونے دے۔ جونہی مخبروں نے ان حالات کی خبر صلاح الدین کو دی اس نے فوراً اپنی سلطنت میں اس کی اشاعت کی۔ اس نے لکھا: ''فرانسیسی تو دل برداشتہ ہو کر اپنا علاقہ غیر محفوظ چھوڑ کر چلے گئے ہیں اور عیسائی فوج کی طاقت ٹوٹ گئی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ہم جلدی Tyre اور Acre فتح کر لیں گے۔'' خیر حالات کے پیش نظر سلطان کی مبالغہ آمیز توقعات کو معاف کیا جا سکتا ہے۔ اس وقت جانبین خوابوں کی دنیا اور تخیل کی پرواز میں مشغول تھے۔ ایک انگریز مورخ تو لکھتا ہے کہ ایسٹر کی خوشی سے مدہوش ہو کر رچرڈ نے ملک العادل کو Knight بنا دیا۔ لیکن اس نے اس عجیب وغریب رسم کی وجہ نہیں بتائی۔ اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز ایک اور انگریز کی اطلاع ہے کہ روایات کے مطابق ہر ایسٹر کی شام کو آسمان سے ایک شعاع نازل ہوتی ہے اور مرقد مقدس کے چراغ کو روشن کر دیتی ہے۔ اس بار خود صلاح الدین بھیس بدل کر عیسائی قیدیوں میں شامل ہوا تا کہ اس افواہ کی تصدیق کر سکے۔ چنانچہ اس دفعہ بھی عین وقت پر آسمانی شعاع پھر نازل ہوئی اور اس نے چراغ روشن کر دیا۔ پھر بھی صلاح الدین کو یقین نہیں آیا اور اس نے حکم دیا کہ چراغ گل کر دیا جائے، جسے گُل کر دیا گیا لیکن وہ پھر روشن ہو گیا۔ ایسا تین بار ہوا اور ہر بار چراغ پھر روشن ہو گیا۔ جس پر عیسائیوں نے اپنی کہاوت کو دوہرایا ''خدا کی پوشیدہ طاقت سے لڑنے سے کیا حاصل؟ مشیت ایزدی کے خلاف کچھ ممکن نہیں اور نہ ہی کوئی اس کے حکم کو ٹال سکتا ہے۔'' یہ دیکھ کر سلطان پر ایسا اثر ہوا کہ اس نے پیش گوئی کی کہ یا تو ایک سال کے اندر یروشلم ہاتھ سے نکل جائے گا یا خود اس کی موت آ جائے گی۔ البتہ اس دور کے مسلمان مورخین نے اس مقدس شعاع کا کوئی

ذکر نہیں کیا ہے۔ پھر بھی اس وقت ایک اور اہم واقعہ پیش آیا۔ ایسٹر کے زمانہ ہی میں سلطان کو رچرڈ کا ایک پیغام ملا جس میں اس نے لکھا تھا: ''میں ملک العادل سے مل کر ایسے مذاکرات کا خواہاں ہوں جو ہم سب کے لئے مفید ہوں گے چونکہ میں جانتا ہوں کہ آپ اس سلسلہ میں اپنے بھائی ملک العادل پر پورا اعتماد کرتے ہیں۔'' سلطان نے سوچا کہ ہوسکتا ہے اس سے کوئی نتیجہ نکلے یا پھر یہ ہوسکتا ہے یہ محض لفاظی ہی ہو۔ تاہم اس نے جواب لکھا: ''ہم بہت مذاکرات کر چکے ہیں جن کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ اگر آپ کی خواہش کے مطابق پھر اسی طرح ملاقات کی جائے تو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا بشرطیکہ آپ مجھ پر واضح کرسکیں کہ اس سے بنیادی مسئلہ کا جلد فیصلہ ہوسکے گا۔'' ایسٹر کے ایک دن بعد سے ہی یورپ سے شام جانے والے زائرین کے ہفت سالہ قافلے آنا شروع ہوگئے۔ ان میں Hereford کا ایک راہب بھی تھا جو رچرڈ کے لئے اس کے نائب Longchamp کا خط لے کر آیا۔ اس خط میں اس نے ملک میں ابتری اور اس کے بھائی John کی انگلستان کے تخت پر قبضہ کرنے کی سازشوں کا اطلاع دی تھی اور لکھا تھا: ''حضور والا میری درخواست ہے کہ آپ فوراً گھر واپس ہوں اور ان لوگوں سے انتقام لیں جو ان بدنظمیوں کے ذمہ دار ہیں ورنہ یہ لوگ مزید فتنہ برپا کریں گے۔ اگر انہوں نے سارے ملک پر ہی قبضہ کرلیا تو آپ بڑی مشکل سے اسے دوبارہ حاصل کرسکیں گے۔'' اس خبر سے رچرڈ سخت دماغی ہیجان میں مبتلا ہوا اور اس نے اس کا سدِّ باب کرنے کا مصمم ارادہ کرتے ہوئے فوج کے سرداروں کو طلب کیا۔ اس نے انہیں لانگ چیمپ کا خط دکھایا اور کہا کہ اسے اب جلد از جلد جہاد چھوڑ کر گھر واپس ہونا پڑے گا۔ وہ اس مہم کو جاری رکھنے کے لئے تین سو Knights اور دو ہزار افسر چھوڑے گا جن کے اخراجات وہ ادا کرے گا۔ اب اسے بتایا جائے کہ کون یہاں رہنا پسند کرے گا اور کون اس کے ہمراہ یورپ واپس ہوگا؟ اس کے علاوہ انہیں یہ بھی طے کرنا ہے کہ رچرڈ کی روانگی کے بعد اس کی جگہ کون سپہ سالار بنایا جائے گا۔ اس خبر سے سب بوکھلا گئے اور آپس میں مشورہ کرنے کے لئے شاہی خیمہ سے باہر آگئے۔ ان میں سے کون ایسا باہمت اور دانشمند تھا کہ کامیابی

سے اس مہم کی قیادت کر سکے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وقت کی گھڑی پانچ سال پیچھے ہوگئی ہو۔ اب اُنہیں یا تو ایک نااہل کو یا ایک عیار کو منتخب کرنا پڑے گا۔ ایک طرف تو Guy تھا جو یروشلم کا سابق فرمانروا تھا اور مخلص و وفادار بھی تھا لیکن وہ نااہل تھا، دوسری طرف کونراڈ تھا جو نہایت مکار اور چال باز تھا اور اپنے ذاتی مفاد کے لئے صلاح الدین سے ساز باز کر رہا تھا لیکن وہ فوجی اعتبار سے بہت اہل تھا۔ کچھ دیر کے بعد سردار پھر رچرڈ کے سامنے حاضر ہوئے، انہوں نے کہا کہ Guy کی قیادت کامیاب نہ ہوگی چونکہ اس کی کوئی عزت نہیں کرتا اس لئے کوئی اس کا حکم نہ مانے گا۔ ان دونوں میں Conrad زیادہ موزوں ہوگا چونکہ اس میں اہلیت بھی ہے اور فرانسیسی بھی اس کے ساتھ ہیں اور وہ یقیناً اس کے لئے تیار ہو جائے گا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگر فوج کی کمان کے لئے کوئی ایسا شخص نہ مل سکے جس پر سب متفق ہوں تو وہ سب رچرڈ کے ساتھ یورپ واپس ہو جائیں گے۔ رچرڈ کو پہلے تو یہ تجویز پسند نہیں آئی کہ کونراڈ کو سپہ سالار بنایا جائے اور اس نے زیر لب بُرا بھلا کہا لیکن جب ہنری آف شمپین، بالیان اور رینو (Reynaud) جیسے اعلیٰ مرتبہ سرداروں نے اصرار کیا تو وہ مجبور ہو گیا اور اس نے Tyre وفد روانہ کیا کہ اس نئے بادشاہ کو تزک و احتشام کے ساتھ لایا جائے۔ کونراڈ جو طبیعتاً نہایت مغرور تھا اس خوشخبری کو سن کر گھٹنوں پر گر گیا اور بڑی عاجزی سے دعا مانگی: ''یا رب تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور جان بخشی۔ ہے۔ تو ہی رحیم بادشاہ ہے، اگر میں تیری سلطنت کی بادشاہی کے قابل ہوں تو مجھے یہ تاج بخش دے۔'' اسی اثناء میں Guy جو اس معاملہ میں ناکام رہ گیا تھا رچرڈ کے پاس آیا کہ اس کے بدلے میں اسے بھی کچھ عطا کیا جائے۔ ایک سال قبل Templares نے رچرڈ کو چالیس ہزار طلائی سکے دے کر قبرص پر قبضہ کر لیا تھا تا کہ رسد کا ٹھیک انتظام ہو سکے۔ لیکن ان کے غرور، ظلم اور بھاری ٹیکسوں کی وجہ سے اس جزیرہ کے باشندے ان کے خلاف بغاوتیں کر رہے تھے۔ اپریل ۱۱۹۲ء میں ایک اور بغاوت ہوئی جس سے عاجز آ کر اُنہوں نے یہ جزیرہ واپس کر دیا۔ اب Guy نے ساٹھ ہزار طلائی سکے پیش کر کے اس پر قبضہ کی درخواست کی، رچرڈ اس سے بڑا خوش ہوا چونکہ ایک تیر سے دو چڑیاں

شکار ہوگئیں۔ ایک تو اسے کافی رقم ملی اور پھر Guy سے بھی پیچھا چھوٹا لیکن آخر میں Guy ہی خوش ہوگا چونکہ اس کے بعد اس کے خاندان نے قبرص پر تقریباً تین سو سال حکومت کی۔ ادھر کونراڈ نے بڑی خوشی سے لشکر کی کمان تھامنا قبول کیا اور بڑے کروفر سے جشن منایا۔ یا تو وہ پہلے ایک بار صلاح الدین سے شہر بچا سکا تھا یا اب وہ تمام صلیبی سلطنت کا دفاع کرے گا۔

پیرمردِ کوہستان (Old Man Of The Mountains)

Acre کی Henry of Champagne کو روانگی کے بعد Acre میں اس کے لئے شاہی لباس تیار کیا جا رہا تھا۔ اسے اس شام Beauvis کے پادری اعلیٰ کے یہاں کھانے پر مدعو کیا گیا تھا۔ وہ خاص طور پر اس لئے خوش تھا کیونکہ یہ بشپ نہایت خوش مزاج آدمی تھا۔ لیکن اس کی بیوی نے اپنے غسل میں اتنی دیر لگائی کہ اس کا موڈ خراب ہونے لگا۔ آخر کافی انتظار کے بعد وہ صبر نہ کر سکا اور نہایت غصہ میں تنہا ہی پادری کے یہاں چلا گیا۔ وہاں پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ سب لوگ انتظار کر کے اس کے بغیر ہی کھانا کھا چکے ہیں جس سے وہ بے حد غصہ میں بھر گیا اور پادری کی منت سماجت اور بے حد اصرار کے باوجود اپنی بیوی کو برا بھلا کہتا ہوا گھر واپس ہوا۔ مسلمان مؤرخوں نے تو اپنے اس بدترین دشمن کے واقعے کو اس طرح لکھا ہے: ”وہ تو دوزخ کے لئے نامزد ہو چکا تھا۔ جہنم کا داروغہ اس کی آمد کا منتظر تھا اور فرشتے اس کی راہ تک رہے تھے۔ جہنم کی عمیق ترین تہہ میں آگ دہک رہی تھی اور شعلے بھڑک رہے تھے۔ اب وہاں عنقریب اس کا خیر مقدم کیا جائے گا۔ عذاب کے فرشتے اس کے وہاں دائمی قیام کا مناسب انتظام کر رہے تھے اور دوزخ کے ساتوں دروازے کھول دیئے گئے تھے۔“

Conrad بازار میں ایک تنگ گلی میں داخل ہوا جہاں اس نے دور سے ہی اپنے دو ملازموں کو پہچان لیا۔ وہ دونوں گلی کے دونوں طرف بیٹھے تھے۔ یہ لوگ کوئی چھ مہینوں سے اس کے یہاں نوکر تھے اور اپنی جفاکشی اور مستعدی کی بدولت اس کے معتمد بن گئے تھے۔ کونراڈ نے قریب

آ کر خوش اخلاقی سے ان کا احوال پوچھا جس پر ایک نے اُٹھ کر اسے ایک خط پیش کیا' جونہی اس نے خط لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا اس شخص نے اس کے پہلو میں چھرا گھونپ دیا اور فوراً ہی اس کے ساتھی نے پیچھے سے گھوڑے پر کود کر اس پر پے در پے خنجر کے وار کئے' یہاں تک کہ وہ گھوڑے سے گر کر زمین پر دھول اور مٹی میں دم توڑنے لگا۔ اس شور وغل میں دونوں قاتل بھاگے۔ ایک تو وہیں پکڑا گیا جسے فوراً مار دیا گیا لیکن دوسرے نے بھاگ کر عین اسی گرجا گھر میں پناہ لی جہاں لوگ شدید زخمی کونراڈ کو لے گئے تھے جہاں اس کی جان کنی ہو رہی تھی جہاں بقول ایک مسلمان مؤرخ کے اس نے پھر اس پر ایک پاگل بھیڑیے کی طرح حملہ کیا اور اسے ختم کر دیا۔ اسے چرچ سے گھسیٹ کر باہر لایا گیا اور سختی سے پوچھ گچھ کی گئی۔ پہلے تو اس نے بڑے زور شور سے دعویٰ کیا کہ انگلستان کے بادشاہ نے اس کام کے لئے بھیجا ہے۔ بہت سے لوگوں کو اس کا یقین بھی آ گیا کیونکہ رچرڈ ذاتی طور پر کونراڈ کو اس مہم کے لئے منتخب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مگر مزید سختی کے بعد ایک اور خوفناک عقدہ کھلا۔ یہ دونوں قاتل اسمٰعیلی فرقے کے حشیشین (Assassin) تھے جن کا نام سن کر ہی فسلطین کے عیسائی اور مسلمان دونوں کانپ جاتے تھے۔ ان قاتلوں کو ان کے امام سنان نے بھیجا تھا جو عیسائیوں میں Old Man Of The Mountains کے نام سے مشہور ہے۔ یہ رشید الدین سنان تھا جو اگرچہ عراق کا باشندہ تھا لیکن اس کی روحانی جڑیں ایران میں تھیں جو شیعہ فرقہ کا گہوارہ ہے۔ یہ شخص ملک شام میں چالیس سال قبل اپنے فرقے کی تبلیغ کے لئے بحیثیت ''داعی'' کے آیا تھا' اب اس کے ماننے والوں کی تعداد تقریباً ساٹھ ہزار ہو گئی تھی اور اس نے ان کے لئے شمالی شام کے انصاری پہاڑوں میں نہایت دشوار گزار اور ناقابل تسخیر قلعوں کا جال پھیلایا ہوا تھا۔ ان میں سب سے زیادہ اہم ایک تو Masyaf تھا جو شام کے ریگستان کے کنارے پر پہاڑی پر سے نیچے شہر میں رہنے والے اُمتیوں کی نگہداشت کرتا تھا اور دوسرا الکہف تھا جسے شاہین کا آشیانہ کہا جاتا تھا۔ یہ گنجان پہاڑوں میں بہت اندر ایک بلند پہاڑ کی چوٹی پر تقریباً دس ہزار فٹ کی بلندی پر تعمیر کیا گیا تھا۔ جب کبھی ''پیر مرد'' پر زیادہ دباؤ پڑتا تو یہ وہاں آرام سے

پناہ لے لیتا۔ سنان نہایت چالاک، مکار، بے درد، ظالم، تقدس مآب، صوفی منش اور دوریش خصلت تھا۔ اس کی آنکھیں دم دار ستاروں کی طرح چمکتی تھیں۔ اس میں مریضوں کو صحت یاب کرنے کی صلاحیت تھی لیکن اس کے ساتھ ہی انتہائی تباہی پھیلانے کی بھی اس میں طاقت تھی۔ برسوں کی مشق سے اس نے سیاسی قتال کو فنون لطیفہ کی طرح ترقی دے دی تھی۔ یہ فن اس کی اپنی حفاظت اور ملک شام میں کسی ایک حاکم کے زیر اثر نہ ہونے کا بہترین ہتھیار بن گیا تھا۔ اس کے جادو کے اثر میں نوجوان ہوتے تھے جنہیں فدائی کہا جاتا تھا اور جو اس کے ہر حکم پر بخوشی جان نثار کیا کرتے تھے۔ ان کا ایمان تھا کہ اس ''داعی'' کے ذریعے ہی اُنہیں جنت الفردوس کا طہارت وبصیرت کا راستہ مل سکے گا۔ ایک بار ایک صلیبی سردار پر اپنے فدائین کی فرمانبرداری ثابت کرنے کے لئے اس نے قلعہ کے ایک مینار پر کھڑے ہوئے دو پہرے داروں کو ہاتھ کا اشارہ کیا جس پر وہ دونوں فوراً نیچے کھڈ میں کود گئے۔ اس نے اطمینان سے اپنے مہمان سے پوچھا ''کیا فرنگی چاہتا ہے کہ دوبارہ یہ مظاہرہ کیا جائے؟'' جس پر اس نے جواب دیا کہ ''نہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں، مجھے یقین آ گیا ہے۔'' ایک اور روایت ہے کہ ''پیر مرد'' نے سب فدائین کو اپنے اوطاق مجلس میں طلب کیا۔ وہاں انہوں نے فرش پر رکھے ہوئے ایک قاب میں ایک فدائی کا خون آلود سر دیکھا۔ سنان نے اس شہید کے سر سے پوچھا کہ کیا تو پھر اس دنیا میں واپس آنا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ خدا اور اس کے فرشتہ اعلیٰ حضرت کے ساتھ ہوں اور اعلیٰ حضرت کے دشمنوں کو جہنم میں جھونکیں۔ یہ دنیا کچھ نہیں اور جو کوئی اس کے فریب میں مبتلا ہوا وہ پچھتائے گا جبکہ پچھتانا کچھ اس کے کام نہ آئے گا۔ میں ان میں سے ہوں جنہوں نے دنیا کے مال و دولت سے پیٹھ پھیر لی ہے اور اس پر لعنت بھیج دی ہے۔ اس مظاہرے کے بعد جب سب فدائی کمرے سے باہر چلے گئے تو سنان نے قاب سر سے علیحدہ کی اور نیچے سے زمین کے سوراخ سے ایک لڑکا برآمد ہوا۔ سنان نے فوراً اس کی گردن ماردی اور اسے اس کی دل پسند جنت کو واصل کیا۔ خود Assassin نام ہی ''حشیشین'' سے نکلا ہے۔ نوجوانوں کو مرید بنانے کی ایک خاص رسم ہوتی تھی جس میں اُنہیں

حشیش ملا کر شربت پلایا جاتا تھا جس سے وہ خواب خرگوش میں مبتلا ہو جاتے۔ جب ان کی آنکھ کھلتی تھی تو وہ خود کو ایک ایسے مقام پر پاتے تھے جہاں جنت کا سا ماحول ہوتا تھا' جہاں حوریں، شراب اور ہر طرح کی عیش و نشاط کی اشیاء موجود ہوتی تھیں۔ اسی طرح کی ایک رسم میں ان دونوں نوجوانوں کو خنجر دیے گئے اور انہیں حکم دیا گیا کہ اپنے ''داعی'' سے وفاداری کے ثبوت میں جاؤ اور Conrad of Monferrat کو قتل کر دو' اگر اس کوشش میں تم خود بھی مارے جاؤ گے تو فرشتے تمہیں اس جنت میں واپس لے آئیں گے۔ وہ حشیش کے نشے اور جنت کی ہوس میں فوراً اس کا حکم بجالانے کو کمربستہ ہو گئے۔

بارہویں صدی میں بھی شیعہ اور سنیوں میں بہت جھگڑے تھے۔ سنان کے مریدوں نے دو بار صلاح الدین کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ سنان کو صلاح الدین سے سخت بغض و عداوت تھی کیونکہ اس نے قاہرہ میں فاطمی شیعہ کی ایک خلافت کو ختم کر کے سنی فرقہ کو برسر اقتدار کیا تھا اور سنی عقیدہ کو پھیلایا تھا۔ ۱۱۷۴ء میں ایک فدائی نے اس پر قاتلانہ حملہ کرنا چاہا۔ وہ اس کے بالکل قریب پہنچ گیا تھا کہ اس کے محافظوں نے اسے قتل کر دیا۔ صلاح الدین کو اس پر سخت غصہ آیا اور شمالی شام کی مہموں سے نبٹ کر اس نے ان کوہستانی دہشت گردوں کا پیچھا کیا۔ اس کے جواب میں اس پر دوبارہ حملہ کیا گیا جس میں وہ بال بال بچا۔ حملہ آور اس کے باڈی گارڈ کا بھیس بدل کر آیا اور خنجر سے اس کے سر پر وار کیا' حالانکہ سلطان اس ناگہانی حملے سے گھبرا گیا تھا اور سخت زخمی ہو گیا تھا پھر بھی اس نے قاتل کو پکڑ لیا' یہاں تک کہ اس کے سپاہیوں نے اس کا خاتمہ کر دیا۔ چونکہ سلطان صافے کے نیچے خود پہنے ہوئے تھا اس لئے اس کی جان بچ گئی۔ اس واقعے کے بعد سے اسے اس پاگل فرقہ کے خلاف جنون سا ہو گیا۔ یہ جنون اس وقت مزید بڑھ گیا جب حشیشین نے بجائے اسے قتل کرنے کے اس کی خواب گاہ میں گھس کر اس کے تکیہ پر ایک خنجر اور کچھ مٹھائی رکھ دی۔ آخر ایک قاتل ایسی محفوظ جگہ بغیر شناخت کے کیسے داخل ہو سکا؟ یہ گویا اس فرقہ کا شناختی کارڈ تھا۔ اس کے بعد سے سلطان ہمیشہ ایک چوبی شامیانے میں سفر کرتا تھا اور کبھی کسی اجنبی کو قریب نہ آنے دیتا

تھا۔ جب سے اس نے ''پیرمرد'' کو بھی اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ حشیشین کا علاقہ دریائے Orontes اور Hama کے پہاڑوں کے درمیان تھا۔ اور یہ علاقہ اُن علاقوں سے ملا ہوا تھا جو جنگی راہبوں کے قبضے میں تھے۔ ٹیمپلرز کے سنگین قلعے Castel Rouge (لال قلعہ) اور Castel Blanc (سفید قلعہ) اور Hospitalers کے Margat اور Krak کے قلعے عیسائیوں کے صوبہ طرابلس اور اس کے شہر Tyre کے گرد محفوظ دائرہ بنائے ہوئے تھے۔ دراصل لاطینی عیسائی سنان کے خاص دشمن نہیں تھے۔ اسے تو سب سے بڑی فکر شمال میں Aleppo اور Mosul کے مسلمان حاکموں کی تھی۔ لہٰذا کئی برس ساتھ ساتھ رہنے سے پیرمرد نے عیسائیوں کے ساتھ رواداری کے تعلقات پیدا کر لئے تھے۔ بعض اعتبار سے یہ جنگی راہب اور سنان مشترکہ اوصاف کے حامل تھے۔ یہ سب قلندر تھے اور ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ پھر بھی جب کبھی لاطینی عیسائیوں نے حد سے آگے قدم بڑھایا حشیشین نے اپنا مہلک آرٹ دکھانے سے گریز نہ کیا۔ ۱۱۵۴ء میں سرحد کے جھگڑے پر انہوں نے طرابلس کے حاکم Raymond کو قتل کر دیا۔ اس کے انتقام میں Templars نے بہت سے مسلمانوں کو ہلاک کر دیا۔ اس کے بعد صلح ہوگئی۔ ایک عرصہ تک حشیشین نے Templars کو جزیہ کی بھاری رقم ادا کی کہ وہ انہیں چھوڑ دیں۔

سالہا سال پہاڑوں میں آزاد رہنے کی وجہ سے سنان کا دوردراز ایران میں رہنے والے اس فرقہ کے امام سے جوش عقیدت ٹھنڈا ہو گیا تھا' اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ سنان نے اُلوہیت کا دعویٰ کیا جس کی امام نے سخت مذمت کی۔ اس کے نتیجے میں سنان کے عقائد شیعوں کے بنیادی اصولوں سے بھی ہٹ گئے۔ اس نے مریدوں کو شراب نوشی اور سور کا گوشت تک کھانے کی اجازت دے دی' بلکہ وہ عیسائیت میں بھی دلچسپی لینے لگا۔ اس نے انجیل مقدس کا گہرا مطالعہ کیا اور اس پر مہارت حاصل کی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر Templars اسے سالانہ جزیہ کے بھاری طوق سے آزاد کر دیتے تو وہ عیسائیت قبول کر لیتا۔ غالباً Templars کو اس سے بڑی خوشی

ہوئی ہوگی کہ وہ ان کے مذہب میں دلچسپی لے رہا تھا۔ اسی دوران میں اس کے امام نے اسے مذہب سے خارج کردیا۔ اس دور کا ایک مسلمان سیاح ابن جبیر لکھتا ہے: ان کا نبی انسان کے بھیس میں شیطان ہے جو اپنے معتقدوں کو دھوکہ بازی اور جنت کے سرسبز باغوں کے خواب دکھا کر کالے جادو سے ایسا مسحور کرتا ہے کہ وہ خود کو اس کے روبرو اتنا ذلیل اور لاچار بنالیتے ہیں کہ اگر وہ انہیں حکم دے تو وہ اس کی تعمیل کرتے ہوئے پہاڑ کی چوٹی سے کود جائیں اس امید میں کہ وہ ان سے راضی ہوجائے گا۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے بھٹکادے اور جسے چاہے راہِ راست دکھادے۔ اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں اور صرف اس ہی کی عبادت کرنی چاہئے۔ اب چونکہ سنان شیعت سے ہٹ گیا تھا' الوہیت کا دعویٰ کرنے لگا تھا اور عیسائیت میں دلچسپی لینے لگا تھا مگر پھر بھی اسے قبول نہیں کیا' لہٰذا وہ ہر طرف سے مرتد اور قابلِ نفرت بن گیا' لیکن ایسی صورت میں یہ مرد کوہ اور بھی زیادہ خطرناک ہوگیا۔ اس خودکش فرقے اور ان کے مجنون قائد کی شہرت جلد ہی تمام دنیا میں پھیل گئی۔ ستم ظریفی یہ کہ اس قاتلانہ شہرت نے بہت سی عاشقانہ غزلوں، نظموں اور مضامین کو فروغ دیا۔ حشیش کے دیوانہ وار اثر اور اندھی اطاعت کو عشق کی انتہا کے طور پر پیش کیا گیا۔ مثلاً ایک شاعر کہتا ہے: ''تمہیں تو مجھ پر ''مرد کوہستان'' سے زیادہ قابو ہے۔'' یا پھر ''میں تو تمہارا حشیش ہوں اور یہ تمنا کرتا ہوں کہ تمہارا فرمان بجالا کر جنت میں داخل ہوسکوں۔'' ایک اور کہتا ہے: ''جس طرح کہ حشیشین اپنے آقا کے تابعدار ہیں اسی طرح میں بھی عشق میں تمہارا غلام ہوں۔''

۱۱۹۱ء میں کونراڈ کا غرور حد سے بڑھ گیا۔ رچرڈ کے صلیبی جہاد میں شرکت نہ کرنے کی اب ٹائر کا یہ حاکم بھاری قیمت ادا کررہا تھا۔ اپنی آزادی برقرار رکھنے کے لئے انگریزوں سے پیٹھ موڑ کر اس نے اب ان فرانسیسیوں سے گٹھ جوڑ کرلیا تھا جو رچرڈ کے لشکر کو چھوڑ چکے تھے۔ البتہ اب اسے سرمایہ کی سخت ضرورت تھی لیکن ناگہانی طور پر اس کے ہاتھ ایک قیمتی تحفہ آیا۔ حشیشین کا ایک جہاز ہر طرح کے قیمتی سامان اور خوراک سے لدا ہوا طوفان سے بھٹک کر اس کی بندرگاہ میں داخل ہوگیا۔ کونراڈ نے بلاجھجک جہاز کا سارا مال ضبط کیا، اس کے ملاحوں کو قید میں جھونکا اور کپتان کو قتل کرادیا۔ ''پیر مرد''

نے بڑی معقولیت سے اس سے مطالبہ کیا کہ جہاز کا مال وسامان واپس کیا جائے، قیدیوں کو رہا کیا جائے اور کپتان کے قتل کا خون بہا دیا جائے' لیکن کونرآڈ نے محض اس کا مذاق اڑایا۔ اب ''پیر مرد کوہستان'' کی یہ عادت نہیں تھی کہ وہ دوبارہ اس طرح کی درخواست کرتا۔ اس نے پُرسکون طریقے سے اپنے مریدوں کو جمع کیا اور اطمینان سے کونرآڈ کے قتل کا فتویٰ نافذ کر دیا۔ اس کے ایک سال کے اندر ہی کونرآڈ کا گزر اس تنگ گلی سے ہوا جو اسے مسلمانوں کی دوزخ کی تہہ میں لے گئی۔ ایک مسلمان مؤرخ ابن الاطہر اس بارے میں یوں لکھتا ہے: اس سال ۱۳ رربیع الثانی Tyre کا حاکم فرنگی سردار جو فرنگیوں میں سب سے بڑا شیطان تھا۔ Conrad of Montferrat خدا کی اس پر لعنت ہو' قتل کر دیا گیا۔

Conrad کے قتل سے حالات پھر گڑ بڑ ہو گئے۔ صلاح الدین کو اس سے کوئی فائدہ نہ ہوا چونکہ اس کے لئے کونرآڈ کی ذات صلیبی مجاہدین میں تفریق کا باعث تھی۔ جب بھی کونراڈ سلطان کو علیحدہ طور پر صلح کی پیش کش کرتا رچرڈ کے مخبر اسے اس کی اطلاع دے دیتے اور وہ فوراً جواباً اس سے بہتر صلح کی شرائط پیش کرتا۔ اب سلطان کا یہ آلۂ کار جو اس کے مخالفوں میں متواتر فساد برپا کرتا رہتا تھا ضائع ہو گیا۔ کونراڈ قتل سے چار دن پہلے ہی سلطان کے کیمپ میں جا چکا تھا۔ جب تک اس کی ریاست Tyre صلیبی مہم میں شریک نہ تھی اور رچرڈ کے بہت سے مخالفین کا وہاں آڈہ تھا اس وقت صلاح الدین کے لئے بہت سے مواقع ممکن تھے۔ لیکن ستم ظریفی یہ کہ کونرآڈ کی موت سے رچرڈ کو بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ پہلے تو اس کی ارض مقدس سے فوری واپسی کی ساری اسکیم گڑ بڑ ہو گئی۔ وہ کونرآڈ کو لاطینی سلطنت کا بادشاہ اس لئے بنانا چاہتا تھا کہ اس تفرقہ کا خاتمہ ہو سکے۔ یہ اس کا وہاں آخری سیاسی قدم ہوتا۔ لیکن سارا معاملہ ہی اُلٹ پلٹ ہو گیا۔ اُدھر فرانسیسی اس قتل میں رچرڈ کا ہاتھ سمجھ رہے تھے۔ ایسے حالات میں لامحالہ اسے اپنی واپسی ملتوی کرنی پڑتی۔ اس نے پریشان ہو کر ایک اور سیاسی چال چلنے کی کوشش کی۔ Henry of Champagne اس خدمت کی ذمہ داری اٹھانے کے لئے بیبا کی سے آگے بڑھا۔ گو کہ وہ جوان تھا لیکن اس عہدہ

کے لئے اس کا انتخاب منطقی طور پر درست تھا۔ فرانس اور انگلستان کے دونوں شاہی خاندانوں سے اس کا رشتہ تھا۔ اس کی شجاعت کی عیسائی لشکر میں شہرت تھی۔ بلکہ اس سلسلہ میں ایک گیت بھی مشہور تھا: ''وہ یروشلم کا وفادار فرزند ہے وہ ہیراکلیس ثانی (Heraclius II) کی طرح ایمان اور شمشیر سے جنگ کرتا ہے۔'' مسلمان بھی اسے لائق، معقول اور روادار سمجھتے تھے اور فرانسیسی بھی اسے جنگجو خیال کرتے تھے۔ یہی وہ شخص تھا جو بعد میں کوہستان کے پیر مرد سے ملنے گیا تھا جہاں اس کے روبرو دو فدائیوں نے اپنے داعی کے اشارہ پر پہاڑ پر سے کود کر خودکشی کا مظاہرہ کیا تھا، لیکن اس کی تخت نشینی کے دعویٰ کو مستحکم کرنے کے لئے رچرڈ نے اصرار کیا کہ اسے کونراڈ کی بیوہ Isabella سے نکاح کرنا پڑے گا باوجود اس کے کہ وہ حاملہ تھی۔ اس پر ہنری نے سخت احتجاج کیا۔ اس نے کہا کہ اگر اس کے لڑکا پیدا ہوا تو پھر وہی یروشلم کے تخت کا وارث بنے گا میں اس عورت سے پھنس جاؤں گا اور اور اپنے ملک Champagne کو کبھی واپس نہ جاسکوں گا۔ رچرڈ نے کہا کہ میں تمہیں شمپین سے کہیں زیادہ دوں گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے انگلستان واپس پہنچا دے تو میں ایسی زبردست فوج لے کر تمہارے پاس واپس آؤں گا کہ میں قسطنطنیہ فتح کرلوں گا اور یہ سارا ملک اور اس کے ساتھ اور بہت سے کافروں کے علاقے بھی فتح کر کے تمہیں دے دوں گا۔ اس کے علاوہ Guy نے مجھے قبرص کے معاہدہ کی پوری رقم ادا نہیں کی ہے اس لئے وہ جزیرہ بھی میں تمہیں دے دوں گا۔ اگرچہ یہ سب صرف گرم ہوا ہی تھی مگر ہنری کو اسے قبول کرنے کے سوا اور چارہ بھی کیا تھا؟ کونراڈ کو Tyre کے ہسپتال میں دفن کر دیا گیا۔ اس کے چار دن بعد ہی ہنری نے اس کی بیوہ سے شادی کر کے شہر پر قبضہ کیا۔ جب مسلمانوں کو اس ناپاک رشتہ کی خبر ملی تو انہوں نے اس کی سخت مذمت کی۔ ایک مسلمان مورخ لکھتا ہے: ''حالانکہ وہ حاملہ ہے پھر بھی ہنری اس سے جوڑی لگانے سے باز نہ آیا۔ یہ فعل حرام کاری سے بھی بدتر ہے۔ میں نے اس کے ایک درباری سے پوچھا کہ آخر بچہ کا باپ کون ہوگا؟ اس نے کہا کہ بچہ ملکہ کا ہوگا۔ ذرا ان بدبخت کافروں کا کردار تو ملاحظہ ہو۔'' قتل کے بعد ہفتوں بلکہ مہینوں تک افواہیں اڑتی رہیں کہ اس میں

کس کا ہاتھ ہے۔ قاتل تو محض آلہ کار تھے۔ رچرڈ اور صلاح الدین دونوں پر شک کیا جا رہا تھا۔ لوگ طرح طرح کی چہ میگوئیاں کر رہے تھے بلکہ فرانسیسی تو میناروں پر چڑھ کر خوب شور مچا رہے تھے بالآخر یہ خبر انگلستان اور فرانس تک بھی پہنچ گئی اور حسب دستور افواہیں کہانیاں بن گئیں۔ فرانس کے بادشاہ فلپ کے کانوں تک پہنچتے پہنچتے تو یہ ایک خطرناک سازش بن گئیں۔ رچرڈ نے نہ صرف کونرآڈ کو قتل کرایا ہے بلکہ وہ تو فلپ کو بھی قتل کرانا چاہتا ہے۔ فلپ نے یہ سنتے ہی فوراً اپنے محافظوں کی تعداد بڑھائی اور شاہی محل Fontainbleau میں تمام اجنبیوں سے ملاقات بند کردی۔ ایک انگریز مورّخ نے اس صورت حال کا مقابلہ St Matthew کی بیان کردہ حکایت سے کیا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ ایک نیک شخص نے اپنے کھیت میں بہت اچھے گیہوں کے بیج ڈالے۔ مگر جب وہ سو گیا تو اس کے ایک دشمن نے اس میں بہت ناقص گھاس کو بو دیا۔ جب گیہوں اُگے تو ان کے ساتھ گھاس بھی اُگنے لگی۔ لیکن اس شریف انسان نے اسے بھی اُگنے دیا۔ جب فصل تیار ہوئی تو اس کے ملازمین نے گیہوں چھانٹ کر علیحدہ کئے اور گھاس کو جلا دیا۔ گویا اب یہ مثال فلپ پر راست آئی۔ فلپ نے ہی رچرڈ کے اچھے کھیت کو برباد کرنے کی کوشش کی لیکن وقت آنے پر اس کی گھاس گیہوں سے جدا کرکے جلا دی جائے گی۔ اور باوجود غداروں کے خدا کی سلطنت بچ جائے گی۔ مئی تک جنگ کا موسم پھر آ گیا اور طرفین یہ انتظار کرنے لگے کہ اس خشک وگرم موسم سے مخالف کیا فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ رچرڈ ایک متضاد ذہنی کش مکش میں مبتلا تھا۔ اپنی فطرت کے مطابق تو وہ ایک طرف جنگ کے لئے بیتاب تھا لیکن ساتھ ہی وہ ایک پختہ کار سیاسی ن حیثیت سے اس امید میں بھی تھا کہ شاید اس کے صلاح الدین سے مذاکرات کچھ چل جائیں۔ اُدھر یورپ سے مزید پیغام پر مختلف خبریں لا رہے تھے۔ کچھ تو اس کے ملک کی ابتری کا نہایت تشویشناک نقشہ کھینچ رہے تھے اور کچھ اور کہہ رہے تھے کہ تمام بغاوتیں قابو میں ہیں۔ کچھ تو اس سے گھر واپس آنے کی التجائیں کر رہے تھے اور کچھ اس کی منتیں کر رہے تھے کہ وہ پہلے وہاں رہ کر اس مقدس مہم کو سر کرے۔ چنانچہ ایسے حالات میں وہ ایک دن تو جہاد وغیرہ کو چھوڑ کر فوراً وطن واپس ہونا

چاہتا تھا تو دوسرے دن وہ وہاں ہی رہنا چاہتا تھا۔ ایک دن فلپ کی خباثت کو نظر انداز کرتا تھا تو دوسرے دن اس کے دماغ پر یہ مثل طاری ہو جاتی تھی: ''جس کا پڑوسی بدمعاش ہو وہ یقیناً ایک دن صبح کو اُٹھ کر پچھتائے گا۔'' صلاح الدین کی حالت مختلف تھی۔ وہ انتظار کا کھیل کھیل سکتا تھا۔ وہ یہ دیکھ سکتا تھا کہ Conrad کے قتل کا حالات پر کیا اثر ہوگا Henry of Champagne (ہنری آف شمپین) صلیبی فوج میں ہر دل عزیز نہیں تھا۔ وہ یہ بھی دیکھنا چاہتا تھا کہ سیاسی مذاکرات کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ حالانکہ فوری طور پر حالات تو تشویشناک تھے مگر پھر بھی اسے اطمینان تھا کہ آخر وہ اپنے ملک اور اپنے لوگوں میں تھا لہٰذا وقت اس کے ساتھ تھا نہ کہ رچرڈ کے۔ کونراڈ کے قتل سے پہلے موسم بہار کی ابتداء میں یروشلم آتے ہوئے صلاح الدین کے بھائی ملک العادل نے پھر رچرڈ سے رابطہ قائم کیا تھا۔ رچرڈ نے سلطان کو امید افزا پیغام بھیجا تھا۔ اس نے لکھا تھا: ''ہم ملک کی تقسیم پر اس طرح راضی ہیں کہ فریقین ان علاقوں پر قابض رہیں جو ان کے قبضہ میں ہیں۔ اگر ایک فریق کے پاس اس سے زیادہ علاقہ ہے جس کا وہ حقدار ہے تو وہ دوسرے فریق کو اس کا مناسب بدلہ دے۔ مقدس شہر ہمارا ہوگا لیکن ساحلی علاقہ تمہیں دیا جائے گا۔ صلاح الدین کے امیروں نے رائے دی کہ یہ پیش کش مجموعی طور پر مناسب ہے۔ جب ملک العادل دو ہفتہ بعد سلطان کے خیمہ میں رچرڈ کی اس سے بہتر پیش کش لے کر آیا تو سب اور بھی زیادہ خوش ہوئے۔ رچرڈ اب مسلمانوں کو یروشلم کا قلعہ اور مسجد اقصیٰ بھی دینے کو تیار تھا اور صرف باقی شہر کو جانبین میں تقسیم کرنا چاہتا تھا۔ اور اسی طرح آس پاس کے مضافات کو بھی برابر سے تقسیم کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اسی دوران صلاح الدین کو جنوب کی طرف سے ایک ایسی خبر ملی کہ جس سے اس کی ساری توقعات پر پانی پھر گیا۔ اسے اطلاع ملی کہ صلیبی فوج نے Ascalon سے نکل کر درم (Darum) کے علاقہ میں چھاپہ مارا ہے۔ ساحلی علاقوں میں یہ قلعہ سب سے زیادہ جنوب کی طرف تھا۔ سلطان نے قصداً اسے مسمار نہیں کرایا تھا چونکہ یہ اس کے سامان جنگ و رسد کا بہت اہم گودام تھا اور یروشلم کے ہاتھ سے نکل جانے کی صورت میں یہ اس کا دفاعی مورچہ ہو سکتا تھا۔ اب

اسے بتایا گیا کہ صلیبیوں نے مسلمانوں کی ایک چوکی پر حملہ کر کے متعدد اشخاص کو قتل کر دیا اور ایک ہزار بھیڑیں لوٹ کر لے گئے۔ صلاح الدین اس اطلاع سے سخت ناراض ہوا اور اس نے اپنے چیدہ سواروں کی ایک جماعت ان لٹیروں کو سزا دینے کے لئے روانہ کی۔ اس واقعہ سے یہ ظاہر ہوا کہ رچرڈ ہنوز جنگ بند نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اگر رچرڈ کے لئے یورپ کی بغاوتیں پریشان کن تھیں تو صلاح الدین کے لئے بھی اس کی خانہ جنگیاں تھیں۔ اس کے بھتیجے کا لڑکا ملک المنصور ایک نوجوان شہزادہ نہایت حوصلہ مند تھا، وہ ملک شام کے شمالی علاقوں میں ایک آزاد ریاست قائم کرنا چاہتا تھا اور کئی اہم شہروں پر قبضہ کر چکا تھا جن میں Edessa اور دریائے فرات کی زرخیز زمینیں بھی تھیں۔ صلاح الدین اس نوجوان کی خصوصاً اس بے محل بیہودگی پر سخت ناراض ہوا اور چاہتا تھا کہ اسے کچھ سبق سکھائے لیکن مجلس شوریٰ میں امیروں نے اس کی مخالفت کی۔ ایک نے کہا: ''اعلیٰ حضرت ہم آپ کے خادم اور غلام ہیں۔ لیکن نوعمر لڑکے بالخصوص خوفزدہ ہو کر آپس میں متحد ہو جاتے ہیں اور جنگ پر آمادہ ہوتے ہیں۔ موجودہ صورت میں ہمارے لئے دو طرف جنگ کرنا ناممکن ہوگا۔ ایک طرف مسلمانوں کے خلاف اور دوسری طرف کافروں کے۔ اگر سلطان کی خواہش مسلمانوں کے خلاف ہی جنگ کرنے کی ہے تو ہم آپ کی قیادت میں دریائے فرات پار کر کے ان سے لڑیں گے۔ ایسی صورت میں ہمیں کافروں سے صلح کرنی چاہئے۔ لیکن اگر آپ اس جہاد میں ہی پوری طاقت صرف کرنا چاہتے ہیں تو اس نوجوان شہزادہ کو معاف کر دیجئے اور اس سے صلح کر لیجئے۔'' تمام امیروں نے اس تجویز کو معقول سمجھا اور اس کی پوری حمایت کی۔ مجبوراً سلطان نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ اس نے اپنے بھائی کو ہدایت کی کہ وہ اس سر پھرے لڑکے سے کسی طرح صلح کرائے۔ پھر وہ زیادہ اہم معاملہ کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ اس شیطان سے بعد میں نبٹے گا۔ تقریباً اسی عرصہ میں سلطان نے قسطنطنیہ کے ایک اہم مہمان کا استقبال کیا۔ یہ بائی زن ٹائن کے شہنشاہ کا ایک اعلیٰ منصب سفیر تھا۔ ان کی سب سے اچھی پیش کش یہ تھی کہ وہ اصلی صلیب کو دو لاکھ طلائی سکوں سے خریدنا چاہتے تھے۔ اس کے ساتھ ان کی دو اور خواہشیں بھی تھیں۔ ایک

تو یہ کہ سلطان ایک یونانی پادری کو مرقد مقدس کا مجاور اعلیٰ بنائے۔ اس میں بھی سلطان کا یہ فائدہ تھا کہ ایسا کرنے سے عیسائیوں کا مقدس ترین مقام رومن کیتھولک فرقہ کے قبضہ سے نکل جائے گا۔ اور ان کی آخری خواہش یہ تھی کہ سلطان قبرص آزاد کرا کے اس اہم جزیرہ کو سلطنت بائزن ٹائن کو دے جس کی وہ جائز ملکیت تھی۔ حالانکہ دونوں درخواستیں کسی قدر اس کے حق میں بہتر تھیں مگر پھر بھی صلاح الدین نے ان سب سے انکار کر دیا۔ دو لاکھ طلائی سکے نہایت زبردست رقم تھی جو جنگ کے اخراجات میں بہت کام آتی لیکن سلطان راضی نہ ہوا۔ وہ صلیب پر مشترکہ قبضہ رکھنا چاہتا تھا۔ لہٰذا یونانی سفیر کو ناامید ہو کر واپس جانا پڑا۔ رچرڈ ابھی تک یہ طے نہ کر سکا کہ وہ وہاں رہے یا وطن واپس ہو۔ لیکن ساکت رہنا بھی اس کی فطرت کے خلاف تھا۔ مئی کا آدھا مہینہ گزر گیا تھا اور وقت یونہی برباد ہو رہا تھا۔ ایک مہینہ پہلے درّم (Darum) پر حملہ کرنے سے اس شہر کی اہمیت، دولت اور کمزوری کا اندازہ ہوا تھا۔ اگر اس وقت جبکہ صلاح الدین سے سنجیدگی سے مذاکرات ہو رہے تھے اس جنوبی مورچہ پر قبضہ کر لیا جائے تو اس کا ہاتھ اور مضبوط ہو جائے گا۔ فرانسیسیوں نے پھر اس مہم میں شرکت کرنے سے انکار کیا۔ ان کی اکثریت تو ابھی تک Acre میں Henry of Chmpagne (ہنری آف شمپین) کی تاج پوشی کا جشن منا رہی تھی۔ بادشاہ نے بہرحال جنگی بساط پر مہروں کی نقل و حرکت شروع کر دی اور سنگ باری کی مشینیں جہازوں پر لادی جانے لگیں۔ Ascalon اور دیگر مفتوحہ علاقوں کی حفاظت کے پیش نظر رچرڈ ذاتی دور زیادہ فوج نہیں لے جا سکتا تھا۔ لہٰذا وہ صرف اپنے ہی علاقوں نارمنڈی اور پوئٹو (Poitou) کے دستوں کو لے کر روانہ ہوا۔ درّم بھی کوئی آسان شکار نہ تھا۔ یہ غزہ سے نیچے بہت اہم مقام پر واقع تھا۔ اس کے ۷ ا مینار، ایک بلند فصیل اور خندق تھی۔ اور اس کا کمانڈر ایک اہل اور تجربہ کار جنگجو تھا جس کا نام عالم الدین قیصر تھا۔ اس کے گودام پُر تھے اور یہ مسلمانوں کا ایک مضبوط قلعہ مانا جاتا تھا۔ ۱۷ مئی کو رچرڈ اس سنگین مورچہ کے روبرو آ پہنچا۔ اور فوراً ہی اپنے شاندار قبرص کے گھوڑے سے اُتر کر عام سپاہیوں کے ساتھ محاصرہ کی بھاری مشینوں اور گھوپھنوں کو

اتروانے اور لے جانے میں کندھا لگانے لگا۔ مسلمان دیکھ رہے تھے کہ رچرڈ کے ساتھ کم ہی فوج ہے۔ ابتداء میں تو انہوں نے بڑی جسارت سے متعدد حملے کیے لیکن اس غیر معمولی جانباز کی شہرت اس سے پہلے ہی وہاں پہنچ گئی تھی۔ اس کے شاہی پرچم پر سرخ پس منظر پر تین تیر بنے ہوئے تھے جسے دیکھ کر ہی اس کے ناقابل شکست ہونے کا احساس ہوتا تھا اور دشمن کی ہمت ٹوٹ جاتی تھی۔ اس کی جنگی تدبیر فوراً ہی عیاں ہوگئی اس نے سنگ باری کی مشینوں کو خاص مینار کے مقابل حکم دیا کہ پوری طاقت سے اسے ہی نشانہ بنایا جائے، اس کے ساتھ ہی اس کے انجینئروں نے فصیل کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنا شروع کیا۔ یہ سنگ باری مسلسل تین دن تک جاری رہی یہاں تک کہ قلعہ کا خاص پھاٹک منہدم ہوگیا۔ اس وقت تین عرب سردار سفید جھنڈا لے کر آئے اور ہتھیار ڈالنے کی پیش کش کی بشرطیکہ انہیں، ان کی عورتوں اور ان کے مال کی امان ملے۔ لیکن رچرڈ نہ مانا اس نے کہا:۔ ''ہتھیار خونریزی سے قبل ڈالے جاتے ہیں نہ کہ مکمل شکست کے بعد۔'' چند گھنٹوں ہی میں خاص مینار بھی کھنڈر ہوگیا اور متعدد سرداروں نے فصیل اور دیواروں پر خوشی خوشی اپنے جھنڈے گاڑ دیئے۔ اس سے قبل کہ مدافعین اپنے گھروں میں چھپ کر قسمت کے فیصلوں کا انتظار کرتے انہوں نے اپنے سارے گھوڑے ہلاک کر دیئے تاکہ وہ دشمن کے ہاتھ نہ آئیں۔ درم کی فتح کے ایک دن بعد ہی ہنری آف شمپین معہ اپنے فرانسیسیوں کے فتح کے جشن میں حصہ لینے ہنسی خوشی وہاں پہنچ گیا۔ فلپ کے فرانس واپس ہو جانے کے بعد سے صلیبی جہاد میں رچرڈ کا کوئی رقیب نہیں تھا، تاریخ یہ لکھے گی کہ اس نے فرانسیسیوں کی مدد کے بغیر Darum (درم) فتح کیا۔ اب اس کا مقام محفوظ تھا۔ وہ بڑا خوش تھا اور اس وقت فراخ دلی کے موڈ میں تھا۔ ویسے بھی یہ Pentecost کا تہوار تھا (جو Easter کے سات اتوار بعد منایا جاتا ہے) ادھر اس کے سپاہی بھی ہنری کا مذاق اڑا رہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے مصیبت گزرنے کے بعد روح القدس حضرت عیسٰیؑ کے پاس مدد کو آئے ہوں۔ جب رچرڈ کے حضور میں تین سو مسلمان قیدی جن کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے پیش کیے گئے تو اس نے انہیں اپنے

بھتیجے ہنری آف شمپین کو عطا کر دیا پھر وہ شمال کی جانب واپس ہوئے۔ وہ انجینئروں کے قلعہ سے گزرے جسے ایک ہزار مسلمان ایک دن پہلے ہی خالی کر کے فرار ہو گئے تھے۔ پھر وہ ایک اور خالی قلعہ کے پاس سے گزرے جسے Conebreak کہا جاتا ہے۔ اب بالآخر رچرڈ کو اپنے بارے میں فیصلہ کرنا تھا۔ جب لشکر شمال کی طرف Ibelin کے میدانوں سے ہوتا ہوا Hebron سے گزرا جہاں مریم مقدس کی والدہ Anne کی پیدائش ہوئی تھی تو درم کی فتح کی خوشیاں گھوڑوں کی ٹاپوں کی گرد میں غائب ہو گئیں۔ Canebreak (کین بریک) کے مقام پر رچرڈ کو ایک اور انگلستان سے آئی ہوئی بری خبر ملی۔ فوج کے سرداروں کے عام طور سے یہ تاثرات تھے کہ ان کا سردار اب ارض مقدس میں آخری دن ہی گزار رہا ہے۔ اس کی ایسی حالت دیکھ کر انہوں نے خود ہی آپس میں مشورہ کیا کہ خواہ رچرڈ رہے یا واپس ہو انہیں اس مہم کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا چاہئے۔ اب دفعتہً تمام سردار نارمن، فرانسیسی۔ Pisa Poitu اور Genoa والے اس فیصلہ پر متحد ہو گئے۔ جب عام فوجیوں کو اس کی خبر ملی تو تمام فوج میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی اور سب نے یروشلم جانے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ رات بھر خوب ناچ گانے ہوئے اور شور وغل مچا۔ لیکن ان سب کی خوشیوں نے رچرڈ کو اور بھی افسردہ کر دیا۔ اس نے خود کو فالتو سمجھا اور اپنے سارے مسائل کو بھول گیا۔ ادھر گویا فوج کی بیوفائی کی سزا میں قدرت نے ان پر کیڑوں اور کھٹملوں کی بے پناہ بارش کر دی جن کے حملوں سے بہت سے سپاہی کوڑھی معلوم ہونے لگے۔ آخر ۴ رجون کو یہ سب Ascalon میں خاص فوج سے ملے۔ اس کے ایک دن بعد رچرڈ شہر کے باہر ایک باغیچہ میں یونہی بے مقصد ٹہل رہا تھا کہ اسے Poitiers کا ایک معمولی پادری نظر آیا جو اسے ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہا تھا اور زار و قطار رو رہا تھا۔ رچرڈ نے پاس جا کر اس سے رونے کی وجہ دریافت کی اور پوچھا کہ کیا وہ اس کی وجہ سے رو رہا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں اس وقت تک اس کی وجہ نہ بتاؤں گا جب تک کہ مجھے یہ یقین نہ ہو جائے کہ حضور مجھ سے ناراض تو نہیں ہوں گے۔ جب رچرڈ نے اسے ہر طرح اطمینان دلایا تو اس نے کہا کہ حضور میں اس لئے رو رہا ہوں کہ

تمام فوج میں حضور کی سخت بدنامی ہو رہی ہے چونکہ حضور اس مہم کو چھوڑ کر گھر واپس جانا چاہتے ہیں۔ مگر خدا کرے وطن سے لائی ہوئی یہ سب غیر معتبر خبریں آپ کو اس ارادہ سے باز رکھیں۔ چونکہ اگر ایسا ہوا تو ہمیں یقین ہے کہ یہ آپ کے لئے ابدی ذلت و رسوائی کا باعث ہوگا۔ خدارا جلد بازی سے واپس ہو کر اس شاندار مہم کو برباد نہ کریں کہیں یہ نہ کہا جائے کہ حضور اپنی مہم کو پایہ تکمیل تک پہنچائے بغیر ہی واپس ہو گئے۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو اس مہم کا انجام اس کے آغاز سے بہت مختلف ہوگا۔ اعلیٰ حضرت احتیاط فرمائیں کہ حضور نے اس مقصد کے لئے کتنی مصیبتیں جھیلی ہیں اور کتنا وقت صرف کیا ہے یہ سب برباد ہو جائے گا۔ اس کم رتبہ پادری نے اپنے بادشاہ سے التجا کی کہ وہ اپنی غیر معمولی خصوصیات کا خیال کرے جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کی ہیں۔ اس نے اسے یاد دلایا کہ کبھی اس نے Poitou کے حاکم کی حیثیت سے قرب و جوار کے تمام حاکموں کو زیر کیا تھا۔ اس نے ایسی فتوحات کی تھیں کہ سارا یورپ اس سے ڈرتا تھا پھر اس نے Messina فتح کر کے یونانیوں کو شکست دی پھر قبرص فتح کر کے اس کے بادشاہ کو پابہ زنجیر کیا تھا، اس ہی کی قیادت میں Acre فتح ہوا۔ پھر اس نے اپنے ایک مہلک مرض پر فتح پائی اور اب اس نے Arsuf اور Darum فتح کئے جہاں سے مسلمانوں کو تتر بتر کر دیا اور سینکڑوں عیسائی آزاد کرائے۔ اس نے کہا یاد کریں جب آپ مغرب سے یہاں آئے تو دشمن زنجیروں میں آپ کے قدموں میں پڑتے تھے۔ اس نے رچرڈ کو قدیم یونانی داستان کے دیو Antaeus سے تشبیہ دی جو جتنی دفعہ زمین کو چھوتا تھا اتنا ہی طاقتور ہو جاتا تھا۔ اور مسلمانوں کو Hydre سے تشبیہ دی کہ جب بھی رچرڈ اس کا سر کاٹتا ہے اس کے ایک اور سر نکل آتا ہے۔ اس نے کہا کہ آج سلطان حضور کا نام سن کر کانپتا ہے۔ مصری حیران ہیں اور کافر خوفزدہ ہیں۔ کیا کچھ اور کہا جائے؟ سب متفق ہیں کہ حضور ہمارے باپ ہیں ہیرو ہیں اور عیسائیت کے محافظ ہیں۔ اگر آپ ہمیں چھوڑ دیں گے تو یہ ایسا ہی ہوگا کہ آپ نے ہمیں دشمنوں کے حوالے کر دیا۔ للہ ہم غریبوں پر رحم کیجئے کیونکہ آپ ہی ہمارے قدرتی محافظ ہیں۔ خدا کرے کہ حضرت عیسیٰ کی مدد سے آپ کا بھلا ہو۔ رچرڈ نے

دوسرے دن ہی تمام فوج میں اعلان کرایا کہ بادشاہ وطن واپس نہیں ہوگا بلکہ آئندہ Eester تک یہیں رہے گا جب تک ساری ارض مقدس فتح ہو جائے گی۔ یہ سن کر سارے لشکر میں جشن وخوشی کی رولہر دوڑ گئی اور سپاہیوں نے گھٹنوں پر گڑگڑا کر دعا کی: اے خدا ہم تیری حمد وثناء کرتے ہیں اور تیرے شکرگزار ہیں کہ ہم جلد ہی یروشلم دیکھ سکیں گے جو بہت عرصہ سے کافروں کے قبضہ میں ہے۔ ہماری تمناؤں کو پورا ہونے میں کتنی دیر لگی ہے اور ہم نے اس شہر کی زیارت کرنے میں کیسی قربانیاں دی ہیں اور مصیبتیں جھیلی ہیں اب ہمیں اس کا بدل جلد ہی مل جائے گا۔ رچرڈ نے حکم دیا کہ یروشلم کے محاصرہ کی تیاریاں کی جائیں۔

Samson کا ملک: صلیبی جہاد ۷ رجون ۱۱۹۲ء تک اپنی چوٹی کو پہنچ رہا تھا۔ عیسائی لشکر نہایت ولولوں اور جوش وخروش کے ساتھ فلسطین کے قدیم راستہ سے یروشلم کی جانب روانہ ہوا۔ ایک خاص تمنا کے انتظار سے ساری فضا معمور تھی اور فوج میں نہایت برادرانہ اور پیار و محبت کا ماحول تھا۔ Ascalon کی دوبارہ تعمیر کے دوران جو طبقاتی فرق واحساس مٹ گیا تھا وہ جذبہ اب بھی باقی تھا۔ فوج کے سرداروں، سپاہیوں اور عام ملازمین میں بے تکلفانہ تعلقات پیدا ہو گئے تھے۔ Samson کے معمہ میں کہا گیا ہے کہ طاقت سے شیرینی پیدا ہوتی ہے۔ اب Sanctum Sepulcrum Adjuva (مرقد مقدس کی مدد!) کے نعروں میں معنی پیدا ہو گئے تھے۔ خصوصاً ایک نعرہ جس میں پکارا جاتا ہے Chanterai por mon Coraige (یارب زائرین کی مدد کر، مجھے بڑا ڈر ہے چونکہ عرب بہت عیار ہیں۔) انہوں نے اب اپنی منزل مقصود حاصل کر ہی لی تھی اور Vezelay کا جذبۂ جوش پھر عود کر آیا تھا۔ جب انہوں نے Ascalon سے نکل کر ایک میٹھے پانی کا دریا پار کیا اور Samson کے ملک میں داخل ہوئے تو ایک دلکش نظارہ ان کے پیش نظر ہوا۔ رچرڈ بھی اس وقت Samson ہی کے انداز میں اپنے شاندار قبرص کے گھوڑے پر لشکر کی قیادت کر رہا تھا۔ اس وقت وہ خود اعتمادی

کا مجسمہ بنا ہوا تھا اور عام انسانوں میں ایک دیو پیکر معلوم ہو رہا تھا۔ گویا اس وقت Samson ہی کی طرح وہ تین سو لومڑیاں شکار کر سکتا تھا، ایک شیر کو خالی ہاتھوں سے مار سکتا تھا یا صرف ایک گدھے کے جبڑے کی ہڈی سے ہزاروں دشمنوں کو قتل کر سکتا تھا۔ بادشاہ اس خوش و خرم ماحول میں مگن تھا۔ اور کچھ دیر کے لئے وہ وطن کی کشش کو فراموش کر چکا تھا۔ اس کے پیچھے ایک زرق برق منظر تھا۔ گھوڑوں کی ٹاپیں گونج رہی تھیں۔ فضا گرد سے معمور تھی۔ لشکریوں کے فولادی ہتھیار چمک رہے تھے اور سارا ماحول قومی ترانوں سے گونج رہا تھا۔ یورپ کے اہم خاندانوں، فرقوں، جماعتوں اور تمام چھوٹی بڑی اقوام کے جھنڈے شدید گرمی اور تیز و تند ہوا میں لہرا رہے تھے۔ گھوڑوں کی ٹاپوں کے ساتھ ساتھ نقاروں، ناقوسوں اور بہت سے دوسرے جنگی باجوں کے شور سے سارے ماحول میں غدر سا مچا ہوا تھا۔ فوج نے پہلے دن ۱۹ میل کا سفر طے کیا۔ انہوں نے Blanchegarde (سفید ملکیت) نامی ایک چوراہے پر پڑاؤ ڈالا۔ یہ بہت اہم مقام تھا چونکہ یہاں مشرق سے آنے والا راستہ شمالی جنوبی راستہ سے ملتا تھا۔ جس کے جنوب میں بیت جبرین اور شمال میں Emmaus تھا۔ پچاس سال قبل صلیبیوں نے یہاں ایک پہاڑی پر چار میناروں کا قلعہ تعمیر کیا تھا تا کہ وہ Ascalon پر حملہ کا دفاع کر سکیں۔ لیکن اب رچرڈ اور اس کے ساتھیوں کو یہاں کھنڈرات ہی ملے چونکہ صلاح الدین نے چند سال پیشتر اسے اور بیت جبرین کو مسمار کرا دیا تھا اور اب وہاں صرف کھنڈر ہی رہ گئے تھے۔ یہیں وہ وادیٔ الہٰہ تھی جہاں حضرت داؤدؑ نے جالوت کو قتل کیا تھا۔ وادیٔ AL- Sant پانی فراہم کرتی تھی۔ فوج نے دو دن یہاں قیام کیا مگر اس عرصہ میں ایک بدشگونی بھی ہوئی۔ ایک افسر اور ایک سارجنٹ کو سانپ نے کاٹ لیا جس سے دونوں مر گئے۔ صلیبی فوج کے Blanchegarde کے قیام کی اطلاع سلطان کو اس کے مخبر پہنچا رہے تھے۔ اسے اب کوئی شک نہ تھا کہ دشمن مقدس شہر کی طرف آخری منزل پر ہے۔ اس نے فوراً اپنے تمام دور افتادہ امیروں کو طلب کیا تا کہ اس سنگین صورت حال پر مشورہ کیا جائے۔ اب انہیں ٹھیک طور پر معلوم ہو جانا چاہئے کہ اس دور حاضر کے Samson کی

طاقت کا کیا ذریعہ ہے اور اس کی کیا کمزوریاں ہیں۔ انہیں خود ہی یہ سب کچھ معلوم کرنا ہوگا چونکہ یہاں کوئی Delilah نہ تھی۔ تمام Delilahs یا تو قتل کر دی گئی تھیں یا وطن واپس بھیج دی گئی تھیں۔ جبکہ سلطان اپنے امیروں کا انتظار کر رہا تھا صلیبی فوج مزید گیارہ میل بڑھ کر Toron تک پہنچ گئی۔ یہاں ایک پہاڑی پر رات بسر کر کے وہ پرانی چھاؤنی بیت نوبہ آئے۔ ایک بار پھر وہ Ajalon کی وادی میں آ گئے تھے جہاں Joshua نے اپنے رب سے دعا کی تھی کہ وہ چاند و سورج کو روک دے تاکہ وہ Amorites سے انتقام لے سکے۔ یہی وہ مقام تھا جہاں پچھلے سال موسم خزاں میں وہ رہے تھے اور جسے انہوں نے بارش اور کیچڑ سے مجبور ہو کر چھوڑ دیا تھا۔ لیکن اب ایسی کوئی مشکل درپیش نہ تھی۔ یہ تو جنگ کا مخصوص موسم تھا اور یروشلم اب صرف ۱۲ میل رہ گیا تھا۔ صلاح الدین کو اس وقت سخت خطرہ درپیش تھا، اس نے گھبرا کر جلد از جلد فصیلوں کے لئے دفاعی انتظامات کرائے اور احکامات نافذ کئے کہ صلیبی فوج کی سمندر سے آنے والی رسد پر شدید حملے کئے جائیں۔ بالآخر اس کا مشیر خاص داغدار چہرہ والا مشتوب بھی اس کے پاس آ گیا۔ یہ کرد سردار Acre کی شکست میں گرفتار ہوا تھا اور رچرڈ کا ذاتی قیدی تھا۔ اسے اب تیس ہزار طلائی سکہ دے کر رہا کرایا گیا تھا۔ بدرالدین Tell Basher کا حاکم بھی ترکوں کی ایک بڑی جماعت لے کر پہنچ گیا۔ تل شیر دریائے فرات کے پاس عیسائیوں کا ایک قلعہ ہوا کرتا تھا جس کا نام اس وقت Turbessel تھا۔ اور ابوالحیجہ اعظم بھی آ گیا۔ یہ شخص اتنا فربہ تھا کہ اسے کرسی پر بٹھا کر لے جایا جاتا تھا مگر اس کے باوجود ایک نہایت تجربہ کار جنرل تھا اور شمالی شام کی بغاوتوں کا اسے خاص تجربہ تھا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ صلاح الدین کے لڑکے ملک الفضل کو بھی الیپو سے طلب کر لیا گیا تھا جہاں وہ صلاح الدین کے بھتیجے کے لڑکے کی سرکوبی میں مصروف تھا۔ اس کے بعض سپاہی اس کے بھائی ملک الظاہر کی کمان میں تھے۔ باقی کو شہر کے مغربی حصہ کے دفاع کے لئے تعینات کیا گیا۔ بالآخر سلطان کے خیمہ میں تمام امیر مجلس شوریٰ کے لئے جمع ہوئے۔ ہر شخص کو یہ احساس تھا کہ اب یہ جہاد کی آخری منزل تھی۔ سب سے پہلے بہاء الدین جو امیر کا اہم

مشیر، دوست اور کاتب تھا، اس نے مطالبہ کیا کہ سب لوگ مسجد اقصیٰ میں حلف اُٹھائیں کہ وہ یروشلم کے دفاع کے لئے جان قربان کر دیں گے۔ اس نے کہا کہ جب نبی کریمؐ ایسی کڑی آزمائش سے گزر رہے تھے تو آپ کے رفیقوں نے قسم کھائی تھی کہ وہ اپنی جانیں قربان کر دیں گے۔ ہم صرف اپنے پختہ ایمان سے ہی دشمن کو شکست دے سکتے ہیں۔ لیکن بجائے پر جوش تائید کے بعض لوگ بڑ بڑانے لگے۔ سلطان کو اس نجی مخالفت کا اندازہ تھا۔ وہ خاموش رہا۔ تمام سرداروں نے صبر و سکون سے اس کا انتظار کیا کہ وہ کچھ کہے لیکن وہ کافی دیر تک سر جھکائے خاموشی سے اپنے خیالات میں غرق رہا۔ اس کی خاموشی کی تعظیم اور معاملہ کی سنگینی کے مدنظر کسی نے بولنے کی جرأت نہ کی۔ ایک مورخ کا کہنا ہے کہ وہ اس وقت ایسے ساکت تھے گویا کہ ان کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہوئی ہوں۔ آخر سلطان نے سر اُٹھایا اور بولا: ''اللہ کی حمد و ثناء اور اس کے رسول پر صلوٰۃ و برکات۔ آج تم سب اسلام کا لشکر اور اس کے دفاع کے ضامن ہو۔ تمام مسلمانوں میں صرف تم ہی دشمن کو روک سکتے ہو۔ اگر خدانخواستہ اس وقت تم مسلمانوں کو چھوڑ گئے تو دشمن سارے ملک کو اس طرح لپیٹ لیں گے جیسا کہ قرآن میں آیا ہے کہ ایک کاغذ کا دستہ۔ مسلمانوں کے خون، ان کے مال اور اولاد کی حفاظت کے تم ضامن ہو۔ تم نے بیت المال سے رقمیں وصول کی ہیں، لہٰذا آج تم ہی مسلمانوں کے دفاع کے ذمہ دار ہو اور صرف تم پر ہی ان کی حفاظت کا دار و مدار ہے۔ اور تمہیں ہی اس کا جواب دینا ہوگا۔ خدا تمہارے ساتھ ہو۔'' پھر خاموشی چھا گئی۔ بالآخر مشتوب بولا: ''حضور والا ہم آپ کے خادم اور غلام ہیں۔ آپ نے ہم پر بڑے احسانات کئے ہیں۔ ہمیں بزرگ اور امیر بنا دیا ہے۔ ہمارے پاس اپنی گردنوں کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور ہماری گردنیں آپ کے ہاتھ میں ہیں۔ خدا کی قسم ہم میں سے کوئی بھی آپ کا ساتھ نہیں چھوڑے گا جب تک کہ وہ مر نہ جائے۔'' ایک بار پھر دھیمے لہجوں میں تائید کی آوازیں سنائی دیں جن سے سلطان کا مطمئن ہونا ظاہر ہوا۔ لیکن ایک ہی دن میں اس مشاورتی مجلس کے اختلافات رونما ہونے لگے۔ فربہ ابو الحیجہ نے سلطان کو ایک خفیہ اطلاع دی: ''میرے پاس بہت سے مملوک آئے ہیں اور انہوں

نے محاصرہ کی تدابیر کے خلاف شکایت کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس عمل سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا کہ ہم سب شہر میں بند ہو جائیں۔ اگر ہم قلعہ میں مقید ہو گئے تو ہمارا بھی وہی حشر ہوگا جو Acre کے مدافعین کا ہوا، ہم یہاں ہی بیٹھے رہیں گے اور اس دوران مسلمانوں کا سارا علاقہ دشمن کے ہاتھ آ جائے گا۔ ان کے خیال میں بہتر یہ ہوگا کہ باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں فتح نصیب کرتا ہے تو تمام ملک ہمارے قبضہ میں ہوگا اور اگر ایسا نہ ہوا تو یہ مقدس شہر ہمارے ہاتھ سے جاتا رہے گا لیکن ہماری فوج بچ جائے گی۔ اسلام کی حفاظت تو بغیر مقدس شہر کے بھی کی جا سکتی ہے۔" یہ خبر نہایت خطرناک تھی لیکن اس مردِ فربہ نے اس کے ساتھ ایک اور تنبیہ بھی دی تھی "اگر آپ مقدس شہر میں رہنا پسند کرتے ہیں تو بہتر ہوگا کہ آپ ہمارے ساتھ ہی رہیں یا کم از کم اپنے کسی قریبی عزیز کو تعینات کریں چونکہ آپ کی عدم موجودگی میں نہ تو کرد ترکوں کا حکم مانیں گے اور نہ ہی ترک کردوں کا۔" اس تقسیم اور تفریق نے صلاح الدین کو سخت ذہنی کرب میں مبتلا کر دیا۔ یروشلم کو چھوڑنا اللہ تعالیٰ سے بے وفائی اور اس کے نبیؐ کی معراج کی یادگار کی بے حرمتی ہوگی اور دنیائے اسلام کے تیسرے مقدس ترین مقام کو خیر باد کہنا ہوگا۔ صلاح الدین جیسا کٹر اہل ایمان یہ کیسے گوارا کر سکتا ہے۔ لیکن بہ حیثیت ایک غیر معمولی سپہ سالار کے اسے امیروں کی رائے میں بھی صداقت معلوم ہوئی۔ وہ حق بجانب تھے۔ ایک بڑے لشکر کو اس شہر کے محدود حصاروں میں بند کر دینا دیوانگی ہوگی۔ وہ یہاں کی تنگ و تاریک گلیوں میں پھنس کر بے بس ہو جائیں گے اور ہر طرف سے گھر جائیں گے۔ دشمن انہیں بھوکا مار دے گا اور آخر میں سب مارے جائیں گے۔ اب یہ مسئلہ جذبات اور حقیقت کے درمیان فیصلہ کرنے کا تھا۔ اس ذہنی کشمکش میں سلطان نے کئی راتیں گزاریں۔ اس دوران اس کا مخلص اور معتبر بہاء الدین اس کے ساتھ رہا۔ آخر جب ایک بار مؤذن نے فجر کی اذان دی اور دل سوز آواز سے پکارا: "اللہ سب سے بڑا ہے۔ نماز کی طرف آؤ۔ نماز نیند سے بہتر ہے۔" اور قدیم سنگ لاخ پتھروں پر فضا میں یہ الفاظ گونجنے لگے تو وہ اٹھے۔ بہاء الدین نے وضو کے بعد کچھ کہنے کی اجازت چاہی جو اسے دی گئی۔ اس نے کہا: "اعلیٰ حضرت پر

اس مصیبت کا ایسا بوجھ ہے جو حضور برداشت نہیں کر سکتے۔ دنیاوی تدابیر و ذرائع بیکار ہیں آپ صرف اللہ تعالیٰ ہی سے رجوع کر سکتے ہیں۔ آج جمعہ ہے جو ہفتہ کا سب سے متبرک دن ہے۔ یہ وہ دن ہے جب دعائیں سنی جاتی ہیں اور ہم ایک مقدس ترین مقام پر ہیں۔ چاہئے کہ سلطان بعد وضو خفیہ طور پر خیرات دے، پھر دو رکعت نماز نفل ادا کرے اور پھر سنتوں اور اقامہ کے درمیان اللہ بزرگ و برتر کے حضور میں یہ اقبال کرے کہ وہ اس کی مدد کے بغیر اس مہم میں کامیاب ہونے کے قابل نہیں ہے شاید اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اور حضور کی دعا قبول فرمائے۔'' صلاح الدین نے ویسا ہی کیا جس کا اسے مشورہ دیا گیا تھا۔ اس دن نماز جمعہ کی پہلی اور دوسری اذان کے درمیان دونوں الاقصاء مسجد میں دو رکعت نماز نفل کے بعد سجدہ میں گر گئے۔ سلطان رو رو کر یہ الفاظ ادا کر رہا تھا ''اس نے کسی کو پیدا نہیں کیا اور نہ کسی نے اسے پیدا کیا...... اور نہ ہی ساری کائنات میں کوئی اس کا ہم مثل ہے۔'' اس کے آنسو چہرے سے گزر کر قالین پر ٹپک رہے تھے۔ چند گھنٹوں بعد ہی اس کے فیصلہ کی اطلاع دی گئی۔ وہ اپنے بھتیجے کے بیٹے مجید الدین کی کمان میں ایک معمولی حصہ چھوڑ کر باقی لشکر کے ساتھ شہر سے نکل جائے گا۔ وہ بہ حیثیت اسلام کے جہاز کے کپتان کے ذوق شہادت میں خود یروشلم میں ہی رہنا چاہتا تھا مگر اسے مجبور کیا گیا کہ یہ اسلام کے حق میں اچھا نہ ہوگا۔ اسلام کے تحفظ کے لئے یروشلم کو قربان کرنا ہوگا۔

اس دوران میں رچرڈ شمپین کے سردار ہنری کے انتظار میں بیت نوبہ ہی میں رہا۔ اس نے ہنری کو Acre اور Tyre بھیجا تھا تا کہ وہ وہاں کے منتشر اور آوارہ گرد سپاہیوں کو محاصرہ کی مشینوں کے محافظتی دستہ کے لئے جمع کرے۔ Acre سے صلیبی فوج تک پہنچنے کا راستہ بے شک پُر خطر تھا چونکہ یقیناً ان کے چاروں طرف سارا علاقہ دشمنوں سے بھرا ہوا تھا۔ رچرڈ کو Jaffa کی سمت جانے والی رسد پر حملوں کی پہلے ہی خبریں مل رہی تھیں۔ ایک بار تو دو سو ترک اپنے تیز رو گھوڑوں پر سوار ''نَصْرٌ مِنَ اللهِ وَ فَتْحٌ قَرِيبٌ'' کے نعرے مارتے ہوئے پہاڑیوں سے جھپٹ کر فرانسیسی سفیر کے محافظتی دستہ پر ٹوٹ پڑے تھے۔ انہوں نے دو سپاہیوں کو ہلاک کیا اور ایک جلد

بازبلجیم کے Hospitaler کو گھوڑے سے گرادیا جس نے ایک قدمی سارجنٹ کا گھوڑا چھین کر جان بچائی مگر سارجنٹ مارا گیا۔ Templars اور Hospitalers کے جوابی حملوں کا بھی ان پر کوئی رعب نہیں پڑا اور حملہ آوروں نے بلاخوف دست بدست جنگ کی۔ محض Salisbury کے بشپ کی بروقت امداد نے اُنہیں بچالیا ورنہ فرانسیسی یقیناً شکست کھا جاتے۔ایک مورخ یوں لکھتا ہے:''یہ ایک بہادرانہ معرکہ تھا جس میں جانبازوں نے بہترین وار کئے۔'' پیچھے ہٹے اور پھر جھپٹ کر حملے کئے، تلواریں چمکیں اور پے در پے شجاعت کے اعلیٰ کارنامے دکھائے گئے۔اور جہاں بہت سے بے سوار گھوڑے نظر آئے۔'' Burges کا سردار رابرٹ جس کی وجہ سے یہ سانحہ پیش آیا تھا اپنی حکم عدولی اور بدنظمی کی بدولت کورٹ مارشل کا نشانہ بنا۔چونکہ Cresson کی تباہی کی یاد ہنوز تازہ تھی اس لئے اسے فوجی عدالت کے سامنے پیش ہونا پڑا۔لیکن اس عدالت کے تمام جج بھی جنگی راہب ہی تھے لہٰذا انہوں نے اپنے بھائی کو معاف کردیا جس کی وجہ یہ بتائی کہ Book of zephaniah میں آیا ہے:''اس دن تو اپنی ان حرکتوں پر شرمندہ نہ ہوگا جن سے تو نے میری نافرمانی کی تھی چونکہ میں اس روز تیرے ان مغرورانہ جذبات کو دور کردوں گا جن پر تو ناز کیا کرتا تھا اور تو میرے کوہ مقدس کے روبرو غرور نہیں کرے گا۔''لشکر کے بیت نوبہ پہنچنے کے ایک دن بعد رچرڈ کو خبر ملی کہ چند میل جانب مغرب Emaus کے مقدس چشمہ کے پاس کچھ ترک حملہ کی گھات میں چھپے ہوئے ہیں۔یہ وہ مقام تھا جہاں حضرت عیسیٰ دوبارہ زندہ ہونے کے بعد چند حواریوں کے ساتھ گھومے پھرے تھے مگر اُنہوں نے اسے نہیں پہچانا تھا۔اس چشمہ کا پانی متبرک تھا اور کہا جاتا تھا کہ یہ ہر مرض کی دوا تھا۔چنانچہ ان کافروں کی وہاں موجودگی ناقابل قبول تھی،لہٰذا رچرڈ نے فوراً ایک مہم روانہ کی کہ اُنہیں وہاں سے بھگایا جائے۔علی الصبح ہی انہوں نے ان بے خبر حملہ آوروں کو جالیا اور ان کے بیس افراد ہلاک کردیئے۔ ان میں صلاح الدین کا ایک اہم خبررساں بھی تھا جس کی جان بخش دی گئی چونکہ میں مردہ ہونے کی بہ نسبت اس کا زندہ رہنا زیادہ کارآمد تھا۔اس تفریح سے ان کی ہمت اور بڑھ گئی اور وہ آس پاس کی

پہاڑیوں میں مزید شکار کی تلاش گھومنے لگے۔ اُنہیں کسی سمت کا اندازہ نہ رہا اور وہ بھٹک کر مشرق میں سیموئل نامی ایک مقام پر جا نکلے۔ اسی درّہ میں انہیں کچھ اور بدنصیب عرب ہاتھ آ گئے۔ رچرڈ نے فوراً حملہ کر کے ایک کو گھوڑے سے گرا دیا اور جب اس نے اس کے سینہ سے تلوار کھینچ کر اوپر نگاہ ڈالی تو دفعتہً اس کی نگاہ یروشلم پر پڑی جسے دیکھ کر اسے سخت حیرت ہوئی اور دھچکا بھی لگا۔ وہ وہاں سے محض تین میل ہی دور ہوگا۔ ایسا دلکش منظر لیکن پھر بھی شاید ناقابل حصول۔ گویا یہ ایک مقدس شعلہ تھا اور وہ خود ایک بے حقیقت پروانہ جس کے پر اس کی تپش میں جل رہے تھے۔ ایک نااہل مجاہد کی حیثیت سے وہ اس تابش کو برداشت نہیں کر سکا اور اس نے جلدی سے آنکھیں بند کر لیں۔ گویا اس مقدس شہر کو بغیر فتح کے دیکھنا بھی باعث ذلّت اور گناہ تھا۔ اس نے کہا: ''اے پیارے آقا میں تیرے اس شہر کو دشمنوں سے آزاد نہیں کرا سکا اب تو مجھے اسے دیکھنے کی سزا مت دے۔'' بعد میں جب سلطان کے یروشلم چھوڑ دینے کا علم ہوا تو بعض عیسائی مورخوں نے پچھتا کر لکھا ہے کہ اگر اس وقت رچرڈ کے ساتھ اس کی تمام فوج ہوتی اس مقام پر جسے عیسائی Monjoie کہتے تھے، تو یہ انعام ایک ہی دن میں سینٹ جارج کی مہربانی سے اس کے ہاتھ آ جاتا وغیرہ وغیرہ'' دس دن بعد ایک اور مقناطیسی کشش نے اسے کھینچا۔ ۲۲ر جون سینٹ البان کے روز بنی سیموئل کی مشہور خانقاہ کا پادری رچرڈ کے خیمہ میں داخل ہوا۔ یہ مقدس بزرگ اپنی لمبی داڑھی اور اُلجھے ہوئے بالوں سے ایک ڈراؤنی ہیئت کا انسان معلوم ہوتا تھا۔ جب سے صلاح الدین نے یروشلم فتح کیا تھا وہ صرف پھٹے پرانے کپڑے پہن کر اور جڑی بوٹیاں کھا کر زندگی بسر کر رہا تھا۔ بہر حال یہ کہا جاتا تھا کہ وہ پیش گوئی کا ماہر تھا۔ اب وہ یہ خبر لایا کہ اصلی صلیب کا اسے علم ہے کہ وہ کہاں ہے۔ پانچ سال قبل جب صلاح الدین نے یروشلم فتح کیا تھا تو یہ اس کے ہاتھ آ گئی تھی۔ اس نے اس مقدس صلیب کے ٹکڑوں کو گرجا گھر کی دیواروں میں دفن کر دیا تھا۔ رچرڈ فوراً اس راہب کے ساتھ ایک زبردست فوجی دستہ لے کر اس کی تلاش میں روانہ ہوا۔ وہاں اُنہیں صلیب کی بجائے ایک چھوٹی سی Crucifix (گلے میں ہار کی طرح پہننے کی ایک چھوٹی سی صلیب جس پر حضرت عیسیٰ کی تصویر بنی ہوتی ہے) ملی۔

اس پر راہب مُصر ہوا کہ اگرچہ یہ اصلی صلیب نہیں ہے لیکن پھر بھی یہ اصلی صلیب کی لکڑی ہی سے بنائی گئی ہے۔ پھر اس نے رچرڈ کو نہایت سنجیدگی سے دیکھتے ہوئے کہا کہ "تو ارض مقدس پر قبضہ کرنے میں کامیاب نہیں ہوگا۔" اس کی صداقت کے ثبوت کے طور پر اس نے یہ بھی کہا کہ "میں سات دن میں مر جاؤں گا۔" حالانکہ رچرڈ اس واقعہ سے سخت مایوس ہوا پھر بھی وہ اس متبرک کو اپنے خیمہ میں لایا جہاں اسے بیچ میں رکھا گیا اور فوجی اسے تعظیمی بوسہ دینے کے لئے قطار در قطار حاضر ہوئے۔ سات روز بعد واقعی وہ راہب فوت ہوگیا۔ اسی دوران میں کچھ عرب جاسوس ایک اور خبر لے کر آئے جس سے اس کی ہوس اور تیز ہوگئی۔ اس کی خدمت میں بہت سے عرب جاسوس تھے اور جب بھی وہ کوئی خاص خبر لاتے وہ اُنہیں بڑی فراخ دلی سے چاندی سے نوازا کرتا تھا۔ پھر بھی ان معاملات میں اسے بڑا چوکنا رہنا پڑتا تھا۔ اس بار جاسوسوں نے بڑے دُون کی کھینچی۔ اُنہوں نے بتایا کہ قاہرہ سے ایک زبردست قافلہ جودیہ کے ریگستان سے گزر کر جنوب کی جانب جا رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہزاروں گھوڑے اور اونٹ ہیں جو مصری مال و دولت سے لدے ہوئے ہیں۔ پہلے تو رچرڈ کو اس اطلاع پر شک ہوا لیکن بہر حال اس نے کچھ معتمد لوگوں کو بدوؤں کا لباس پہنا کر روانہ کیا کہ وہ صحیح خبر لائیں۔ جب اس خبر کی تصدیق ہوگئی تو اس بیش بہا انعام کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا جا سکتا تھا۔ اس وقت رچرڈ قطعاً بھول گیا کہ ارض مقدس میں آنے کا اصل مقصد کیا تھا۔ یروشلم اس کی زد میں تھا اور محاصرہ کے آلات پہنچنے والے ہی تھے مگر پھر بھی اس نے سات سو سوار، ایک ہزار پیدل اور ایک ہزار پولینڈ اور ترکی کے سپاہی ساتھ لئے اور اپنے طاقتور گھوڑے پر سوار ہو کر تین میل دور جودیہ کے تپتے ہوئے ریگستان میں شکار کی تلاش میں روانہ ہوگیا۔ جب بھی خوشنودی ایزدی کے بجائے مال غنیمت کا موقع ہوتا تھا تو اُس کے پاس رضا کاروں کی کوئی کمی نہیں ہوتی بلکہ فرانسیسی تک اس کے ساتھ جانے کو راضی ہو جاتے بشرطیکہ اُنہیں مال غنیمت کا ایک تہائی حصہ ملے۔ ایک ہی دن میں یہ حملہ آور Blancheguard کے مقام تک پہنچ گئے جہاں پہاڑیوں پر سے وہ نظر آ گئے۔ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے بھی جاسوس تھے اور جلد ہی صلاح الدین کو دشمن کی نقل

وحرکت کی خبر مل گئی۔ اس نے ایک تیز رو قاصد روانہ کیا۔ قافلہ والے اس وقت اپنے اُونٹوں اور گھوڑوں کو حضرت ابراہیم وحضرت اسحاق کے سات چشموں پر پانی پلا رہے تھے۔ یہ ارض مقدس کے انتہائی جنوب کا علاقہ ہے۔ ان کو حکم دیا گیا کہ وہ ہر قیمت پر صلیبیوں سے جنگ کرنے سے بچیں جس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ وہ جلد از جلد رات کی تاریکی میں پہاڑوں میں چھپ جائیں۔ اس شاہی فرمان کو نظر انداز کر دیا گیا غالباً اس وجہ سے کہ وہ پہاڑی راستہ سے ڈر رہے تھے کہ اُنہیں سفر میں بہت وقت لگے گا اور رات کے سفر میں سخت پریشانی اور گڑبڑ ہوگی۔ ادھر ان کے جاسوسوں نے فی الحال رچرڈ کے حملہ آور دستہ کی کوئی خبر نہیں دی تھی۔ اُنہیں یہ احساس نہیں تھا کہ وہ رچرڈ کی زد میں ہیں۔ چنانچہ اُنہوں نے یہ طے کیا کہ آسان اور سیدھے راستہ ہی سے یروشلم کو بھاگا جائے۔ ساتھ ہی انہوں نے ایک اور رات اس انتظار میں برباد کر دی کہ صبح کی روشنی میں سامان وغیرہ لاد کر کوچ کریں۔ اس طرح ان کی غفلت صلیبیوں کی خوش نصیبی بن گئی۔ کسی نامعلوم وجہ سے انہوں نے قافلہ کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ جس کا ایک حصہ شاہ راہ حج سے بحر مردار کے جنوب سے گھوم کر کراک کے قلعہ کی طرف روانہ ہوا اور دوسرا ریگستان ہوتا ہوا Betlehem اور Hebron کی جانب گیا۔ دوسری رات حملہ آور Telel Hesi کے مقام پر تھے کہ رچرڈ کو اطلاع ملی کہ قافلہ کا تیسرا حصہ چودہ میل دور Hebron کی پہاڑیوں کے دامن میں راؤنڈ سٹرن (Round Ciotern) نامی ایک مقام پر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔ فوراً تحقیق کے لئے بدوؤں کے بھیس میں کچھ جاسوس بھیجے گئے بلکہ بعض مسلمان مورّخ تو کہتے ہیں کہ رچرڈ خود ان کے ساتھ بھیس بدل کر گیا۔ جلد ہی نہایت خاموشی سے حملہ آور روانہ ہو گئے۔ علی الصبح جبکہ اُونٹوں پر سامان لادا جا رہا تھا یہ ان پر ٹوٹ پڑے۔ قافلہ کے محافظ ہر طرف ایسے بھاگے جیسے شکاری کتوں کے سامنے خرگوش۔ حسب معمول رچرڈ سب سے آگے آگے تھا۔ اس کے درباری شاعر نے اس کے روّیہ کو Hoeace سے تشبیہ دی ہے اور کہا ہے کہ "وہ بہادری کا پھول اور شجاعت کا تاج تھا۔ اس نے اس قوت سے نیزہ گھمایا کہ وہ ٹوٹ گیا اور اسے تلوار پکڑنی پڑی۔ انعام حاصل کرنے میں

وہ سب سے بازی لے گیا۔'' ایک مسلمان مورخ نے لعنت بھرے انداز میں یوں لکھا ہے: ''مصری سپاہی جو بہت بہادر مشہور تھے اپنے گھوڑوں کی برق رفتاری کے مشکور تھے کہ انہوں نے ان کی جان بچالی۔'' جتنی غضب کی خونریزی ہوئی اتنا ہی قیاس وگمان سے زیادہ مال ودولت ہاتھ آئی۔ تین ہزار اُونٹ، اتنے ہی گھوڑے اور سیکڑوں خچر جن پر چاندی سونا، رنگین ریشمی کپڑوں کے تھان، مسالحہ، جنگی مشینیں اور اہم جنگی دستاویزات وغیرہ لدے ہوئے تھے۔ چھ سال پہلے شتیلان کی لوٹ مار سے لے کر اب تک عیسائیوں کے ہاتھ اتنا مال نہیں آیا تھا۔ جوں ہی اونٹوں اور خچر والوں نے ہتھیار ڈالے اُنہیں حکم دیا گیا کہ فوراً شمال کی طرف یروشلم روانہ ہوں۔ اسی دن شام صلاح الدین کو اس سانحہ کی اطلاع ملی۔ اسے سخت صدمہ ہوا اور مصری افسروں پر سخت غصہ آیا جنہوں نے اس کی حکم عدولی کی تھی۔ یہ سانحہ اب توہین بن گیا تھا۔ اب سلطان کو یہ خدشہ تھا کہ کہیں یہ توہین مکمل شکست نہ بن جائے۔ اس نے پہلے ہی یروشلم کے دفاع کے لئے مصری فوج کا ایک خاصہ حصہ مانگا ہوا تھا۔ اب قافلہ چھوڑ کر مصری سپاہیوں کے فرار ہو جانے سے دفاع اور بھی کمزور ہو گیا اور صلیبی فوج کے لئے مصر پر حملہ کرنے کا راستہ صاف ہو گیا۔ اتنے اونٹ اور عمدہ گھوڑے ہاتھ آ جانے سے رچرڈ کے لئے سینا کا ریگستان عبور کر کے قاہرہ پر حملہ کرنا آسان ہو گیا۔ ایک بار پھر رچرڈ سکندر اعظم اور جولیس سیزر کی طرح طاقتور بن گیا تھا۔ اس غم وغصہ کی حالت میں سلطان نے یروشلم بچانے کے لئے مایوس ہو کر ایک نہایت خطرناک قدم اٹھایا۔ اس نے حکم دیا کہ شہر کے اردگرد دو میل تک تمام کنوؤں، چشموں اور پانی کے ذخیروں میں زہر ملا کر تباہ کر دیا جائے۔ پانچ سال قبل Hattin میں اس کی فتح پانی کی بدولت ہی ہوئی تھی۔ اگر رچرڈ اپنی فوج لے کر اس علاقہ میں آتا ہے تو اسے اپنے ساتھ پانی بھی لانا پڑے گا۔ چند ہی دن میں شہر کے چاروں طرف تمام چٹانی علاقہ میں اس کی حکمت عملی پر مکمل طور پر عمل کیا گیا۔ صلاح الدین کی اس دفاعی چال سے بےخبر رہ کر رچرڈ اپنے مال غنیمت کے ساتھ فاتحانہ طور پر شمال کی طرف بڑھا۔ Ramalla میں Count Henry بھی اپنے کام چور اور بہانہ باز سپاہیوں کو گھیر کر ساتھ لانے میں کامیاب ہوا۔ اتنے اُونٹ اور

گھوڑے دیکھ کر تو ان سب کے ہوش اُڑ گئے۔ رچرڈ حضرت داؤدؑ کی طرح بڑی فیاضی سے انہیں فوج میں تقسیم کر رہا تھا۔ حضرت داؤدؑ کا یہ طریقہ تھا کہ جو جنگ میں شریک ہوا سے بھی اتنا ہی حصہ ملے کہ جتنا اسے کہ جو شریک نہ ہوا ہو۔ یہی اسرائیل کا قانون تھا۔ غالباً اس وقت رچرڈ نے بھی حضرت داؤدؑ کے ہی الفاظ استعمال کئے ہوں گے: ''آقا کے دشمنوں کے مال میں یہ تمہارا حصہ ہے۔'' کچھ اُونٹ ذبح کئے گئے اور گوشت بھونا گیا۔ یقیناً ان کا ذائقہ اور خوشبو اہل لشکر کو بہت پسند آیا ہوگا۔ لیکن کچھ دن بعد ہی اس لشکر کی یہ شادمانی ڈرامائی انداز میں کھٹی ہوگئی۔

۲۴ رجون کو یہ عظیم صلیبی لشکر اپنے بیت نوبہ کے مورچہ پر واپس آ گیا۔ فوراً ہی مزید احکامات کی افواہیں پھیلنے لگیں۔ وہ کب آگے بڑھیں گے؟ سب سے آگے ہونے کا شرف کسے ملے گا؟ فصیل کے کس حصہ پر پہلے حملہ کیا جائے گا؟ کیا یہ مناسب نہیں ہوگا کہ قلعہ کے بجائے پہلے شہر کے شمال میں دمشق دروازہ کو لیا جائے جو زیادہ کمزور ہے؟ کیا مرقد مقدس کے پاس پھر مسلمانوں اور یہودیوں کا خون بہایا جائے گا۔ رچرڈ کے بعد ان کا کون Godfrey of Bouillon یا St Giles (پہلی صلیبی جنگ کے دو ہیرو) ہو سکتا ہے۔ لامحالہ یہ جوشیلی افواہیں ان کے افسروں کے کانوں تک بھی پہنچیں اور وہ آئندہ تدابیر پر غور کرنے لگے۔ لیکن بیت نوبہ کی واپسی کے بعد رچرڈ شیر دل کو کیا ہوا اس بارے میں کسی مورخ نے کوئی تفصیل پیش نہیں کی۔ اس کی فوج متحد تھی اور بالآخر فرانسیسی بھی حملہ کرنے کے لئے بیتاب تھے۔ محاصرہ کی مشینیں نصب کی جا چکی تھیں اور حکم کے انتظار میں تھیں۔ یروشلم ان کی آنکھوں کے سامنے تھا اور صلاح الدین شہر خالی کر رہا تھا۔ فرنگی خود اعتمادی سے بھرپور تھے بلکہ فوج کے اُونٹ تک جنگ کی فضا محسوس کر کے بلبلا رہے تھے۔ لیکن دفعتہً کسی ناقابل بیان کی وجہ سے نہایت بے شرمی سے یہ ''شیر دل'' ''بزدل'' بن گیا۔ چہرہ لٹکا ہوا اور خاموش۔ وہ فوج کے سرداروں سے ملتا تا کہ انہیں نازک صورت حال سے آگاہ کرے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی دن میں اسے یقین ہو گیا تھا کہ یروشلم کی فتح کی کوئی امید نہیں۔ شاید اس مقدس درویش کی پیش گوئی نے اس کا دل توڑ دیا۔ اس نے کہا: ''تم کبھی یہ نہیں پاؤ گے کہ میں خلافِ

حقیقت تمہاری قیادت کروں۔ مجھے کوئی پروا نہیں کہ اس سلسلہ میں مجھ پر کون الزام لگاتا ہے۔ جہاں بھی ہماری فوج جاتی ہے صلاح الدین کو معلوم ہو جاتا ہے کہ ہماری کیا نیت ہے اور کیا تدبیر ہے۔ ہم ساحل سے بہت دور ہیں۔ اگر وہ ہمارے بازو سے گھوم کر Ramalla کے میدان میں گھس کر ہماری رسد کا راستہ روک دے تو یہ ہمارے محاصرین کے لئے تباہ کن ہوگا اور انہیں اس کی سخت سزا بھگتنا پڑے گی۔ علاوہ ازیں یروشلم کا قُطر بہت وسیع ہے اور اس کی فصیلیں زبردست اور سنگین ہیں، ان کو توڑنے کے لئے ہمیں سپاہیوں کی ایک بڑی تعداد درکار ہوگی پھر ہماری صفوں کی حفاظت کون کرے گا؟ کوئی نہیں! ہماری رسد کا سارا قافلہ تباہ ہو جائے گا بشرطیکہ ان کی حفاظت کے لئے فوجی دستے موجود ہوں۔'' افسروں یا کم رتبہ سپاہیوں یا ان سب لوگوں کو جنہوں نے گزشتہ ڈھائی سال سے ہر طرح کی تکلیف اور مصیبت برداشت کی تھی، فتوحات کا مزا اور شکستوں کا درد چکھا تھا اب ان خطرات سے آگاہ کرنا یا دشمن کی چالاکی اور یروشلم کے دفاع کی سنگینی کا خطبہ پڑھنا بالکل مضحکہ خیز اور بے معنی تھا۔ کیا اب فتح ان کے سامنے نہ تھی؟ اتنی قربانیوں کے بعد اب یہ خوف وخطر کیوں؟ اس کم ہمتی اور بددلی کی تقریر سن کر حاضرین سکتہ میں آ گئے۔ غالباً رچرڈ نے اس کی کوئی پروا نہ کی چونکہ اس کی تقریر اور بھی خراب ہو گئی، اب اس کے بیان میں کم ہمتی کے ساتھ ساتھ خود پر افسوس کرنے کے عناصر بھی شامل ہو گئے۔ اس نے کہا

''اگر تمہاری خواہش کے مطابق میں اس وقت یروشلم پر حملہ کرنے میں تمہاری قیادت کروں تو ساری زندگی مجھ پر الزام لگایا جائے گا اور طعنے دیئے جائیں گے۔ مجھے معلوم ہے کہ یہاں بعض فرانسیسی میری غلطی پر خوش ہوں گے اور دور دور تک اس کی تشہیر کریں گے تاکہ میری بدنامی ہو۔ لیکن میں ان حالات میں جبکہ نتیجہ کا کچھ پتہ نہ ہو آگے قدم بڑھانا غلط سمجھتا ہوں۔ ہمیں یہاں سے یروشلم کے تنگ اور دشوار گزار پہاڑی علاقوں کا کوئی پتہ نہیں۔ اگر ہمیں اس بارے میں زیادہ علم ہوتا تو شاید ہم سلامتی سے گزر سکتے تھے۔ لیکن ہمیں اس کا کوئی علم نہیں۔ ہمیں چاہئے کہ ہم ذرا انتظار کریں اور اپنے Hospitalers, Templars اور مقامیوں سے اس بارے

میں مشورہ کریں۔''

یہ نڈر اور مغرور انسان جسے شیر دل کہا جاتا تھا اور جو ایسی کم حوصلہ باتوں کو حقارت سے دیکھتا تھا آج ایسی پست ہمتی کی باتیں کر رہا تھا۔ اس نے مزید کہا: '' بے شک تمہیں یہاں ٹھہر کر کچھ انتظار کرنا چاہئے۔ پہلے ان لوگوں سے مشورہ کرنا چاہئے کہ جو اس سرزمین سے واقف ہیں۔ ہمیں یہ معلوم کرنا چاہئے کہ کیا یروشلم کے محاصرہ سے یہ بہتر نہ ہوگا کہ پہلے ہم مصر، بیروت یا دمشق پر قبضہ کریں۔ ہمیں اس صورت میں آپس میں ایسی تفریق نہ ہوگی جیسی اب ہے۔ اگر پھر بھی تم پہلے یروشلم ہی جانا چاہتے ہو تو میں تمہارا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔ لیکن میں تمہاری قیادت نہیں کروں گا بلکہ تمہارے تابع کی حیثیت سے جاؤں گا۔''

فوج کی قیادت سے دست بردار ہونے کا بھی یہ عجیب طریقہ تھا۔ رچرڈ کے علاوہ پانچ Templars پانچ Hospitalers، پانچ فرانسیسی سردار اور پانچ مقامی عیسائی سردار ایک مشاورتی مجلس کے لئے علیحدہ چلے گئے۔ واپسی پر انہوں نے رائے دی کہ یروشلم کے بجائے فوراً مصر پر حملہ کیا جائے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس وقت صلیبی فوج کے نمائندے مچھلیوں کی طرح پانی سے باہر زمین پر پھڑ پھڑا رہے تھے۔ معقول فیصلہ کے فقدان سے اب صورت حال تمسخر کی حد کو پہنچ رہی تھی۔ ستم ظریفی یہ کہ فرانسیسی جو اس مہم میں متواتر رخنہ ڈال رہے تھے اب سب سے زیادہ احتجاجی شور وغل مچا رہے تھے۔ وہ آخر مصر فتح کرنے تو نہیں آئے تھے، انہوں نے صلیب پکڑ کر حلف اٹھایا تھا کہ وہ آقا کے مدفن کو کافروں سے پاک کریں گے۔ اس سے مصر کا کیا تعلق تھا۔ ایک نے کہا: ہم نے اس مقدس شہر کی خاطر وطن چھوڑا ہے ہم اسے آزاد کرائے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔ رچرڈ نے جواب دیا کہ شہر کے چاروں طرف پانی کے تمام ذرائع برباد کر دیئے گئے ہیں۔ ہم پانی کہاں سے لائیں گے؟ اس نے کہا، کیا پہلی صلیبی جنگ میں بھی اس مصیبت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا؟ کیا جب وہ دریائے اُردن سے پانی نہیں لائے تھے؟ ایک فرانسیسی نے کہا کہ ہم Teku'a کے چشمہ سے سیراب ہوں گے۔ رچرڈ نے پوچھا کہ ہم وہاں سے پانی کیسے لائیں تھے؟ اس نے جواب دیا کہ ہم

فوج کو دو حصوں میں تقسیم کریں گے۔ ایک حصہ پانی لینے جائے گا اور دوسرا شہر کا محاصرہ کئے رہے گا۔ رچرڈ نے کہا کہ جیسے ہی آدھی فوج پانی لینے جائے گی دشمن فوراً باہر نکل کر باقی آدھی فوج پر ٹوٹ پڑے گا اور عیسائیت کو تباہ کر دے گا۔ تاہم اس منہ در منہ مخالفت سے رچرڈ کا وقار اور اہمیت بہت گر گئی۔ بجائے Godfrey کے (پہلی جنگ کا ہیرو) وہ اب Judas (جس نے غداری کر کے حضرت عیسیٰ کو صلیب پر چڑھوانے میں مدد کی تھی) بلکہ اس سے بھی بدتر فرانس کا شاہ فلپ بن گیا تھا۔ اس کے الفاظ بجائے فرمان کے خوشامد معلوم ہو رہے تھے۔ اس نے سوچا کہ شاید اب رشوت سے ہی کام بنے۔ اس نے کہا: اگر فرانسیسی مصر پر حملہ کے لئے راضی ہوں تو وہ اُنہیں اپنا Acre کا سمندری بیڑہ معہ تمام ساز و سامان اور ہتھیاروں کے دے دے گا۔ جہاز رسد لے جائیں گے اور فوج ساحلی علاقہ سے بحفاظت روانہ ہو سکے گی۔ نیز یہ کہ وہ اپنے ذاتی خرچ پر سات سو سوار اور دو ہزار پیدل دے گا۔ اگر کسی کو اس میں شک ہے تو وہ خود بھی ان کے ہمراہ جائے گا۔

جب فوج میں یروشلم چھوڑنے کی خبر ملی تو وہاں کہرام مچ گیا اور لوگ خود کو سزا دینے کے طور پر زمین پر لوٹنے لگے اور اس دن پر لعنت بھیجنے لگے کہ جب اُنہوں نے اس مہم میں شرکت کی تھی۔ پھر ان کا غصہ اپنے بادشاہ پر ہوا۔ جب بیت نوبہ کو انہوں نے پہلی دفعہ چھوڑا تھا تب بھی وہ بہت غصہ ہوئے تھے مگر اس باران کا غصہ بہت زیادہ تھا۔ کم از کم بیت نوبہ میں تو بارشوں اور دلدل نے یروشلم پر حملہ کو ناممکن بنا دیا تھا۔ لیکن اب؟ فوج کے دستوں میں جھگڑے شروع ہو گئے۔ فرانسیسیوں نے تو بالخصوص رچرڈ کو نشانہ بنایا اور اب کھلم کھلا باقی فوج سے علیحدہ رہنے لگے۔ برگنڈی کے حاکم Hugh نے رچرڈ کی ہجو میں ایک گیت بنایا جس میں خوب اس کا مذاق اُڑایا اور نہ صرف اس کی قیادت بلکہ اس کی مردانگی پر بھی حملے کئے۔ سپاہیوں میں یہ گیت بڑا مقبول ہوا اور جلد ہی رچرڈ کے کان تک بھی پہنچا جسے سن کر اسے کوئی لطف نہیں آیا۔ انتقاماً اس نے بھی Hugh کے خلاف ایک گیت پیش کیا۔ اس کے کاتب کے لکھنے کے مطابق ''اس میں بھی مواد

کی کمی نہ تھی۔" اب فوج باہمی اختلافات اور برا بھلا کہنے تک گرگئی تھی۔ بہر حال ایک شاعر کو اس کی کیا پروا کہ خطا کس کی ہے۔ فوج کا ایک شاعر تو صرف Hebron کے قدیم شاہ بلوط کی طرف ہی پرواز خیال کرتا رہا۔ اس شاہ بلوط کو حضرت ابراہیم کا درخت کہا جاتا تھا، چونکہ یہ اتنا پرانا تھا جیسے کہ خود دنیا، اور تقریباً مردہ ہو چکا تھا۔ ارض مقدس کے عیسائیوں کا ایمان تھا کہ جس دن حضرت عیسیٰ کو صلیب پر چڑھایا گیا تھا اسی دن سے یہ درخت خشک ہو گیا۔ ان تمام صدیوں میں صرف اس کے تنے میں ہی کچھ جان باقی تھی۔ عیسائی مجاہدین کو یہ یقین تھا کہ جب عیسائی ارض مقدس کو آزاد کرائیں گے تو یہ درخت پھر سرسبز و شاداب ہو جائے گا۔ ۶/ جولائی کو Hattin کی جنگ کی تباہی کے پورے پانچ سال بعد صلیبی لشکر دوبارہ بیت نوبہ کو چھوڑ کر کوچ کر گیا۔ اس وقت شاعر کو یہ محسوس ہوا جیسے کہ اس قدیم شاہ بلوط کی آخری ہچکی نکل رہی ہو۔

سرداروں سے خطاب کرتے ہوئے رچرڈ نے صلیبی مہم کی ناکامی کا اعتراف کیا تھا اور یہ شکایت کی تھی کہ صلاح الدین صلیبی فوج کے قدم اٹھانے سے پہلے ہی ان کی تمام چالوں سے باخبر ہو جاتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ سلطان کا مخبران کی فوج کی اعلیٰ سطح پر موجود تھا۔ صلیبی فوج کے بیت نوبہ سے کوچ کرنے کے ایک ہی دن بعد اسے یہ اطلاع مل گئی تھی۔ نہ صرف یہ کہ ان کی مجلس شوریٰ میں کیا طے کیا گیا تھا بلکہ اسے یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ یہ فیصلہ کیسے کیا گیا اور اس سلسلے میں کس کی کیا رائے تھی۔ یہاں تک کہ ان کے سرداروں کی باہمی نااتفاقی کے مکالمات بھی لفظ بہ لفظ اسے پہنچا دیئے گئے تھے۔ جونہی مسلمان لشکر کی صفوں میں صلیبی فوج کے پیچھے ہٹنے کی خبر ملی اور انہوں نے افسردہ عیسائیوں کو Ramalla کی طرف مارچ کرتے دیکھا تو ان میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ خود صلاح الدین بھی اس منظر کو دیکھنے نکلا مگر پھر بھی وہ پوری طرح خوش نہ ہو سکا کیونکہ اسے اب مصر پر حملے کا بھی اتنا ہی اندیشہ تھا جتنا کہ یروشلم پر۔ اس نے جلدی ہی Henry of Champagne کے ایلچی کو طلب کیا جس نے ایک ایسا جسارت کا پیغام پیش کیا جس کی

توقع ایسے مخالف سے نہیں کی جا سکتی کہ جو میدان چھوڑ کر کھسک رہا ہو۔ ہنری نے لکھا تھا: انگلستان کے بادشاہ نے تمام ساحلی علاقے مجھے عطا کر دیئے ہیں جو اب میرے قبضے میں ہیں۔ اگر آپ میری باقی زمینیں بھی مجھے واپس کر دیں تو میں صلح کر لوں گا اور آپ کی اولاد کی طرح بن جاؤں گا۔“ اس گستاخی پر سلطان غصہ میں بھر گیا اور اس نے ایلچی کو نظروں سے دور ہو جانے کا حکم دیا۔ لیکن وہ پھر بھی اپنی ضد پر قائم رہا اور اس نے کہا: ”ہمارا سردار یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ آپ ہمارا کتنا ملک واپس کرنے کو تیار ہیں؟“ سلطان نے ڈانٹ کر کہا کہ ایک فاتح فتح کردہ علاقہ واپس نہیں کیا کرتا۔ تاہم ایک دن بعد جب اس کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو اس نے سفیر کو پھر طلب کیا اور اسے یہ پیغام دیا: ”ہنری سے ہمارے مذاکرات صرف Acre اور Tyre تک ہی محدود رہیں گے جن کی بنیاد ان مذاکرات پر ہوگی جو ہمارے اور Conrad of Mantferat کے درمیان اس کے قتل سے پہلے طے ہوئے تھے۔ ہم ہنری سے بہ حیثیت Acre کے سردار کے صلح کریں گے چونکہ اُس وقت ہم یہ شہر کونراڈ کے حوالے کرنے پر راضی ہو گئے تھے۔ جہاں تک باقی علاقوں کا تعلق ہے تو ہم اس سلسلے میں صرف شاہِ انگلستان سے ہی مذاکرات کریں گے۔“

چند روز بعد جبکہ صلیبی فوج Jaffa سے Ramalla کی طرف روانہ ہو چکی تھی سلطان کا اپنا سفیر حاجی یوسف صاحب المشتوب رچرڈ کے دربار سے واپس آیا۔ رچرڈ نے اپنی واپسی کے دوران میں اسے نابلوس سے طلب کیا تھا تاکہ وہ صلاح الدین کو صلح کی ایک اور تجویز پیش کرے۔ اس نے سفیر کے ہمراہ اپنے دو معتبر افسر بھی ساتھ کئے تھے تاکہ وہ صحیح پیغام پہنچائے۔ رچرڈ کا پیغام یوں تھا: ”اپنے آقا سے کہو کہ ہم دونوں اس طرح زیادہ نہیں لڑ سکتے، بہتر یہ ہوگا کہ ہم اس خوں ریزی کو بند کریں۔ مگر یہ مت سمجھنا کہ میں کمزور ہوں اس لئے ایسا کہہ رہا ہوں۔ یہ بات ہمارے مشترکہ حق میں ہے۔ میرے اور سلطان کے مابین دیانت داری سے سمجھوتہ کراؤ اور میری واپسی سے غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو۔ آخر ایک مینڈھا ٹکر مارنے سے پہلے پیچھے ہی ہٹتا ہے۔“ صلاح الدین بہادری کے اس دعوے سے ضرور محظوظ ہوا ہوگا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ یہ مینڈھا دن بدن

لاغر ہوتا جا رہا تھا اور کافی دن تک ٹکر مارنے کے قابل نہیں ہوگا۔ اسے صلیبی لشکر کے اختلافات کا بخوبی علم تھا۔

تین دن بعد رچرڈ نے Acre پہنچ کر ایک اور پیغام بھیجا: ''مجھے آپ کی خیر سگالی مقصود ہے اور دوستی کی تمنا ہے۔ میں فرعون کی طرح اس ملک پر حکمرانی کا خواہش مند نہیں ہوں اور سمجھتا ہوں کہ آپ کی بھی یہ خواہش نہیں ہے۔ نہ ہی آپ کو یہ زیب دیتا ہے کہ آپ تمام مسلمانوں کو ہلاک ہونے دیں اور نہ ہی میں چاہتا ہوں کہ سارے فرنگی مارے جائیں۔ میں نے اپنی بہن کے لڑکے کاؤنٹ ہنری کو سارے علاقے سپرد کر دیئے ہیں۔ میں اسے اس کے تمام لشکر سمیت آپ کے حوالے کرتا ہوں۔ اگر آپ اسے کسی مشرقی مہم کے لئے مدعو کریں تو وہ بخوشی تیار ہو جائے گا۔ کئی موقعوں پر جب ہمارے راہب آپ کی خدمت میں کسی چرچ کے سلسلے میں کوئی درخواست لے کر حاضر ہوئے ہیں تو آپ نے کبھی تنگ دلی کا مظاہرہ نہیں کیا ہے۔ اب میں آپ سے یہ التجا کرتا ہوں کہ آپ مجھے مرقد مقدس عطا کر دیں۔ میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اس سے قبل ملک العادل کے ساتھ مذاکرات کے دوران میرے منہ سے جو بھی ناخوشگوار کلمات نکلے ہوں میں ان سب کو واپس لیتا ہوں اور آئندہ کبھی ایسا تصور بھی نہیں کروں گا۔ کیا پھر بھی آپ مجھے ایک بنجر قطعہ اراضی اس کے مقدس کھنڈر کے ساتھ نہیں دیں گے؟''

یروشلم کے مرکز میں ایک معمولی گرجا گھر کے لئے اس چھوٹی سی درخواست نے صلاح الدین کے دل کو پسیج دیا۔ یہ درخواست رچرڈ کی اس گزشتہ درخواست سے بہت مختلف تھی جس میں اس نے نہایت تکبر سے دریائے اُردن کی تمام علاقائی زمینوں کا مطالبہ کیا تھا۔ اب ان مذاکرات میں اس کا ہاتھ زیادہ قوی تھا اور اب وہ اپنی دریا دلی کا مظاہرہ کر سکتا تھا۔ نیز یہ کہ فرمانِ الٰہی کا پاس کرنا بھی لازمی تھا جس میں اہلِ ایمان کو دشمن کی برائے امن مخلصانہ کوششوں کا خندہ پیشانی سے خیر مقدم کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے۔ قرآن مجید کی سورۃ ۸ آیت ۶۱ میں آیا ہے: ''اگر دشمن صلح کی جانب مائل ہو تو تُو بھی امن کی جانب مائل ہو اور اللہ پر بھروسہ کر کیونکہ وہ سب سننے اور جاننے والا

ہے۔''اار جولائی کو صلاح الدین نے رچرڈ کو جواب دیا'' کاؤنٹ ہنری میرے بیٹے کی طرح ہوگا اور مرقد مقدس آپ کو دے دیا جائے گا۔ باقی ہم آپس میں تقسیم کر لیں گے۔ آپ کو ساحلی اور میدانی علاقے ملیں گے اور ہم ان تمام پہاڑی قلعوں کو رکھیں گے جو اس وقت ہمارے قبضہ میں ہیں۔ Ascalon کو مسمار کر دیا جائے گا لیکن ہم اس کے تمام علاقوں کو آپ کے قبضہ میں رہنے دیں گے۔'' اس پیغام کے ملنے پر رچرڈ کے رویئے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جانبین کسی قدر قریب ہوتے جا رہے تھے۔ اس نے تحفۃً سلطان کو دو اعلیٰ قسم کے شاہین بھیجے اور لکھا کہ وہ سلطان کی پیش کردہ شرائط کا ممنون ہے مگر چاہتا ہے کہ اسے یروشلم کے قلعہ میں بیس Hospitaler راہبوں کو تعینات کرنے کا حق دیا جائے۔ ۱۳ر جولائی کو صلاح الدین نے بے کم و کاست ایک مختصر سا جواب دیا: ''آپ کو زائرین کے علاوہ شہر میں کوئی حق نہیں دیا جائے گا۔ Ascalon منہدم کرنا پڑے گا مگر اس کی دفاعی تعمیرات کے اخراجات کے معاوضہ میں آپ اس کے ارد گرد کا علاقہ لے سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ درم (DARUM) بھی منہدم کرنا پڑے گا لیکن آپ کو Jaffa سے Tyre تک تمام قلعے اور ساحلی علاقے دے دیئے جائیں گے۔''

اب یہ مسئلہ ناقابل حل بن گیا جس کا نام Ascalon تھا۔ صلاح الدین کے لئے یہ ناممکن تھا کہ یہ قلعہ عیسائیوں کے قبضہ میں رہے کیونکہ اس سے اس کی سلطنت کے دو حصوں میں خلل واقع ہوتا۔ عربوں کی گزشتہ اسّی سالہ تاریخ جس میں بیس سال صلاح الدین کی حکومت کے بھی شامل ہیں، مصر اور ملک شام کو متحد کرنے کی کوششوں میں گزری ہے اور صلاح الدین ذاتی طور پر انہیں متحد کرنے میں کامیاب ہوا تھا جسے اس کی کامیابی کا تاج کہا جا سکتا ہے اور اسی بناء پر صلیبی سلطنت محدود ہو کر خطرناک بن گئی تھی۔ Ascalon اس زنجیر کی اہم کڑی تھی اور عیسائیوں کے ہاتھ میں عربوں کے بمشکل حاصل کردہ اتحاد کی کڑی ٹوٹ جائے گی۔ اُدھر رچرڈ کے نقطۂ نظر سے بیت نوبہ سے پہلی بار ہٹنے پر Ascalon کی دوبارہ تعمیر کی بدولت اس کی فوج کی ہمتیں بلند ہو گئی تھیں۔ اس کے سپاہیوں نے چھ مہینہ کی جانفشانی سے اس کی تعمیر میں خون پسینہ

ایک کر دیا تھا۔ اس شہر کے مینار ایک بار پھر فخر سے سمندر سے آنے والے مسافروں کو اپنی موجودگی کا احساس دلا رہے تھے۔ درحقیقت Ascalon اور Darum عیسائیوں کے قبضہ میں آنے سے دونوں فریقوں کی طاقتوں میں توازن برقرار رہ سکتا تھا اور انگلستان کے بادشاہ کی بقاء کا معقول امکان ہو سکتا تھا۔ ۱۶ر جولائی کو رچرڈ نے اس کا گول مول جواب دیا۔ گویا وہ صورت حال نہیں سمجھ سکا تھا۔ ''اگر عیسائی مقدس شہر کے صرف ایک چرچ پر قانع ہوں تو ان کے لئے تین مزید قلعوں کو مانگنا کچھ زیادتی نہیں ہوگی۔ لہٰذا Darum سے Antioch تک جو کچھ بھی ان کے قبضہ میں ہے اسے رہنے دیں۔'' سلطان نے پھر مختصر سا جواب دیا: '' Antioch کے لوگ ہم سے خود بات کر سکتے ہیں۔ ان مذاکرات میں ان کا شمار نہیں ہے۔ جن شہروں کو آپ مانگ رہے ہیں وہ آپ کو نہیں دیئے جا سکتے البتہ Ascalon کی تعمیرات کے سلسلہ میں آپ کی کوششوں اور اخراجات کے معاوضہ میں آپ Lydda لے سکتے ہیں۔''

یہ شہر Ramalla کے جنوب مشرق میں واقع تھا جہاں سینٹ جارج کا چرچ ہوا کرتا تھا جسے صلاح الدین نے مسمار کرا دیا تھا۔ لہٰذا اب اگر رچرڈ چاہے تو اسے بجائے مورچہ بنانے کے وہاں پھر چرچ تعمیر کرا سکتا ہے۔ ۲۰ر جولائی کو رچرڈ نے بھی اپنے مخصوص انداز میں اس کا مختصر سا جواب دیا: ''ہم Ascalon کا ایک پتھر بھی نہیں ہٹائیں گے۔'' اس توہین پر صلاح الدین پھر جنگ کی تیاریاں کرنے لگا۔

JAFFA: جنگ کا توازن اب مسلمانوں کے حق میں ہو گیا تھا۔ صلاح الدین کی طاقت، مصمم ارادے اور اعلیٰ فوجی مخبری نے اسے غیر متوقع طور پر بہت طاقتور کر دیا تھا۔ اُدھر صلیبی غیر منظم طور پر باہمی اختلافات کے درمیان پسپا ہو رہے تھے۔ رچرڈ اور فرانسیسی سرداروں کے اختلافات کی بناء پر وہ دو مختلف سمتوں کو روانہ ہو رہے تھے۔ اب مینڈھے نے سینگ اور ٹکر مارنے کی طاقت کھو دی تھی۔ سلطان کو مخبروں نے اطلاع دی کہ اس وقت Jaffa میں صرف کچھ بیمار اور تھکے ہارے سپاہی رہ گئے ہیں اور صلیبی لشکر کا خاص حصہ رچرڈ کے ساتھ Acre روانہ ہو گیا

ہے۔ سب سے اہم ایک اور خبر Acre سے آئی جس سے معلوم ہوا کہ رچرڈ اپنی عاقبت نااندیشی کی بدولت ایک جہاز بھر کر اپنی فوج کو جانب شمال بیروت پر حملہ کرنے لے گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ضرورت کے موقع پر واپسی کے لئے اسے کم از کم چار دن لگیں گے۔ اس سے حملہ کے لئے سلطان کا راستہ صاف ہو گیا۔ جولائی کے آخر تک اس کے لشکر کے خاص دستے اور اہم سردار سلطنت کے دور دراز کونوں سے یروشلم کے دفاع کے لئے واپس آ گئے تھے۔ واقعی فوج کی صفیں تازہ بھرتی ہونے والے جوشیلوں سے بھر گئی تھیں۔ گویا کہ اب مسلمان دشمن کو مکمل طور پر موت کے گھاٹ اُتارنے کے لئے آگے بڑھ رہے تھے۔ ۲۶/ جولائی کو اس کا لشکر Jaffa کی فصیلوں کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ سلطان کا خیال تھا کہ وہ شہر جلد ہی جھپٹ لے گا کیونکہ اس کی اطلاع کے مطابق وہاں صرف پانچ ہزار سپاہی نام نہاد طور پر دفاع کے لئے تعینات کئے گئے تھے اور وہ بھی تھکے ماندے اور بیمار تھے۔ لشکر کے بائیں بازو کی کمان اس کے بھائی ملک العادل اور دائیں بازو کی کمان اس کے بیٹے ملک الظاہر کے ہاتھ میں تھی۔ اس طرح شہر کو گھیر کر حملہ شروع ہوا۔ سلطان کو توقع تھی، وہ اسے ایک ہی دن میں لے لے گا لیکن اسے بڑا تعجب ہوا کہ مدافعین نے نہایت سختی سے دفاع کیا۔ لہٰذا سنگ بار گوپھنیں اور دیگر محاصرے کی مشینیں آگے بڑھائی گئیں اور اطراف کی پہاڑیوں سے پتھر لانے کے لئے قلی بھیجے گئے۔ تین دن بعد فوجی انجینئروں اور توپچیوں کی مشترکہ کوششوں سے شہر کی بیرونی فصیل میں شگاف ہو گیا، لیکن جونہی دیوار کا ایک حصہ گرا صلیبیوں نے اس کے سامنے آگ کا الاؤ لگا دیا جس کو پھاندنا مسلمانوں کے لئے ناممکن ہو گیا۔ شہر کے دفاع کے سردار کا نام Alberi تھا۔ ابتداء اس نے شجاعت کا اعلیٰ مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ درحقیقت دیوار کے گرتے ہی اس نے بھاگ کر ایک چھوٹی کشتی کے ذریعہ جان بچانے کی کوشش کی لیکن اس کے ساتھیوں نے اسے پکڑ لیا اور وہ اسے زنجیروں میں جکڑ کر واپس لائے۔ واپس ہوتے ہی اس نے قلعہ کے مینار پر سے نیچے مسلمانوں پر نظر ڈالی اور نہایت ڈرامائی انداز میں نعرہ مارا: ''آج یہاں ہم خدا کی خدمت میں جان قربان کر دیں گے۔'' بعد میں ایک مورخ

نے بڑے طنز سے اس پر لکھا ہے کہ اس کے علاوہ اُس کے پاس اور تھا بھی کیا۔ اب وقت بہت قیمتی تھا۔ حسب معمول رچرڈ نے بیروت کی مہم چھوڑ دی اور جلدی سے مدد کے لئے جنوب کو واپس ہوا۔ سلطان نے ہر چند اپنے کردوں کو جوش دلایا کہ وہ ''شیر دل'' کے آنے سے پہلے شہر فتح کر لیں، لیکن وہ قطعاً نڈھال ہو چکے تھے اور اس بہادرانہ کارنامے کے قابل نہیں تھے۔ اس اثناء میں مدافعین نے تاخیر کی کوشش کی۔ اب دفاع کی کمان Bethlehem کے سابق بشپ اور نئے منتخب اعلیٰ پادری کے ہاتھ میں تھی اور بقول ایک مورخ کے اس شخص کو نہ تو موت کا خوف تھا اور نہ کسی خطرے کا ڈر۔ علاوہ ازیں وہ نہایت ہوشیار بھی تھا۔ اس نے بڑی عاجزی سے صلاح الدین کی خدمت میں قاصد بھیجے کہ وہ شہر اس کو سپرد کرنے کو تیار ہے بشرطیکہ قیدیوں کا تبادلہ کیا جائے اور یروشلم کے ہتھیار ڈالنے کی طرح یہاں بھی فی مرد دس، فی زن پانچ اور فی طفل تین طلائی سکہ ادا کئے جائیں گے۔ صلاح الدین نے یہ شرائط رد کر دیں جس سے بعد میں اسے پشیمانی ہوئی کیونکہ قاصدوں کی اس آمد و رفت اور بحث و مباحثہ میں کافی وقت ضائع ہوا نیز یہ کہ اس کے سپاہیوں کی ہمت اور ارادے بھی متزلزل ہو گئے۔ اب یہ محاصرہ اور بھی کمزور ہو گیا۔ تاہم محاصرے کے پانچ دن بعد ہی شہر کا مشرقی دروازہ جس کا رخ یروشلم کی طرف تھا کھنڈر ہو گیا اور جا بجا دست بدست جنگ ہونے لگی اور مدافعین شہر کے مرکز میں ایک چھوٹے سے قلعہ کی جانب دھکیلے جانے لگے۔ اعلیٰ پادری نے پھر ہتھیار ڈالنے کے مذاکرات شروع کئے اور اس دفعہ اس نے اپنی پیش کش میں مزید چاشنی ملائی۔ اس نے کہا کہ وہ صلح کی صورت میں ایک اہم شخصیت کو بھی پیش کرے گا۔ اب بار سلطان راضی ہو گیا اور قیدی اس کے حضور میں پیش کئے گئے جن میں سب سے آگے بدنصیب Alberi تھا۔ مدافعین اس امید میں کہ رچرڈ بروقت ان کی مدد کو پہنچ جائے گا قلعہ بند ہو گئے لیکن پھر بھی وہ شہادت کے لئے تیار تھے۔ اس دوران مسلمان سپاہی شہر میں گھس آئے اور انہوں نے خوب لوٹ مار کا لطف اٹھایا۔ صلاح الدین اُنہیں کسی طرح قابو میں نہیں کر سکا کیونکہ شہر پر قبضہ کرنے کے بعد وہ اتنی دیر تک مایوس رہے تھے۔ لیکن سلطان نے اپنے بہترین کرد شہر کے

دروازوں پر تعینات کردیئے جنہوں نے باہر نکلتے وقت تمام سپاہیوں کی تلاشی لی اور سارا مال غنیمت وہیں رکھوالیا۔ محاصرے کے چھ دن بعد وہ دن تھا جسے عیسائی سینٹ پیٹر پابہ زنجیر کا دن کہتے ہیں۔ اسی دن علی الصبح اُفق پر ۳۵ جنگی کشتیاں نظر آئیں۔ رچرڈ اپنی شاہی کشتی Trenchemere پر موجود تھا۔ کشتی کا رنگ سرخ تھا اور اس کے بادبان بھی سرخ تھے جن پر اس کا نشان لہرا رہا تھا جس پر تین شیر بنے ہوئے تھے جن کا پس منظر بھی نہایت خوشنما اور امید افزاء تھا۔ ان کشتیوں پر چوٹی کے Templars, Hospitalers اور Pisa اور Genoa کے جانباز سوار تھے۔ رچرڈ مخالف ہواؤں سے مجبور ہو کر Haifa میں رک گیا تھا اور اب وہ دو دن دیر سے پہنچ سکا۔ اس نے مایوسی سے آسمان کی طرف منہ اٹھا کر نعرہ مارا تھا ''اے آقا تو مجھے کیوں پکڑ رہا ہے جبکہ میں تیری خدمت ہی کے لئے جا رہا ہوں۔ رحم فرما۔'' اگر یہی آقا کی سمجھ میں نہ آنے والی مرضی تھی تو وہ معاملہ کو مشکل تر بنا رہا تھا۔ اسی دوران Hospitalers اور Templars کا ایک اور دستہ Jaffa کی مدد کے لئے بڑی راستہ سے روانہ ہو گیا تھا۔ لیکن صلاح الدین اور حشیشین (Assassins) کے ایک مشترکہ دستے نے Caesarea اور Arsuf کے درمیان ان کا راستہ بند کر دیا تھا۔ اس سنیچر کے روز قیدیوں کی رہائی کی رقمیں ادا کی جا رہی تھیں اور تقریباً ۵۰ سردار اپنی رقمیں دے کر آزاد بھی ہو گئے تھے لیکن جب بگلوں کی آواز قلعہ میں سنائی دی اور لوگ بھاگ کر دیواروں پر پہنچے تو انہیں دور سے بادشاہ کے جہاز کے سرخ بادبان نظر آئے تب ان کی زبان سے بےساختہ Isaih کے الفاظ نکلے: ''وہ آقا سے ظالموں کی فریاد کریں گے اور وہ انہیں ایک بڑا محافظ بھیجے گا جو انہیں نجات دلائے گا۔'' فوراً ہتھیار ڈالنا بند ہو گئے اور دروازہ پھر مقفل کر دیا گیا۔ باقی مدافعین نے پھر زرہ پہنی اور قلعہ کے مینار پر چڑھ گئے۔ اس وقت صبح ہی صبح صلاح الدین عیسائی پادری سے ہتھیار ڈالنے کے سلسلے میں تفصیلات طے کر رہا تھا۔ بگل کی آواز سنتے ہی پادری کو برخاست کر دیا گیا اور سلطان نے فوجی کارروائی کی کمان پکڑی۔ ۳۵ کشتیوں کو اس نے ایک معمولی فوج خیال کیا۔ اس نے بہت سے غیر فوجی

مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ صلیبیوں کو ساحل پر نہ اُترنے دیں۔ عیسائیوں کی کشتیوں سے یہ غول نہایت پُرخطر نظر آ رہا تھا۔ یہ لوگ ساحل سمندر پر خس وخاشاک کی مانند ایسے بکھرے ہوئے نظر آ رہے تھے کہ تل رکھنے کی بھی جگہ نہیں تھی۔ ان کے تیراندازوں نے سمندر میں گھس کر تیروں کی ایسی بوچھاڑ کی کہ آسمان تاریک ہو گیا۔ ان کے پیچھے سوار مشکل سے ہی گھوڑوں کو قابو میں رکھ رہے تھے۔ ساتھ ہی یہ سب تہلیل وتوحید کے نعرے مار رہے تھے۔ رچرڈ کو یہ اندازہ نہیں ہو سکا کہ قلعہ فی الحال عیسائیوں کے قبضہ میں ہے یا نہیں کیونکہ وہاں دیواروں پر جابجا اسلامی پرچم لہرا رہے تھے۔ اگر قلعہ ان کے ہاتھ سے نکل چکا تھا تو فوراً حملے کا کوئی مقصد نہیں تھا۔ اس کے مشیر بھی یہ طے نہیں کر سکے کہ کیا قدم اُٹھایا جائے۔ اس افراتفری کے عالم میں یکا یک قلعہ کے مینار کی کافی بلندی سے ایک شخص نیچے کودا۔ گویا وہ مسیح علیہ السلام کو اپنی روح پیش کرنا چاہتا تھا۔ فوراً پانی میں گھس کر اندھادھند تیرتا ہوا وہ شاہی جہاز کی طرف پہنچا' جب پانی سے کھینچ کر اسے جہاز پر اُٹھایا گیا تو یہ قاصد ایک پادری نکلا۔ اس نے بمشکل کہا: ''حضور والا ہمارے بچے کھچے لوگ آپ کی آمد کے منتظر ہیں۔'' بادشاہ نے پوچھا: ''اے دوست کیا ابھی کچھ زندہ ہیں؟'' اس نے جواب دیا جیسا کہ مقدس صحیفہ میں آیا ہے: ''ہم بھیڑوں کی طرح ذبح ہو جائیں گے بشرطیکہ آپ ہمیں بچائیں۔'' ''کیا واقعی کچھ ابھی زندہ ہیں؟'' اس نے کہا ہاں وہ اُس مینار کے آخری کونے میں پھنسے ہوئے ہیں۔ بادشاہ نے نعرہ مارا: ''اے رب جس کی رہنمائی سے ہم وہاں آئے ہیں۔ ہم اپنے بہادروں کے ساتھ مر جائیں گے۔ اور لعنت ہو اس پر جواب ہچکچائے۔'' اور کشتیاں ساحل سمندر کی جانب آگے بڑھیں۔ بادشاہ سب سے پہلے پانی میں کودا۔ اس کے ایک ہاتھ میں کمان اور دوسرے میں تلوار تھی۔ اس کے ساتھی جوش وخروش سے اس کے ساتھ ہو گئے جیسے کہ Gibeah کے مقام پر Saul کے لوگ اس کے ساتھ تھے۔ ان کے دلوں میں خدا کی یاد تھی۔ رچرڈ جیسے قد آور اور شاندار جوان کے اس طرح آنے سے ایک ایسا خوفناک منظر پیش ہوا کہ دشمن ڈر کر پیچھے ہٹ گئے۔ اب کشت وخون شروع ہوا اور جلد ہی ان کے ساحل پر قدم جم گئے۔ فوراً ہی تختے وغیرہ لائے

گئے جن کی آڑ میں تیراندازوں نے اپنے مورچے بنائے۔ رچرڈ کو ایک زینہ مل گیا جو ساحل سے Templars کے مکان کو پہنچتا تھا اور وہ جلد ہی وہاں سے چند فوجی راہبوں کے ساتھ Jaffa کی گلیوں میں اُتر گیا۔ اور جیسے ہی ممکن ہوا انہوں نے شاہی جھنڈا قلعہ کی دیوار پر گاڑ دیا ایسے کہ اسے دور سے مینار میں بند عیسائی دیکھ سکیں۔ جب سلطان کو یہ معلوم ہوا کہ کتنی تیزی سے صلیبی جانباز ساحل سمندر پر جم گئے تھے اور اس کے سپاہیوں کیسے ڈر کر وہاں سے بھاگے تھے اور یہ کہ اب رچرڈ Jaffa کی گلیوں میں تھا اور مینار میں بند عیسائیوں کی مدد کو پہنچ رہا تھا جبکہ وہ سب باہر نکل کر رچرڈ سے ملنے کی کوشش کر رہے تھے تو اسے اس کا یقین نہیں آیا۔ اس نے کہا یہ سب کیسے ممکن ہو سکا؟ ان کے پاس کون سی بہترین طاقت ہے؟ ہمارے سوار اور پیدل تو ان سے کہیں زیادہ بہتر ہیں۔ اس صبح رچرڈ کے ساتھ صرف تین گھوڑے تھے اور اب ان کے پاس بارہ گھوڑے تھے جبکہ ان کے سامنے ساری اسلامی فوج سوار اور پیدل چاروں طرف بھاگ رہے تھے۔ سلطان کے امیر شرم سے اس کے سامنے سے ہٹ گئے۔ اس کے ایک مشیر نے کہا: ”اعلیٰ حضرت ایسا نہیں ہے جیسا آپ سمجھ رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کا شاندار بادشاہ اب بھی پکڑا جا سکتا ہے کیونکہ وہ اس وقت اپنے خیمہ میں تھکا ہارا لیٹا ہوا ہے۔“ اب وہ اتنا گر چکے تھے کہ ان کی صرف یہی امید باقی تھی کہ وہ کسی طرح رچرڈ کو پکڑ لیں۔ صلاح الدین نے غصہ اور حقارت سے پیٹھ موڑ لی۔

دو اسپ تازی: Jaffa کی فتح کے تین دن بعد رچرڈ نے شہر کے باہر اسی پہاڑی پر اپنے خیمے لگائے جہاں صلاح الدین نے اپنا دفاعی مورچہ بنایا تھا۔ وہاں سے اس نے شہر کی شکستہ دیواروں کی مرمت پر توجہ کی لیکن یہ درست ہے کہ وہ جنگ کی تھکان سے بالکل نڈھال ہو گیا تھا اور کچھ آرام کے لئے اوڑھ لپیٹ کر لیٹ گیا تھا۔ لیکن اس مختصر وقفے کے دوران بھی اس کے اور صلاح الدین کے مابین خط و کتابت ہوتی رہی۔ ان کے سفیر اس قدر تیزی سے آمد و رفت کر رہے تھے کہ یہ معلوم ہوتا تھا گویا وہ دونوں روبرو مذاکرات کر رہے ہوں۔ رچرڈ نے صلاح الدین کے

ایلچی سے پہلی ملاقات پر تو طنزیہ طور پر کہا: ''تمہارا سلطان تو اسلامی دنیا میں سب سے زیادہ طاقتور ہے۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ وہ Jaffa دو مہینوں میں بھی نہیں لے سکے گا مگر اس نے تو اسے پانچ دن میں ہی فتح کر لیا۔ پھر آخر میرے نمودار ہوتے ہی وہ غائب کیوں ہو گیا۔ بخدا میں نے تو جنگ شروع بھی نہیں کی تھی، میں تو ہنوز پانی میں چلنے کے بوٹ پہنے ہوئے تھا پھر آپ لوگ بھاگ کیوں گئے؟'' ظاہر ہے کہ آخر اس شرم ناک سوال کا جواب ہو بھی کیا سکتا تھا! اس گفتگو میں بادشاہ کو خاصا لطف آ رہا تھا اور اس نے بڑے شوق سے یہ سلسلہ جاری رکھا۔ ''سلطان کو میرا اسلام پہنچائیں اور کہیں کہ للہ مجھے صلح عطا کریں جیسا کہ میں درخواست کر رہا ہوں۔ ان حالات کا اب خاتمہ ہونا چاہئے۔ سمندر پار میرا ملک تباہ ہو رہا ہے۔ اس حالت کے جاری رہنے میں نہ تو آپ کا کوئی فائدہ ہے نہ میرا۔''

بتدریج ان کی گفتگو بجائے سنجیدہ مذاکرات کے اب مضحکہ خیز ہوتی جا رہی تھی۔ سلطان نے یوں جواب بھیجا: ''آپ نے چند شرائط کے ماتحت صلح کی درخواست کی تھی جن کی بنیاد Jaffa اور Ascalon پر تھی۔ اب Jaffa تو کھنڈر ہو گیا ہے لہٰذا آپ Tyre سے Caesarea تک کے تمام علاقے لے سکتے ہیں۔'' جواباً رچرڈ نے لکھا: ''فرنگیوں میں یہ دستور ہے کہ اگر کوئی بادشاہ کسی کو کوئی شہر عطا کرے تو وہ شخص اس بادشاہ کا مطیع و فرمانبردار بن جاتا ہے، اگر آپ مجھے Jaffa اور Ascalon دے دیں تو میری وہاں کی فوج ہمیشہ آپ کی تابع دار رہے گی اور اگر کبھی آپ کو میری خدمات کی ضرورت ہوئی تو میں بھی جلد از جلد حاضر ہو جاؤں گا۔ آپ جانتے ہی ہیں کہ میں آپ کی خدمت کے لائق ہوں۔''

اس مزاحیہ خط کا جواب صلاح الدین نے بھی اسی طرح پُر مزاح طور پر دیا: ''چونکہ آپ کو مجھ پر اتنا اعتماد ہے تو میری رائے یہ ہے کہ ہم ان شہروں کو آپس میں بانٹ لیں۔ Jaffa اور اس کے عقب کا سارا علاقہ آپ کا ہے اور Ascalon اور اس کے عقب کا سارا علاقہ میرا۔'' رچرڈ نے Jaffa کے سلسلے میں سلطان کا شکریہ ادا کیا لیکن پھر بھی Ascalon کے لئے بھی

ان ہی حقوق کو حاصل کرنے کے لئے مُصر رہا۔ اس نے وعدہ کیا کہ اگر آئندہ چھ روز میں صلح ہو جائے تو وہ یورپ واپس ہو جائے گا۔ اب صلاح الدین کو نیش زنی کا موقع مل گیا' اس نے لکھا'' Ascalon چھوڑ دینا ہمارے لئے قطعاً ناممکن ہے۔ بہر حال بادشاہ کے لئے موسم سرما یہاں گزارنا ناگزیر ہو جائے گا۔ اس کو خوب علم ہے کہ اگر وہ یہاں سے رخصت ہوتا ہے تو اس کا سارا فتح کردہ علاقہ یقیناً پھر ہمارے قبضے میں آ جائے گا۔ جو انشاء اللہ اس کے یہاں رہنے کے باوجود بھی ہمارے قبضے میں آئے گا۔ اگر بادشاہ اپنے وطن سے دو ماہ کے فاصلے پر دور رہنے کے باوجود جاڑے یہاں گزار سکتا ہے خصوصاً جبکہ وہ ہنوز جوان اور طاقتور ہے اور یہ دن عیش وعشرت میں گھر میں گزار سکتا ہے تو پھر مقابلتاً میرے لئے یہاں جاڑوں بلکہ گرمیوں میں بھی رہنا کتنا آسان ہوگا۔ میں اپنے وطن کی آغوش میں ہوں' میرے اہل وعیال ہر دم میرے ساتھ ہیں اور مجھے ضرورت کی ہر شئے میسر ہے۔ اس کے علاوہ یہ کہ میں اب بوڑھا ہو چکا ہوں اور مجھے مزید کسی عیش کی ضرورت نہیں۔ اس کا حصہ مجھے مل چکا ہے اور میں اب ان سب کو خیر باد کہہ چکا ہوں۔ میری فوج کے جو سپاہی جاڑوں میں میرے ساتھ ہیں گرمیوں میں ان کی جگہ دوسرے لے لیں گے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ میں جو کچھ بھی کر رہا ہوں وہ راہِ خدا میں ہے۔ میں اُس وقت تک اپنی کوششیں بند نہیں کروں گا جب تک کہ اللہ تعالیٰ اسے فتح عطا نہ کرے جسے وہ چاہے۔''

لیکن مذاکرات کے دوران میں بھی صلاح الدین مستقل حرکت ہی میں تھا۔ اس نے Jaffa کے جنوب مشرق میں بیت ذی جان نامی ایک صلیبی چوکی کو Ramalla پہنچنے سے قبل مسمار کرا دیا۔ پھر وہ Ramalla کی جانب آگے بڑھا تاکہ کوئی اور قدم اٹھائے۔ اسے مخبروں نے اطلاع دی کہ Jaffa میں رچرڈ کی مختصر فوج کی کمک کے لئے Acre سے ایک اور فوج آ رہی ہے۔ سلطان نے یہ طے کر لیا کہ اس کمک کو ہر قیمت پر روکنا ضروری ہے۔ اس نے کہا کہ دشمن پر اس وقت حملہ کرنا اس سے بہتر ہوگا کہ اس کی آمد کا انتظار کیا جائے اور پھر ایک شکست خوردہ لشکر کی طرح پہاڑوں میں بھاگ کر پناہ لی جائے۔ بجائے اس کے اب ہم ان کا پیچھا کریں

گے۔ اس کے سرداروں نے رائے دی کہ سب سے اچھا تو یہ ہوگا کہ اس وقت خلاف توقع طور پر رچرڈ پر حملہ کر کے اسے گرفتار کرلیا جائے۔ اسے یہ رائے نہایت معقول معلوم ہوئی۔ چنانچہ Ramalla میں سارا وزنی سامان چھوڑ کر فوج نے رات بھر مارچ کیا اور علی الصبح دشمن کو جالیا۔ وہاں اُس وقت صلیبی فوج کے شاہی خیمہ سمیت بارہ خیمے تھے اور سب Jaffa کے باہر اپنے خیموں میں سو رہے تھے۔ اسلامی لشکر خاموشی سے آگے بڑھا یہاں تک کہ وہ رچرڈ کے خیمہ تک آ گئے۔ اس وقت جیسا کہ ایک مؤرخ نے لکھا ہے خدا کی مہربانی سے دو مسلمان سرداروں میں جھگڑا شروع ہو گیا۔ ایک نے کہا کہ تم خیمہ میں گھس کر بادشاہ اور اس کے ساتھیوں کو پکڑو اور ہم یہاں گھوڑوں پر سوار بھاگنے والوں کا راستہ بند رکھتے ہیں۔ اس پر دوسرے نے جواب دیا کہ نہیں ہمارا عہدہ تم سے اُونچا ہے، ہم یہاں ہی گھوڑوں پر سوار رہیں گے تم پیدل اندر جاؤ اور انہیں گرفتار کرو۔ پیدل کی خدمت تمہارا کام ہے ہمارا نہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی خیمہ میں جانے کی جرأت نہیں کر رہا تھا جہاں ایک ایسا زبردست جنگ باز اور عربوں کا سب سے بڑا قاتل خوابیدہ تھا۔ ان کی گفتگو بلند آواز ہونے لگی جس کے شور سے لوگ جاگ گئے اور خطرے کی گھنٹی بج گئی۔ رچرڈ نے بھاگ کر جلدی سے زرہ بکتر پہنی اور ہر طرف اپنے سپاہیوں کو للکارنا شروع کر دیا اور فوراً ہی ایک ناقابلِ قیاس جنگی مشق اور تنظیم سے اس کے سپاہیوں نے ایک دفاعی مورچہ قائم کرلیا۔ اگلی صفوں کے پیادوں نے شانہ بشانہ کھڑے ہو کر نیزے دشمن کی طرف کر لئے جبکہ مسلمانوں کے ہزاروں سوار نیم تاریکی سے نکل کر ان پر جھپٹ پڑے۔ اگلی صفوں کے پیچھے رچرڈ کی فوج کے تیر انداز تھے جنہوں نے حملہ آوروں پر تیروں کی بارش کر دی۔ ان کے پیچھے اسّی شہسوار حملے کے لئے تیار کھڑے تھے البتہ ان کے پاس کم ہی جنگی گھوڑے تھے اور صرف ایک ہی خچر تھا۔ رچرڈ نے پچھلی صفوں میں دوڑ دوڑ کر سپاہیوں کو جوش دلایا۔ اس کے کاتبوں نے بعد میں ان تقریروں کو خوب بڑھا چڑھا کر لکھا ہے جو حقیقت سے زیادہ ہی ہیں۔ اس نے کہا: ''تقدیر کی مصیبتوں کو جھیلو۔ جواں مردیا تو فتح یاب ہوتے ہیں یا باعزت طریقے سے جانیں قربان کر دیتے ہیں۔ ہم مرنے سے پہلے دشمن

سے اپنی موت کا انتقام لے لیں گے۔ اب ہماری مشقتوں اور جنگ کا خاتمہ ہوگا۔ ہم بخوشی شہادت قبول کریں گے۔''

غالباً اس نے اسی طرح الفاظ استعمال کئے ہوں گے۔ حالانکہ حملہ آوروں کی بہ نسبت صلیبی فوج ایک چوتھائی ہی تھی مگر ان کے تیراندازوں نے دشمن کی صفوں میں تہلکہ مچا دیا۔ جیسا کہ صلاح الدین کچھ فاصلے پر ایک بلند مقام سے دیکھ ہی رہا تھا اس کے سپاہی صلیبیوں کے دفاعی حلقے کو توڑ نہیں سکے۔ جب عربوں کا ابتدائی حملہ ناکام رہا تو رچرڈ نے دس سواروں کے ساتھ دشمن کی صفیں توڑ کر قلب لشکر پر حملہ کر دیا۔ جیسا کہ ایک مؤرخ نے لکھا ہے ''اس وقت بادشاہ ایک دیو کی طرح میدان جنگ میں ہر جگہ موجود تھا اور خصوصاً اس مقام پر کہ جہاں ترکوں کے حملوں کا سب سے زیادہ دباؤ تھا۔'' لیکن ناقابل یقین طور پر وہ کسی طرح گھوڑے سے گر گیا۔ صلاح الدین کے ایک خادم نے نعرہ مارا: ''حضور دیکھئے وہ پیدل ہوگیا ہے۔'' صلاح الدین یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا' اس نے پُرسکون طریقے سے کہا: ''یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک بادشاہ اپنے لشکر میں پاپیادہ ہو۔ یہ تو ناممکن ہے۔'' اس نے مڑ کر اپنے بھائی ملک العادل کو حکم دیا: ''یہ دو عربی گھوڑے لو اور اسے جا کر دو اور اس سے کہو کہ میں نے یہ بھیجے ہیں تاکہ ایک ایسا اعلیٰ مرتبہ شخص ایک ایسے مقام پر اپنے ساتھیوں میں پیدل نہ ہو۔'' یہ واقعہ تیسری صلیبی جنگ میں شجاعت اور سخاوت کا تاج تھا۔ ملک العادل نے رچرڈ کو گھوڑے دیتے ہوئے کہا کہ یہ اس کی بہادری کا انعام ہے۔ اس نے صرف یہ درخواست کی کہ اگر وہ اس میدان جنگ سے زندہ نکل جائے تو اسے یاد رکھے۔ اس دوران میں جنگ جاری رہی اور اندرون شہر تک پھیل گئی۔ رچرڈ کی زرہ میں اتنے تیر لٹک رہے تھے کہ وہ سیہی معلوم ہو رہا تھا۔ ایک دفعہ تو وہ چاروں طرف سے گھر چکا تھا مگر پھر بھی وہ مقتول دشمنوں کے ڈھیر سے زندہ نکل گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ مافوق البشر بن گیا تھا اور بقول Deuteronomy ''میں اپنے تیروں کو خون پلاؤں گا اور میری شمشیر ان کا گوشت کھائے گی اور دشمن کے خون اور اس کے قیدیوں سے میرے انتقام کی ابتداء ہوگی۔'' ایک بار ایک عرب سردار نے جو ایک شاندار زین سے مرصع ایک

اعلیٰ گھوڑے پر سوار تھا رچرڈ کی غیر معمولی جنگی صلاحیت سے بیزار ہو کر اس پر حملہ کر دیا لیکن نہ صرف اس کا سر بلکہ اس کا داہنا شانہ تک کٹ کر گر گیا اور مسلمان یہ منظر دیکھ کر ہیبت زدہ ہو گئے۔ اور جوں جوں وقت گزرتا گیا ان پر رچرڈ کا خوف بڑھتا گیا۔ اس وقت رچرڈ ایک ہلاکت خیز مشین بن گیا تھا۔ آخر وہ شیر دل تھا اور جیسا کہ کہا جاتا ہے شیر سب سے زیادہ طاقتور درندہ ہے اور وہ ہرگز مقابلے سے منہ نہیں موڑتا۔ رات آنے پر جنگ ہلکی ہو گئی۔ کہتے ہیں کہ اس معرکے میں مسلمانوں کے سات سو مرد اور پندرہ سو گھوڑے ہلاک ہوئے جبکہ عیسائیوں کے صرف دو آدمی مارے گئے اور کچھ زخمی ہوئے۔ اس بارے میں صلاح الدین کا کاتب بہاء الدین حقارت اور تعریف کے امتزاج سے یوں لکھتا ہے: ''اس وقت انگلستان کا بادشاہ نیزہ ہاتھ میں لئے فوج کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک دوڑا مگر ہمارے کسی جانباز نے بھی اسے روکنے کی جرأت نہ کی۔''

یہ تیسری صلیبی جنگ کا آخری معرکہ تھا جو صلاح الدین کی فراخ دلی اور اس کا دشمن کا احترام کرنا اور ادھر میدان جنگ میں رچرڈ کی بہادری کے کارناموں کا شاہکار ہے۔ Jaffa کی جنگ کے بعد رچرڈ تھکن اور میدان جنگ کی بدبو سے قطعاً نڈھال ہو کر بیمار ہو گیا۔ کئی دن تک شدید جاڑے بخار سے اس کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ ڈاکٹروں نے غیر معمولی دماغی اور جسمانی مشقت اس کی وجہ قرار دی اور بتایا کہ اس سے کم لوگ ہی بچتے ہیں۔ اس حالت میں وہ تنہا ہی نہ تھا۔ ساری فضا پر موت کا تعفن اور وبا پھیلنے کا خوف ایسا چھایا ہوا تھا کہ بیسیوں لوگ مر رہے تھے۔ بقول ایک مؤرخ کے ''اگر صلاح الدین کو رچرڈ کی موت کی خبر مل گئی تو وہ فرانسیسیوں پر گائے کے گوبر کی بوچھاڑ کر دے گا اور شراب کے شوقین انگریزوں کو اتنی شراب عطا کرے گا کہ وہ نشے سے کانپ جائیں گے۔'' اب اگر دشمن حملہ کر دے تو نہ صرف یہ کہ بادشاہ ہی کوئی مدافعت کر سکے گا بلکہ Acre میں موجود فرانسیسیوں نے بھی Jaffa پہنچ کر اس کی مدد سے انکار کر دیا تھا۔ بہرحال صلاح الدین کو اس صورت حال کا جلد ہی پتہ ہو گیا۔ اس نے کسی بہانے سے اپنے معتمد خاص ابوبکر کو بحیثیت سفیر کے رچرڈ کی جانب روانہ کیا۔ رچرڈ یہ نہیں چاہتا تھا کہ سلطان کا سفیر شہر کی شکستہ حالی کو

دیکھئے اس لئے وہ اس سے ملنے شہر کی فصیل سے باہر آیا لیکن وہ سرتاپا مردہ معلوم ہو رہا تھا۔ ناگزیر طور پر ان کی گفتگو صلح کی جانب رجوع ہوئی۔ رچرڈ نے کہا: ”میں تو صلح کے لئے بیتاب تھا، میں کب تک اس سلسلے میں پیش قدمی کرتا رہوں گا۔ اب جاڑے آ گئے ہیں اور بارشیں شروع ہو گئی ہیں اس لئے میں نے یہاں ہی رکنے کا فیصلہ کر لیا ہے لہٰذا اب ہمارے مابین اس کے طے ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“ ابوبکر یہ بے معنی دھمکی لے کر واپس ہوا جہاں اس نے سلطان کو رچرڈ کی زبوں حالی کی بھی بالتفصیل اطلاع دی۔ سلطان نے فوراً اپنے امیروں کو طلب کیا۔ اس نے کہا کہ انگلستان کا بادشاہ سخت بیمار ہے اور فرانسیسی یقیناً اپنے ملک کو واپس چلے جائیں گے۔ اب اس وقت جبکہ دشمن منشائے ایزدی سے زیر ہو گیا ہے اور اس کے تمام ذرائع ختم ہو چکے ہیں تو ہمیں Jaffa پر حملہ کر کے قبضہ کر لینا چاہئے اس غیر متوقع حملے سے ہمیں کامیابی کی توقع ہے۔ یا پھر ہم رات بھر مارچ کر کے Ascalon پر حملہ کر دیں، اگر ہمتیں نہ ٹوٹیں تو ہم یقیناً اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔ ہم جہاد کے عادی ہیں اور اسی کے ذریعے سے ہم اپنی منزلِ مقصود کو پہنچے ہیں۔ حسبِ دستور اس کی تجویز کی خوب تعریف کی گئی۔ آخر ایک امیر کسی قدر جھجک کر بولا: ”جیسا حضور نے فرمایا ہے بالکل درست ہے۔ اور صرف آپ ہی صحیح فیصلہ کرنے کے قابل ہیں۔ اس لئے آپ کو وہی کرنا چاہئے جو آپ مناسب سمجھیں، جو کچھ آپ طے کرتے ہیں وہی قائم رہتا ہے اور جو بھی آپ قائم کر دیتے ہیں وہ برقرار رہتا ہے۔ آپ جو بھی لیں یا دیں اللہ تعالیٰ ہر فیصلے میں آپ کی مدد فرماتا ہے۔“ سلطان کی تجویز کی مخالفت کرنے کی بھی یہ ایک انوکھی تمہید تھی۔ تاہم یہ مشرقی رواج کے مطابق تھی۔ آخر سلطان محافظِ دین تھا اور اس کے امیر اس کی ذمہ داریوں کے بوجھ اور مشکلات کا پورا احترام کرتے تھے۔ خیر اس احترام و تعظیمی تقریر کے بعد اس امیر نے نہایت منتخب الفاظ میں سلطان کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے کہا: ”اعلیٰ حضرت ذرا ملک کی حالت پر نگاہ ڈالیں۔ یہ بالکل تباہ ہو چکا ہے۔ ذرا اپنی رعایا کو دیکھئے۔ لوگ مایوس اور بددل ہو گئے ہیں۔ ہمارے لشکری تھک گئے ہیں اور بیمار ہیں۔ ہمارے گھوڑے بے دم ہو گئے ہیں۔ اناج ختم ہو رہا ہے۔ ضروریات

زندگی بہت مہنگی ہوگئی ہیں۔ ہماری تمام رسد شدید ریگستانی خطرات سے گزر کر مصر آتی ہے' اگر ہماری رسد نہ پہنچ سکے اور تمام راستے بند ہوجائیں' ہمارے امیر بھوکے مرنے لگیں اور غریب ننگے ہوجائیں اور بھُس سونے سے زیادہ مہنگا ہوجائے تو پھر ہمارا دشمن پر حملہ کرنا کس کام آئے گا۔ پھر اگر دشمن صلح سے قطعاً مایوس ہوجائے تو وہ اپنی ساری قوت اپنے مورچے کے دفاع میں لگادے گا۔ پھر وہ ہمت سے موت کا سامنا کرے گا اور اپنے مذہب کو بچانے کے لئے کسی ذلت کو برداشت نہیں کرے گا۔ آپ کے لئے بہتر یہ ہوگا کہ کلام الٰہی کی اس آیت کو یاد کریں جس میں کہا گیا ہے کہ "اگر وہ صلح کی جانب رجوع ہوں تو تم بھی رجوع ہوجاؤ۔" صلاح الدین کو کلام الٰہی یاد دلانا ایک آخری حربہ تھا۔ فی الحقیقت تمام وفاداری اور اظہار تعظیم کے باوجود اس کے امیر بالکل نڈھال ہوچکے تھے۔ ان کے تمام ذرائع ختم ہوچکے تھے اور اب وہ اور زیادہ کچھ نہیں کرسکتے تھے۔ گو کہ سلطان کے سفیر نے رچرڈ کی بیماری کی اطلاع دی تھی مگر وہ کوئی معمولی شخص نہیں تھا۔ ایک اور امیر نے کہا: "ہم نے آج تک ایسا بہادر اور جانباز انسان نہ سنا نہ دیکھا۔ وہ سب سے پہلے میدان میں آتا ہے اور سب کے بعد اسے چھوڑتا ہے۔ ہم نے اسے پکڑنے کی انتہائی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوسکے' اس کی تلوار سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ اس کا حملہ غضب ناک ہوتا ہے اور اس سے مقابلہ کرنا ہلاکت کا باعث ہوتا ہے۔ اس کا عمل تو غیر انسانی معلوم ہوتا ہے۔" امیروں کو بڑا تعجب ہوا کہ سلطان نے بھی کسی قدر خوف کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ رچرڈ سے تو اسے کوئی خوف نہیں لیکن میں نہیں جانتا کہ میرا کیا ہوگا۔ پھر بہاءالدین کی طرف مڑ کر اس نے کہا "دشمن اپنی فوجیں بڑھائے گا اور پھر وہ ہماری چھوڑی ہوئی زمینوں پر قابض ہوجائے گا اور جن علاقوں کو ہم فتح کرچکے ہیں ان پر پھر قبضہ کرلے گا۔ ہر پہاڑی پر تم ان کا قلعہ دیکھو گے۔ میں اب ہرگز پیچھے نہیں ہٹ سکتا ورنہ مسلمان تباہ ہوجائیں گے۔" بہرحال بعد میں رچرڈ کا طرز عمل واقعی نہایت انسانیت پر تھا۔ اس نے صلاح الدین سے اپنی بیماری چھپانے کی قطعاً کوئی کوشش نہیں کی بلکہ اس سے برف اور پھلوں کی درخواست بھی کی بالخصوص آڑوؤں اور ناشپاتیوں کی' جن کے لئے وہ بھوکا تھا۔ صلاح الدین نے

سیاسی مصلحت اور ذاتی فراخدلی کی بناء پر اس کی درخواست منظور کی۔ پھلوں کے پہنچانے والے نے اسے بتایا کہ صلیبی لوگ قلعہ کے دفاعی انتظامات کو تو ٹھیک کر رہے ہیں لیکن شہر کی فصیلوں کی طرف ان کی کوئی توجہ نہیں ہے اور Henry of Champagne بھی فرانسیسیوں کو رچرڈ کی مدد کے لئے لانے میں ناکام رہا ہے۔ اور غالباً شہر میں اس وقت تقریباً تین سو قابل جنگ سردار ہوں گے۔ سلطان نے تحقیق کے لئے Jaffa ایک فوجی دستہ روانہ کیا تاکہ مدافعین باہر نکلیں تو ان کا شمار کیا جا سکے۔ واقعی تقریباً تین سو سوار ہی بہادری سے مقابلے کے لئے نکل آئے۔ لیکن اکثریت بجائے گھوڑوں کے خچروں پر سوار تھی۔ خچر؟ اب ایسی نوبت آ گئی تھی کہ سردار خچروں پر سوار ہو کر میدان جنگ میں نکلے تھے۔ جلد ہی ابوبکر پھر رچرڈ کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن رچرڈ نے درخواست کی کہ سنجیدہ مذاکرات کے لئے اس کے بھائی ملک العادل کو بھیجا جائے جس پر گزشتہ مذاکرات کی بدولت اسے اعتماد تھا اور جس کی وہ عزت کرتا تھا' اس نے کہا کہ: ''میرے بھائی ملک العادل سے معلوم کرو کہ سلطان کو صلح پر کیسے رضامند کیا جا سکتا ہے۔ Ascalon یا تو میرے حوالے کر دیا جائے اور میں وہاں صرف برائے نام فوج چھوڑ کر ملک واپس ہو جاؤں اور سلطان باقی سارے علاقے پر قبضہ کر لے یا پھر اس شہر کی مرمت وغیرہ کے سلسلے میں میرے اخراجات دیئے جائیں۔ میرا مقصد تو صرف فرنگیوں میں اپنی ساکھ قائم رکھنے کا ہے۔'' حالانکہ سطحی طور پر تو رچرڈ کی یہ پرانی پیش کش ہی تھی لیکن سلطان کے دماغ میں قرآن کے الفاظ نقش تھے: ''اگر وہ صلح چاہیں تو تم بھی صلح چاہو۔'' ادھر اس کے مشیروں نے بھی کہا تھا کہ اگر آپ صلح کر لیں تو وہاں کے باشندے اور دہقان اپنی زمینوں پر واپس آ جائیں گے۔ فصلوں اور پھلوں کی بہتات ہو جائے گی اور لشکر آرام کر سکے گا اور ہتھیار درست کر لئے جائیں گے۔ اگر جنگ پھر ہوئی تو ہم خوب تیار ہوں گے اور پوری قوت سے دشمن پر حملہ کر سکیں گے۔ ہمارا مطلب فرض الٰہی سے جان چرانا نہیں ہے بلکہ اپنی طاقت اور کامیابی کے امکانات بڑھانا ہے۔ فرنگی نہ تو زیادہ عرصہ تک ہم پر اعتماد رکھیں گے اور نہ ہی حلفیہ معاہدوں کا پاس کریں گے۔ لہٰذا حضور صلح کر لیں تاکہ وہ زخم چاٹتے ہوئے یہاں سے منتشر

ہو جائیں۔ ان کے رخصت ہونے کے بعد پھر کون ہمارا مقابلہ کر سکے گا۔ ان سب باتوں کا صلاح الدین پر اثر ہوا اور Ascalon کے سلسلے میں اس کی ضد کچھ ٹوٹتی ہوئی معلوم ہوئی۔ اس نے اپنے بھائی کو رچرڈ کے پاس روانہ کیا اور اسے حکم دیا کہ اگر رچرڈ Ascalon چھوڑنے پر آمادہ ہو تو صلح کر لی جائے چونکہ اب ہمارا لشکر نڈھال ہو گیا ہے اور سارے ذرائع ختم ہو رہے ہیں۔

جب ملک العادل بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا تو اسے رچرڈ ایک بالکل بدلا ہوا انسان نظر آیا۔ رچرڈ کی حالت اتنی بگڑ گئی تھی کہ اب اسے خود بھی بچنے میں شک تھا۔ اور اسے اپنی فوج کی طرف سے بھی کوئی غلط فہمی نہ تھی۔ ان میں جذبۂ جہاد بالکل ختم ہو چکا تھا اور وہ کسی بلند مقصد کے لئے جانیں قربان کرنے کو تیار نہ تھے۔ اب تو انہیں صرف دولت و انعام کے لالچ سے ہی لڑایا جا سکتا تھا۔ بہ حیثیت ایک بلند پایہ سپہ سالار کے رچرڈ خوب جانتا تھا کہ اس معاملے میں دولت و انعام کا لالچ کافی نہیں۔ اس نے بستر علالت سے مطلق کوئی جھوٹی یا ظاہر داری کی بات نہیں کی بلکہ فلسفیانہ طور پر سادگی سے دل کی بات کہی: ''اب عنقریب سمندری راستہ ناممکن ہو جائے گا کیونکہ طوفانی موجیں بہت بلند اور ناگزیر ہو جائیں گی۔ اگر آپ صلح پر آمادہ ہوں تو میں اپنی دلی خواہش کے مطابق فوراً یہاں سے رخصت ہو جاؤں لیکن اگر آپ جنگ ہی چاہتے ہیں تو پھر میں اپنے خیمے یہیں نصب کر لوں گا اور یہیں رہوں گا۔ ہم دونوں قطعاً تھک چکے ہیں۔ میں یروشلم تو چھوڑ ہی چکا ہوں اور اب Ascalon بھی چھوڑنے کو تیار ہوں۔ میں چاروں طرف آپ کی فوجوں کے جمع ہونے سے کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ یہ سب جاڑے آتے ہی منتشر ہو جائیں گے۔ اگر ہم اس بدنصیب جھگڑے میں اُلجھے رہے تو ہم دونوں برباد ہو جائیں گے۔ لہٰذا آپ میری دلی خواہش پوری کریں اور مجھے یہاں سے جانے دیں۔'' جب یہ سب تفصیلات قلم بند کی گئیں تو رچرڈ نے Ascalon کی مرمت کے اخراجات کے معاوضے کو بھی چھوڑ دیا۔ بالآخر اب صلح نامہ ممکن ہو گیا تھا۔ Ramalla میں سلطان کے کاتبوں نے صلح نامہ کی شرائط کو قلم بند کیا:

''عیسائیوں اور مسلمانوں کا ایک مشترکہ دستہ Ascalon کو مسمار کرے گا اور اس شہر کو تین سال

تک دوبارہ نہیں تعمیر کیا جائے گا۔ اس کے بعد جو بھی اس پر قبضہ کرلے اس کی دفاعی تعمیرات کرا سکتا ہے۔ Jaffa اور اس کے مضافات عیسائیوں کے قبضے میں رہیں گے۔ لیکن Yebna- Lydda- Ramalla اور Majdel yaba اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔ اس کے علاوہ ساحلی شہر Acre- Haifa- Arcuf- Caesarea اور Tyre بھی عیسائیوں کے قبضہ میں رہیں گے مگر بحر Galille کی شاہراہ پر واقع Nazareth اور La Safouri کے جنگی مورچے انہیں نہیں ملیں گے البتہ وہاں کا باقی علاقہ عیسائیوں کے قبضہ میں رہے گا۔ اور عیسائی زائرین کو یروشلم میں مرقد مقدس کی زیارت کو جانے کی بے روک ٹوک آزادی ہو جائے گی۔ اور تمام علاقوں میں فرنگیوں اور عربوں کو تجارت اور نقل و حرکت کی پوری آزادی ہوگی۔" صلاح الدین نے یہ شرائط رچرڈ کو ایک مختصر سے پیغام کے ساتھ روانہ کیں: "یہ ہمارے مقبوضات کی سرحدیں ہوں گی۔ اگر آپ ان شرائط پر صلح کو تیار ہیں تو ٹھیک ہے، میں اس معاہدہ پر اپنا ہاتھ پیش کروں گا۔ بادشاہ سلطان کے پاس ایک ایسی شخصیت روانہ کرے جو اس کے بجائے صلح نامہ پر دستخط کرنے کی مجاز ہو۔ یہ سب کچھ پرسوں تک ہو جانا چاہئے ورنہ ہم سمجھیں گے کہ آپ محض وقت حاصل کرنے کی خاطر بہانہ کر رہے ہیں۔ ایسی صورت میں ہم مذاکرات بند کر دیں گے۔" جب سلطان کا سفیر آیا تو اس وقت رچرڈ بخار کی شدت سے نیم بیہوشی کے عالم میں تھا۔ سفیر نے نہایت سنجیدگی سے صلح نامہ کی شرائط پڑھیں۔ اس وقت رچرڈ نے بہ ضد دریافت کیا کہ Ascalon کی تعمیر کے سلسلے میں اس کے اخراجات کے معاوضہ کا ذکر کہاں ہے۔ لیکن اس کے سرداروں نے اسے یاد دلایا کہ اس نے چند روز پیشتر اس کا مطالبہ چھوڑ دیا تھا۔ رچرڈ نے آہستہ سے کہا کہ اگر اس نے ایسا کیا ہے تو وہ اس پر قائم رہے گا اور بستر پر گر گیا۔ پھر اس نے کہا سلطان سے کہو یہ ٹھیک ہے اور میں صلح منظور کرتا ہوں۔ مجھے اس کی فراخ دلی پر اعتماد ہے اگر اس کے علاوہ وہ کچھ اور بھی میرے لئے کر سکتا ہے تو یہ اس کی مہربانی ہوگی اور میں اس کے اس احسان کے بدلہ کا مقروض رہوں گا۔ اسے صلح نامہ پیش کیا گیا مگر وہ کروٹ بدل کر لیٹ گیا اور اس نے آہستہ سے کہا: اس وقت اسے

پڑھنے کی مجھ میں طاقت نہیں لیکن میں پوری سنجیدگی سے صلح کا اعلان کرتا ہوں۔'' پھر مڑ کر اس نے بڑی نقاہت سے ہاتھ بڑھایا اور کہا ''لو یہ میرا ہاتھ ہے۔''

ستمبر ۱۱۹۲ء میں تیسری صلیبی جنگ کے باقی ماندہ مجاہدین نے Acre سے روانگی کے لئے اپنا بھاری جنگی ساز وسامان، ہتھیار اور سوغات وغیرہ تیار کئے۔ وہ اب اس مقدس سر زمین موعود کو خیر باد کرنے والے تھے۔ اس طویل مہم کے دوران تمیں زندہ بچ جانے والوں کی صحیح تعداد کے بارے میں تو کچھ نہیں کہا جا سکتا البتہ مرنے والوں کی تعداد پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ اندازہ کے مطابق تمام مجاہدین میں تقریباً صرف ایک نفر فی درجن اس رخصت کے دن واپس جانے کے لئے جہاز کے انتظار میں کھڑا ہوا دیکھا گیا۔ ان کے لئے یہ نہایت اندوہ ناک اور شدید جذبات کا دن تھا۔ وہ ''مینار مگس'' پر حسرت سے وداعی نظریں ڈال رہے تھے۔ یہ وہ مقام تھا جس پر پندرہ مہینے پیشتر انہوں نے طوفانی حملہ کیا تھا۔ اس مہم کے مورخ اعظم نے لکھا ہے کہ کل صلیبی مہم میں تین لاکھ مجاہدین ہلاک ہو گئے جن میں سے صرف Acre میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد ایک لاکھ تھی۔ حالانکہ یہ تعداد مضحکہ خیز حد تک مبالغہ امیز ہے پھر بھی ہلاک ہونے والوں کی تعد قیاس وشمار سے زیادہ کہی جا سکتی ہے۔ دراصل جنگ سے زیادہ تو لوگ بیماریوں اور فاقوں کا شکار بنے۔ کیا یہ سب یونہی مارے گئے؟ اگر وہ شہید ہوئے تو اس کا جواب یقیناً نفی میں ہے۔ چونکہ شہید تو فوراً براہ راست جنت لے جائے جاتے ہیں۔ اس غم ناک موقع پر تو اس مقدس مہم میں شرکت کرنے والوں کا سارا مقصد صرف شہادت ہی حاصل کرنا معلوم ہوتا ہے۔ مورخ ان کی حالت زار پر یوں تبصرہ کرتا ہے: ''ہر ایک نے اپنے طور پر شہادت حاصل کی چونکہ ہر ایک نے محض محبت الٰہی کی خاطر خود کو خطرہ میں ڈالا۔ پھر کون ایسی اعلیٰ قدر شخصیتوں کی نجات میں شک کر سکتا ہے؟ بلاشک وہ سب جنت ہی گئے ہوں گے۔'' تاہم خطرات ہوز باقی تھے اور گھر پہنچنے تک شہادت حاصل کرنے کے کافی مواقع تھے۔ جب انہیں لے جانے والے جہازوں نے Acre پہنچنے کے لئے بادبان کھولے تو فوراً شدید مخالف ہواؤں نے انہیں تتر بتر کر دیا اور بہت سے جہاز مختلف

سمتوں کو بھٹک گئے جن کو منزل مقصود پہنچنے میں مہینے لگ گئے۔ کچھ ڈوب ہی گئے اور بہت سے زائرین میدان جنگ کی بدبو اور بیماریوں کا شکار ہو گئے۔ بہر حال رچرڈ کو پوری احتیاط سے پہلے تو Haifa لایا گیا جہاں اس کی بہن اور سابقہ ملکۂ سسلی Joanna (جو آنا)، اس کی ملکہ Brengaria (بیرنگاریہ) اور اس کی محبوبہ شاعرہ و موسیقار Blondel نے تیمارداری کر کے اسے رفتہ رفتہ روبہ صحت کیا۔ لیکن رچرڈ بہ ضد اس خیال خام میں مبتلا رہا کہ اس کی یہاں سے روانگی عارض ہی تھی وہ تو محض اس تین سال کی صلح کی مدت سے فائدہ اٹھا کر اپنا تخت و تاج اور ملک بچانے واپس ہو رہا تھا جس کے بعد وہ پھر اس بلند تر مقصد کے حصول کے لئے یہاں آئے گا اور مرقد حضرت عیسیٰ کو دشمنوں سے آزاد کرا کے دلی مراد پوری کر کے زیادہ کرے گا۔ اپنے شدید نجار کے باوجود اس نے قاصدوں کے ذریعہ صلاح الدین کو آگاہ کیا کہ وہ پھر واپس ہوگا۔ غالباً صلاح الدین اس کی اس وداعی دھمکی پر ضرور مسکرایا ہوگا لیکن ایک فاتح کی دریادلی کے ساتھ اس نے جواب دیا کہ اگر یہی منشاء ایزدی ہے کہ اسے شکست ہو اور اس کا ملک چھن جائے تو یہی بہتر ہوگا کہ وہ رچرڈ کے ہاتھوں سے ہو چونکہ رچرڈ ایک فراخ دل، اعلیٰ قدر اور باعزت انسان ہے۔ خود رچرڈ کے خوشامدانہ کاتب نے بھی ان مذاکرات کو بنایا ہے۔ دراصل موسم گرما کے ان آخری دنوں میں جتنا کے میدان جنگ کی بدبو اور بیماری سے اسے تکلیف ہو رہی تھی اتنا ہی اسے اپنی نااہلیت اور مہم کی ناکامی کا صدمہ تھا۔ اب بھی بہت سے غیر معلوم حالات اس کے مقدر میں تھے۔ وہ اس وقت اور بڑی جہادی فوجوں کو لانے اور مصر کے فتح کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا لیکن اسے کسی شاعر کا یہ شعر یاد نہ رہا۔ ''سوچو کہ کس طرح ہر انسان قسمت کے نازک دھاگے سے لٹکتا ہے۔'' ۲۹ ستمبر کی ملکہ اور درباری شعراء رخصت ہو گئے مگر بہت سے ضروری کاموں کی تکمیل کے لئے رچرڈ کو مزید گیارہ دن وہاں ٹھہرنا پڑا۔ ان ضروری کاموں میں سے اس پر ایک یہ فرض تھا کہ وہ (پرے یو) Wm of Preau کو رہا کرائے یہ وہ بے لوث نارمن سردار تھا جس نے Lydda کے جنگل میں رچرڈ کی جان بچائی تھی۔ اس وقت جب مسلمانوں نے رچرڈ کے کم

تعداد دستہ پر اچانک حملہ کر کے اسے پکڑنا چاہا تھا تو اس وتیم نے شور مچایا تھا کہ وہ رچرڈ ہے چنانچہ اسے گرفتار کر لیا گیا اور رچرڈ کو فرار ہونے کا موقعہ مل گیا۔ اب رچرڈ نے دس اعلیٰ مرتبہ مسلمان قیدیوں کے بدلے میں جن کے عوض اسے بھاری رقمیں مل رہی تھی وتیم کو آزاد کرالیا۔ اس طرح بغیر کسی رقم کی مزید ادائیگی کے اس نے فلسطین میں اپنا حساب چکالیا۔ جب رچرڈ شاہی کشتی پر سوار ہوا تو ماتم بپا ہو گیا۔ ''اے یروشلم اب تو اپنا بہادر محافظ کھو چکی اب کون اس کی عدم موجودگی میں تجھے دشمن سے بچائے گا۔'' اب تو صرف صلاح الدین کا وعدہ ہی ان سب کو بچا سکتا تھا۔ لیکن سب کو اس کے وعدہ پر اعتماد تھا چونکہ صلاح الدین ایک ایماندار انسان تھا۔ جب رچرڈ کا جہاز دور سمندر میں چلا گیا اور ساحل اوجھل ہونے لگا تو رچرڈ کو یہ کہتے سنا گیا: ''اے مقدس سرزمین میں تجھے خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ خدائے تعالیٰ اپنی رحمت سے مجھے زندگی میں اتنا موقعہ عطا کرے کہ اس کی مدد سے میں تجھے نجات دلا سکوں چونکہ یہی میری تمنا اور ارادہ ہے کہ پھر تیری مدد کر سکوں۔'' اور پھر وہ نازک دھاگہ جس نے اسے فلسطین سے باندھا تھا ٹوٹ گیا۔ اور اس نے اپنی نظر مغرب کی جانب پھیر دی۔

اس وقت سے جبکہ رچرڈ شیر دل نے ارض مقدس سے پیٹھ موڑ کر اپنی نظریں مادر وطن کی جانب پھیریں تو یہ تاریخی داستان ختم ہوئی اور اب یہاں سے اس کی ذاتی رنگین کہانی کی ابتداء ہوتی ہے۔ اس کے لائق کاتبوں نے اسے چھوڑ دیا تاکہ وہ خود اپنی نہایت مشکل واپسی کی طرف توجہ دیں۔ اب ان کی جگہ ناول نویسوں نے لے لی اور ان ہی کی اس سفر کی رنگین داستانوں نے ''رچرڈ شیر دل'' کی تخلیق کی۔ اب وہ دور حاضرہ کا Odysseus تھا البتہ اب یک چشم خونخوار درندوں، نیم حسینہ و نیم پرندہ مخلوق اور سورج مکھی کھانے والے حیوانوں کی جگہ انتقام کے پیاسے جانباز، حسین مغنیہ، بیوقوف دوشیزاؤں اور احمق مسخروں نے لے لی۔ اب اس کے کارناموں میں Templar اور پھر ایک باورچی کا روپ بھرنا' پھر پہاڑی قلعوں' تاریک قید خانوں کا تجربہ، خونخوار کتوں کا سامنا، غیر معمولی جرأت اور طاقت کا مظاہرہ اور بالآخر ایک بھاری رقم کی ادائیگی

ہوگی۔ رچرڈ کی کہانی اب صلیبی جنگ کی روداد نہیں تھی اب یہ اس کی ذاتی کہانی بن گئی تھی۔ اس کی غیر معمولی شجاعت کی داستان تو صدیوں کے دوران میں ذہنی ایجادات اور تخیل کی پرواز سے کافی بڑھا چڑھا کر موجودہ دور میں ہمیں ملی ہے۔ لہٰذا ہمیں بڑی احتیاط سے ان چند ٹھوس تاریخی شہادتوں کے ساتھ جو ہمیں مل سکی ہیں آگے بڑھنا ہوگا تاکہ ہم آئندہ ناقابل یقین کہانیوں سے محفوظ رہ سکیں۔ چھ ہفتوں تک لیبیا کی گرم آندھیاں شمال کی برفانی ہواؤں سے ٹکراتی رہیں جن کی بدولت شاہی جہاز سطح سمندر پر ایک پر کی مانند اُچھلتا رہا۔ آخر قبرص پہنچ کر اس نے مختصر قیام کیا جہاں اس نے Guy of Lusignan کی حکومت کو اپنے تبرک سے نوازا۔ لیکن اس کے بعد وہ قطعاً راستہ بھول گیا۔ ایک بار تو رچرڈ کا جہاز Barbary کے ساحل تک پہنچ گیا اور ایک اور دفعہ وہ مارسے (Marseille) سے صرف تین دن کے سفر تک قریب آ گیا تھا۔ دراصل طوفانی آندھیاں تو اس کے راستے میں کم ہی مصیبت تھیں اب تو یہ ہیرو خود ہی شکار بن گیا تھا۔ اس کی بیس آدمیوں پر مشتمل جماعت کو یورپ کے ہر ملک میں خطرہ ہی تھا۔ سارے یورپ میں اس کے سامنے نئے اور پرانے دشمنوں کا ایک محاذ تھا۔ فرانس، جرمنی، اٹلی، یونان اور بائی زن ٹائن ہر جگہ دشمن اس کی گھات میں تھے۔ مارسے سے وہ واپس ہوگئے چونکہ انہیں اطلاع ملی کہ Raymond of Giles (ریمنڈ آف جائلس) نے کہ جو صلیبی جنگ سے پہلے ہی سے اندرونی تنازعات کی بناء پر رچرڈ کا دشمن تھا اسے پکڑنے کے لئے جنوبی فرانس میں جال پھیلایا ہوا ہے۔ مرکزی یورپ میں ہر ملک میں جہاں ممکن ہو سکا فرانس کے بادشاہ فلپ آگسٹس نے اس کے خلاف زہر پھیلایا تھا۔ فلپ عیار تھا اور انتقام کے درپے تھا۔ بلاشبہ فرانس کا بادشاہ ہر شخص جو سننے کے لئے تیار تھا اس کے کان رچرڈ کے خلاف بھر رہا تھا۔ تمام یورپ میں اس کا یہ دیرینہ ساتھی اس پر طرح طرح کے وحشیانہ الزامات لگا رہا تھا۔ اس کا جوش انتقام ایک چھوڑے ہوئے معشوق اور ایک بدنام جنگ باز ہونے کی وجہ سے اور بھی بھڑک گیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ رچرڈ جو دیہ پہنچتے ہی صلاح الدین سے مل گیا اور اس کے ساتھ غداری کی کوشش کی۔ پھر Tyre

جا کر اس نے Conrad of Montferrat کو قتل کرایا اور برگنڈی کے ڈیوک کو بھی اسی نے زہر دلایا تھا۔ پھر اس نے مشرق کے حشیشین کو یورپ میں اپنے مخالف بادشاہوں کو ذبح کرانے کے لئے روانہ کیا۔ دراصل رچرڈ کو یہ اندازہ بھی نہیں تھا کہ فلپ نے یورپ میں اس کے خلاف کتنا زہر پھیلایا ہے۔ جرمنی اور اٹلی میں بہت سوں نے بڑے شوق سے فلپ کا بیان سنا۔ دیگر صلیبی مجاہدین کی واپسی کی خبریں پا کر رچرڈ کے دشمن اس کی آمد کے بیتابی سے منتظر تھے۔ Piedmont میں کونراڈ کے متعلقین ہنوز اس کے قتل پر غیظ و غضب میں بھرے ہوئے تھے اور اٹلی میں سسلی کے حاکم Tancred کے مخالفین رچرڈ کی آمد کے منتظر تھے چونکہ اس نے Tancred سے معاہدہ کر لیا تھا اور اس کے خلاف مقدس رومن سلطنت کے شہنشاہ Henry VI کے ہونے کی بھی یہی وجہ تھی کہ اس نے Tancred سے معاہدہ کیا ہوا تھا۔ فی الحقیقت شہنشاہ نے ساری سلطنت میں اعلان کرا دیا تھا کہ رچرڈ جہاں بھی ملے اسے گرفتار کر کے فوراً شہنشاہ کو روانہ کیا جائے۔ اور دریائے Danube کی وادی میں تو اس کا بدترین دشمن آسٹریا کا ڈیوک تھا جس کا پرچم Acre میں خاک و مٹی میں گھسیٹا گیا تھا۔ اس کا ذمہ دار اس کے خیال میں رچرڈ ہی تھا۔ غرض یہ کہ اس کے لئے انگلستان پہنچنے کا کوئی محفوظ راستہ نہیں تھا بلکہ وہاں بھی مصیبت اس کی منتظر تھی۔ اس کا بھائی John قلعوں پر قبضہ کر رہا تھا اور ان سے خراج طلب کر رہا تھا اور بڑھ بڑھ کر شرطیں لگا رہا تھا کہ رچرڈ کبھی انگلستان کے ساحل نہیں پہنچے گا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دنیا بھر میں Rouen کے قلعہ میں صرف اس کی ماں ایلینور (Elenor) تھی جو اپنے چہیتے بیٹے کی بحفاظت واپسی کی امید لگائے ہوئے تھی۔ ملک واپسی کے سفر میں اس کے ساتھ صرف مٹھی بھر معتمد ساتھی تھے۔ ان میں Baldwin تھا کہ جو Anjou کی مہم کے زمانے سے اس کے ساتھ تھا۔ پھر شاہی کاتب فلپ تھا اور اس کے ساتھ اس کا پادری Anselm تھا اور اس کا ایک نوجوان خادم تھا۔ باقی اور سب سخت جان Templar تھے۔ Acre سے روانگی کے چھ ہفتوں بعد یہ جماعت Corfu (کرفو) پہنچی۔ یہ جزیرہ یونان کے مغربی ساحل پر واقع ہے۔ ایسا

معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایڈریاٹک کے پُر خطر سمندر کو پار کر کے زمین کے راستے سے جرمنی ہوتے ہوئے انگلستان جانا چاہتے تھے یا پھر ممکن ہے کہ ان کی منزلِ مقصود Saxony ہو جہاں کا حاکم رچرڈ کا بہنوئی Henry تھا جو ایک عیار شخص تھا اور شیر کے لقب سے مشہور تھا۔ اس نے نئے جرمن شہنشاہ کے خلاف کھلم کھلا بغاوت کی ہوئی تھی۔ رچرڈ نے Saxony کے اس عمر رسیدہ ڈیوک کی ماضی مں مدد کی تھی اس لئے وہ یقین کر سکتا تھا کہ ڈیوک اس کے احسانات کا بدلہ اُتارے گا۔ لیکن Saxony کا پایۂ تخت Wittenberg کافی دور شمال میں تھا اور بیچ میں آسٹریا اور بویریہ (Bavaria) کے علاقے حائل تھے جو اس کے دشمن تھے۔ گو کہ وہ خلیج افریقہ سے گزر کر براہِ راست بھی انگلستان پہنچ سکتے تھے لیکن نومبر میں سمندری سفر کے خطرات بڑی سفر سے بھی زیادہ تھے، کم از کم زمین کے سفر میں ان کا سامنا صرف فانی انسانوں ہی سے تھا لیکن اس کے برخلاف سمندر کی مافوق البشر قوت ان کی طاقت سے باہر تھی۔ خیر جزیرۂ کرفو اُس دور میں بحری قزاقوں کا گڑھ تھا بلکہ سارا ایڈریاٹک کا سمندر ہی ان سے بھرا ہوا تھا اور اس صورت حال سے رچرڈ کو فائدہ ہوا چونکہ اُس وقت تو اس کا مسئلہ قانون تھا نہ کہ لاقانون قزاق۔ اس نے فوراً اپنا جہاز چھوڑ کر قزاقوں کے دو جہاز کرائے پر لئے تا کہ وہ ان سب کو آگے Dalmatian کے ساحل تک پہنچا دیں۔ بعد میں کہا جائے گا کہ قزاق ابتدائی جھڑپوں کے بعد رچرڈ کی بہادری اور جنگی صلاحیت سے ایسے مرعوب ہوئے کہ اس کی مدد کو تیار ہو گئے۔ شاہی جماعت اس کے بعد Ragusa میں دیکھی گئی۔ اس شہر کو اب Dubrovnik کہا جاتا ہے۔ بعض اطلاعات کے مطابق رچرڈ کا جہاز Dubrovnik کے قدیم قلعہ کے مقابل Lacroma نامی چھوٹے سے جزیرہ سے ٹکرا کر ڈوب گیا لیکن وہ بچ گیا جہاں بعد میں اس نے شکرانے کے طور پر وہاں کے Benedictine راہبوں کے لئے خانقاہ تعمیر کرائی۔ ایسا واقعی ہوا یا نہیں، بہر حال اس کے بعد وہ Trieste کے شمال میں Aquileia کے مقام پر پایا گیا۔ وہاں اس نے اپنی موجودہ صورتِ حال پر نظر ڈالی جو اسے بہت خطرناک معلوم ہوئی۔ اس کے شمال میں آسٹریا کے

ڈیوک Leopold کا علاقہ تھا جو اس کا بدترین دشمن تھا۔ مغرب میں Venice کا ملک تھا جہاں کے سوداگر ہر وقت ہر چیز زیادہ سے زیادہ داموں پر بیچنے کو تیار تھے۔ اس کے آگے Piedmont تھا جو مقتول Conrad کا ملک تھا جہاں بحیرہ Adriatic کے سرہانہ پر کونراڈ کا بھتیجا Meinhard (مائن ہارڈ) حکومت کر رہا تھا جس کا پایہ تخت Gorz تھا۔ یہ شخص نہایت عیار تھا۔ وہ ہمیشہ مشتبہ قسم کے مسافروں پر کڑی نظر رکھتا تھا۔ رچرڈ نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ "عہدِ الٰہی" کا پاس کیا جائے گا' کوشش کی کہ اسے اور اس کے ساتھیوں کو واپس آنے والا مجاہدین سمجھا جائے۔ (عہدِ الٰہی وہ حلف نامہ تھا جو صلیبی مہم کا آغاز ہونے سے پہلے ہی پوپ اُربن سوئم نے یورپ کے تمام سرداروں سے لیا تھا کہ وہ مجاہدین کو ہر ممکن مدد (Urban III) دیں گے اور ہرگز نقصان نہیں پہنچائیں گے ورنہ اُنھیں عیسائیت سے خارج کر دیا جائے گا) اس کی جماعت کے دو سردار ظاہر کئے گئے۔ ایک Baldwin اور دوسرا مالدار تاجر "ہیوز" (Hughs)۔ اس مالدار تاجر نے ایک نہایت قیمتی سونے کی انگوٹھی جس میں یاقوت جڑا ہوا تھا وہاں کے سردار Meinhard کو خوش کرنے کے لئے تحفۃً بھیجی۔ لیکن اس کا اُلٹا اثر ہوا۔ اس نے اپنے ماتحتوں سے سرگوشی کی اور کہا کہ یہ Hughs دراصل رچرڈ ہی ہے۔ پھر اس نے اسے گرفتار کرنے کی ایک احمقانہ تدبیر بنائی۔ تھوڑا وقت حاصل کرنے کے لئے اس نے رچرڈ کے قاصدوں سے کہا "میں نے قسم کھائی ہے کہ میں تمام مشتبہ افراد کو گرفتار کروں گا اور ان سے کوئی تحفہ قبول نہ کروں گا لیکن چونکہ تمہارے آقا نے میری عزت افزائی کی ہے میں اس کا تحفہ واپس کروں گا اور اسے یہاں سے گزرنے کی اجازت دوں گا۔ رچرڈ کو اس چال بازی پر شبہ ہو گیا اور وہ فوراً Templar کا بھیس بدل کر گھوڑے پر فرار ہو گیا۔ اب جبکہ دشمنوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ وہ ملک میں موجود ہے تو اس کا خطرہ اور بھی بڑھ گیا۔ وہ Friuli پہنچے جہاں کا حاکم Meinhard کا بھائی Fredrick of Pettau تھا۔ یہ کم رتبہ سردار بھی اس شاہی انعام کو پکڑنے کے لئے کچھ کم خواہش مند نہ تھا۔ اس نے اس مہم کے لئے راجر نامی ایک نارمن

افسر کو تعینات کیا اور اسے حکم دیا کہ وہ ملک کی ہر اس سرائے کی تلاشی لے جہاں ارض مقدس سے واپس آنے والے زائرین مقیم ہوں اور بالخصوص فرانسیسی زبان بولنے والوں کی چھان بین کرے۔ فریڈرک نے اس سے وعدہ کیا کہ اگر وہ بادشاہ (رچرڈ) کو گرفتار کر لے تو اسے شہر کے نصف مکانات انعام میں دے دیئے جائیں گے۔ جب Roger اور Richard کو Templar کے بھیس میں پایا تو اس نے اس سے سخت سوالات کئے اور یہاں تک جرح کی کہ بالآخر رچرڈ نے اپنی اصلی شخصیت کا اعتراف کر لیا۔ بجائے اس کے کہ راجر بادشاہ کو ہتھکڑیاں پہناتا وہ جوش جذبات سے اتنا مغلوب ہوا کہ اس کے روبرو گھٹنوں پر گر گیا اور اسے تمام صورت حال سے آگاہ کر دیا۔ اس نے رچرڈ کو ایک تیز گھوڑا دیا تاکہ وہ فرار ہو سکے۔ واپس ہو کر راجر نے فریڈرک کو بتایا کہ اسے بادشاہ تو نہیں ملا البتہ Templar کا ایک گروہ پایا گیا جن کا سردار ایک Baldwin نامی شخص تھا۔ فریڈرک کو اس کا یقین نہیں آیا اور اس نے غیظ و غضب میں بھر کر علاقہ کے تمام زائرین گرفتار کروا لئے اور انہیں قید خانہ میں جھونک دیا۔ یقیناً بدنصیب راجر بھی ان کے ساتھ ہی ہوگا۔ ادھر خطرے کی گھنٹی سن کر رچرڈ کے تمام ساتھی چاروں طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ اب اس کے ہمراہ صرف تین افراد ہی رہ گئے تھے۔ اور وہ جانب شمال Alps کے پہاڑوں سے گزر کر Carinthia کی جانب بڑھ رہا تھا۔ کیا اسے یہ معلوم تھا کہ وہ کدھر جا رہا ہے؟ عوامی حکایات کے بموجب تو وہ پہاڑوں میں تین روز بے آب و دانہ چکر لگاتا رہا۔ ہو سکتا ہے کہ اس بھوک پیاس نے ہی اس کی قوت دماغی پر اثر کیا ہو چونکہ اب وہ سیدھا Vienna (ویانا) جا رہا تھا جو اس کے بدترین دشمن ڈیوک Leopold کا علاقہ تھا۔ شہر کے مضافات تک پہنچنے پر اس نے یقیناً اس خطرے کو محسوس کیا ہوگا چونکہ اس نے ایک چھوٹی سی سرائے میں چھپنے کی کوشش کی اور اپنے نوجوان خادم کو شہر سے کچھ کھانے پینے کے لئے لانے کو روانہ کیا مگر اس احمق نے وہاں فضول خرچی کی اور خوب شیخی ماری کہ اس کا آقا ایک بہت اہم فرد ہے۔ لامحالہ اس سے لوگوں میں تجسس ہوا اور جب وہ ترکاری فروشوں کے درمیان سے بڑی شان سے واپس ہو رہا تھا

اور اس کی پیٹی پر شاہی دستانے آویزاں تھے اسے پکڑ لیا گیا۔ جب اسے ایذا دی گئی تو اس نے راز فاش کر دیا۔ جب افسران سرائے میں داخل ہوئے تو رچرڈ نے بھاگ کر باورچی خانہ کے ملازمین میں شامل ہونے کی کوشش کی اور جلد ہی ایک مرغی کو کڑھائی میں ڈالا۔ لیکن بدقسمتی سے ایک بادشاہ کے لئے باورچی بننا آسان نہیں ہے' جب اس افسر نے رچرڈ کو اس مضحکہ خیز حالت میں دیکھا تو وہ بھی شرمندہ ہو گیا اور اس نے کہا: اعلیٰ حضرت اب آپ یہاں کافی قیام کر چکے ہیں۔ چند ہی گھنٹوں میں اسے Leopold کے حضور میں پیش کیا گیا۔ لیوپولڈ نے اپنی Acre کی بے عزتی کا باقاعدہ طور پر بدلہ لیا۔ اب قیدی کو اس حاکم کو اپنی تلوار پیش کرنی پڑی۔ اس کے بعد جلد ہی قیدی کو دریائے Danube کے کنارے پر واقع ڈیورن اشٹائن کے سنگین قلعہ میں قید کیا گیا۔ بے شک یہ کارروائی اس دور کے یورپ کے تمام ملکوں کے قوانین اور پوپ کے نافذ کردہ عہد الٰہی کے خلاف تھی جس کی رو سے کسی مجاہد کی حالت سے فائدہ نہیں اٹھایا جائے گا جبکہ وہ خدمتِ خدا کر رہا ہو۔ اور رچرڈ نے اپنے گرفتار کرنے والوں کو جبکہ وہ اس پر سختیاں کر رہے تھے اس حقیقت سے آگاہ کیا۔ لیکن اب اس کی سیاسی اور مالی اعتبار سے بڑی قیمت تھی۔ چنانچہ مقدس رومن سلطنت کے شہنشاہ Henry VI نے اپنے ماتحت Leopold کو حکم دیا کہ فوراً رچرڈ کو اس کے حوالے کرے۔ اس سلسلے میں Wurzburg (ورزبرگ) میں ایک کانفرنس ہوئی جہاں کافی سودا بازی کے بعد یہ طے ہوا کہ رچرڈ کو شہنشاہ ہنری کے حوالے کیا جائے گا جس کے معاوضہ میں Leopold کو ساٹھ ہزار سکہ نقرئی کی ادائیگی ہوگی۔ رچرڈ کے خلاف ہنری کی عداوت کی وجہ یہ تھی کہ اس نے Sicily جو اس کی سلطنت کا صوبہ تھا Tancred کو دے دیا تھا۔ اس کے علاوہ مقتول Conrad بھی ہنری کا رشتہ دار تھا۔ لیکن ہنری کا ایک اور مقصد بھی تھا۔ اس کے روم سے اختلافات تھے جن کی وجہ وہی قدیم دائمی چرچ سے طاقت و اثرات کی کھینچ تان تھی۔ Liege میں ایک اہم بشپ قتل کر دیا گیا تھا اور پوپ شہنشاہ ہنری کو اس کا ذمہ دار ٹھہرا رہا تھا۔ اس کی سلطنت کے عوام کی اکثریت پوپ کے ساتھ ہمدردی کر رہی تھی۔ لیکن یہ عیار بڈھا

شہنشاہ اپنے دارالحکومت Wittenberg (ویٹنبرگ) سے ہی پوپ کے خلاف بغاوت کرا رہا تھا۔ آخر وہ ''شیر ہنری'' کے لقب سے مشہور تھا۔ اس کے لئے تو رچرڈ کا ہاتھ آ جانا اللہ کی رحمت ہی تھی جس سے روم کے خلاف اس کے ہاتھ اور مضبوط ہو گئے تھے۔ چنانچہ اس نے فرانس کے بادشاہ Philip Agustus کو بلاتاخیر رچرڈ کی گرفتاری کی خوشخبری پہنچائی البتہ اس نے یہ راز افشا نہیں کیا کہ رچرڈ کو کس جگہ قید میں رکھا گیا ہے۔ اس نے یہ بھی لکھا کہ رچرڈ کو ارض مقدس میں بغاوت، غداری اور دیگر جرائم کے ارتکاب کی وجہ سے گرفتار کیا گیا ہے' نیز یہ کہ اس نے شاہ فلپ کو ہمیشہ ناراض کرنے کی کوشش کی ہے۔ فلپ نے خوش خبری لانے والے قاصد کا بڑی شان سے خیر مقدم کیا۔ اس کے لئے تو یہ اطلاع سونے اور جواہرات سے زیادہ قیمتی تھی۔ بالخصوص وہ رچرڈ کی گرفتاری کا حال سن کر بہت محظوظ ہوا۔ اس کا دیرینہ رفیق باورچی خانہ میں ایک باورچی کے بھیس میں مرغی بھونتا ہوا پکڑا گیا۔ واقعی یہ تو نہایت ہنسی کی بات تھی۔ رفتہ رفتہ رچرڈ کی گرفتاری کی خبر یورپ کے تمام درباروں میں پھیل گئی۔ اس کا بھائی John جو انگلستان میں اس کا قائم مقام تھا اس غیر متوقع خوش خبری کے ملنے سے ایسا خوش ہوا کہ وہ تو واقعی اس کے انعام میں زر و جواہر دے دیتا۔ وہ فوراً English Channel پار کر کے Normandy نارمنڈی پہنچا جہاں اس نے خود کو رچرڈ کا جائز وارث ہونے کا اعلان کرتے ہوئے Norman سرداروں سے حلف وفاداری کا مطالبہ کیا اور ساتھ ہی شاہ فرانس فلپ سے سازشیں کرنے لگا۔ مگر اسے نارمن سرداروں کے مقابلے میں فلپ سے زیادہ کامیابی ہو سکی۔ نارمنوں نے رچرڈ کے ساتھ عہد وفاداری کی تصدیق کی۔ بہرحال پوپ ان حرکتوں سے خوش نہیں ہوا۔ ایک مجاہد کو قید کرنے اور پھر اسے شہنشاہ ہنری سے اتنی چاندی لے کر حوالے کر دینے کے جرم میں Leopold کو عیسائیت سے خارج کر دیا گیا۔ وہ فلپ سے بھی خوش نہیں تھا چونکہ چند مہینہ پہلے اس سے ملاقات میں فلپ نے پوپ پر بہت زور دیا تھا کہ وہ رچرڈ کی زمینوں پر قبضہ کرنے کی پابندی ہٹا دے۔ اب اگر فلپ ایسا کرتا ہے تو وہ بھی اسی سزا کا مستحق ہوگا۔ اس طرح کئی مہینے گزر گئے اور

رچرڈ کے ساتھیوں کو تعجب ہوا کہ اس کی وجہ کیا ہے۔ سب سے زیادہ نارمن بشپ ناراض تھے انہوں نے مقدس چرچ کی بزدلی پر ایک نظم بھی لکھی اور پوپ کو سینٹ پیٹر کی کہانی یاد دلائی جس نے ایک اعلیٰ رتبہ پادری کے نوکر کا کان کاٹ دیا تھا چونکہ وہ حضرت عیسیٰ کو گرفتار کرنے آیا تھا۔ انہوں نے لکھا: ''تمام نئے اور پرانے قوانین اس کی مذمت کررہے ہیں اور سب اس کے خلاف ہیں اور چرچ آنسو بہارہا ہے۔ پس اے پدر رحم دل اب Peter کی شمشیر کھینچ''۔ لیکن پوپ Celestine نے Peter کی آسمانی تلوار کو زمین کی نیام ہی میں رہنے دیا۔ آخر وہ کیسے اس کو نکال کر خود اپنے مقدس رومن بادشاہ کا کان کاٹتا!!

سلطان صلاح الدین کو جب بالیقین اطلاع ملی کہ رچرڈ کا جہاز بالآخر فلسطین کے ساحل کو چھوڑ چکا ہے تو اس نے بطور شکرانہ مکہ شریف کو حج کے لئے روانہ ہونے کا اعلان کیا۔ اس کے لئے دینِ اسلام کے پانچ ارکان نماز، روزہ، زکوٰۃ، جہاد اور حج کی تکمیل کے لئے یہ آخری رکن تھا جس کی ادائیگی سے قصر اسلام کے پانچوں ستونوں کی تعمیر مکمل ہو جائے گی۔ اسی طرح اب عیسائی زائرین کے لئے بھی یروشلم میں مرقد مقدس کی زیارت کا راستہ کھلا ہوا تھا اور شاہراہِ حج بھی ملکِ شام سے مقاماتِ مقدسہ جانے کے لئے مسلمانوں کے لئے عیسائی لٹیروں سے پاک ہوگئی تھی۔ تاہم مکمل اطمینان حاصل کرنے کے لئے سلطان نے اپنے بیٹے ملک الافضل کو El Kerak کے بدنام قلعہ کا معائنہ کرنے روانہ کیا۔ یہ قلعہ پہلے بدمعاش Chatillon (شتیلان) کا خطرناک مورچہ ہوا کرتا تھا۔ بہرحال مکہ معظمہ کی روانگی سے پہلے اپنی نئی سلطنت کے معائنے کی ضرورت تھی۔ ایک نہایت مختصر دستے کے ہمراہ وہ ان ساحلی شہروں کے پاس سے گزرا جو معاہدے کے مطابق عیسائیوں کے حوالے کردیئے گئے تھے۔ سب سے بڑی فکر اسے Ascalon کی تھی جسے معاہدے کی رُو سے مسلمان اور عیسائی انجینئروں کی مشترکہ جماعت سے منہدم کرانا تھا۔ صلاح الدین نے شہر کی فصیلیں مسمار کرنے کے لئے ایک سو ماہرین پہلے ہی بھیج دیئے تھے اور اسی تعداد میں وہاں عیسائی انجینئر بھی تعینات تھے۔ رچرڈ ان کے لئے ایک مختصر

حکم چھوڑ گیا تھا: ''جب انہدام مکمل ہو جائے تو تم وہاں سے رخصت ہو جاؤ۔'' اس جنوبی ترین مورچے کے معائنے کے بعد صلاح الدین یروشلم کی Via dolor osa میں اپنے نیم روشن اوطاق حکمرانی کو واپس ہوا۔ فوج کے خاص حصے کے علاوہ باقی سب مجاہدین منتشر ہو گئے تھے۔ اب سلطان کو حکومت کے عام معاملات کا انتظام کرنا تھا۔ فوجی معاملات میں تو اب صرف انجینئروں کا کام ہی رہ گیا تھا۔ اس وقفے میں ہی اس نے شہر میں ایک ہسپتال اور ایک مدرسۂ عالیہ کی تعمیر کا حکم دیا۔ اسی زمانے میں اس کا بیٹا ملک الظاہر اس مقدس شہر کو خیر باد کہہ کر Alepo جانے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ ملک الظاہر سلطان کا تیسرا اور سب سے چہیتا بیٹا تھا۔ وہ AL. Mushammer کے لقب سے مشہور تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جب صلاح الدین اس کے بڑے بھائیوں میں سلطنت کے صوبے تقسیم کر رہا تھا تو اس نے باپ سے کہا: Mushammer یعنی میں بھی حاضر ہوں۔ سلطان نے پہلے ہی اپنے اس ۱۹ ر سالہ فرزند کو اپنا ولی عہد بنانے کا تہیہ کر لیا تھا۔ بہر حال یروشلم میں یہ پر امن وقفہ سلطان کے لئے کسی قدر اطمینان کا دور تھا اور وہ اہلِ شہر اور اہلِ خاندان کی محبتوں سے لطف اندوز ہوا۔ بیت المقدس میں نماز کے بعد ملک الظاہر رخصت کی اجازت کے لئے سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ بحیثیت باپ کے اپنے لڑکے کی جدائی پر نہایت غمگین اور متفکر تھا کہ وہ نوجوان کس طرح اس ذمہ داری کا بار اُٹھا سکے گا۔ جب وہ تنہا رہ گئے تو اس نے بیٹے کو گلے لگایا اور اسے یوں نصیحت کی:

''اللہ کی منشاء کے مطابق کام کر'' کہ یہی امن کا راستہ ہے۔ خونریزی سے باز رہ اس پر بھروسہ نہ کر کیونکہ خونریزی کرنے والا چین سے نہیں سو سکتا۔ اپنی رعایا کی دل جوئی کر اور ان کے حقوق کی نگرانی کر۔ اپنے امیروں، وزیروں اور افسروں کو بھی خوش رکھ۔ آج میں اتنا بڑا ہو گیا ہوں کیونکہ میں نے اپنے لوگوں کے دل پیار و محبت سے جیتے ہیں۔ ہرگز کسی کے خلاف بغض و عداوت مت رکھ۔ موت کسی کو نہیں چھوڑے گی لہٰذا دوسروں سے برتاؤ کرتے وقت عاقبت اندیشی سے کام لے۔ کیونکہ جب تک وہ تجھے معاف نہ کر دیں اللہ تعالیٰ تجھے معاف نہ کرے گا۔

وہ تو صرف وہی گناہ معاف کرے گا جو تیرے اور اس کے درمیان ہوں گے۔ بے شک وہ توبہ کرنے والوں کو معاف کرتا ہے کیونکہ وہ غفور ورحیم ہے۔"

اسی دوران عیسائی زائرین کی پہلی جماعت یروشلم کے مضافات میں برآمد ہوئی۔ ان کے لئے Ramla کے علاقے سے گزرنا ایک خطرناک سفر تھا۔ ان کا سردار Andrew of Chaunigny تھا جو ایک ممتاز جنگی راہب تھا اور سسلی میں Tancred کے ساتھ کئے ہوئے صلح نامہ کا ضامن تھا۔ وہ Acre کے محاصرے میں اہم کردار ادا کر چکا تھا۔ لیکن ان کی جماعت کا پیش رو دستہ جنگل میں سو گیا تھا اور انہوں نے باقی زائرین کی آمد کی اطلاع بروقت مسلمان محافظین کے افسر کو نہیں دی تھی۔ جب یہ لوگ وہاں پہنچے اور خود کو دفعتاً دو ہزار جنگجو مسلمانوں کے درمیان پایا تو سخت خوفزدہ ہوئے۔ صلاح الدین کو عیسائی زائرین کی آمد کی اطلاع دی گئی۔ اس وقت بعض جوشیلے مسلمانوں نے اپنے بھائیوں اور بیٹوں کے قتل کا یہ اچھا موقع پایا لیکن صلاح الدین نے ان کے جذبۂ انتقام کو ٹھنڈا کیا۔ اس نے کہا کہ اگر یہ عہد نامہ جو اس کے اور شاہ انگلستان کے مابین ہوا ہے تمہاری بدولت ٹوٹے تو یہ ہم سب کے لئے سخت باعثِ توہین ہوگا اور ہمیشہ عربوں کی دیانت داری پر شک کیا جائے گا۔ اس نے ان خوفزدہ عیسائیوں کو یروشلم پہنچنے کی اجازت دی۔ ایک عیسائی نے اس کا منظر یوں بیان کیا ہے:

"ہمارے گزرتے ہوئے وہ خوب ہنس رہے تھے اور طرح طرح کا شور مچا رہے تھے۔ ان کی نظروں سے ہمارے خلاف ان کے دلوں کی عداوت آشکار تھی کیونکہ انسان کا چہرہ اس کے دل ودماغ کا آئینہ ہوتا ہے۔ ہم لوگ اُس وقت سخت گھبرائے ہوئے تھے اور سوچ رہے تھے کہ کاش ہم اس وقت وہاں کی بجائے Tyre یا Acre میں ہی ہوتے جہاں سے ہم آئے تھے۔ ہم نے اسی سراسیمگی کی حالت میں ایک پہاڑ کے دامن میں رات بسر کی۔"

درحقیقت رچرڈ نے وہاں سے واپس ہونے سے پہلے یروشلم جانے والے زائرین کے قافلوں پر قابو رکھنے کی کوشش بھی کی تھی۔ اس نے یہ حکم دیا تھا کہ Acre کی حکومت ان زائرین

کو یروشلم جانے کا ویزا دے گی تا کہ وہ مسلمانوں کو وہاں پہنچ کر پیش کریں جس کے بغیر اُن کے لئے وہاں کا داخلہ ناممکن ہوگا۔ یہ محض رچرڈ کی ایک بے شرم کوشش تھی تا کہ اس پابندی کی وجہ سے فرانسیسی جنہوں نے Acre اور دیگر مقامات پر اس کی مخالفت کی تھی Acre کی عیسائی حکومت سے ویزا نہ ملنے کی بدولت یروشلم نہ جا سکیں۔ لیکن صلاح الدین نے رچرڈ کی اس خواہش کو نظر انداز کر دیا۔ اس کو یقین تھا کہ ہر عیسائی وہاں زیارت سے فارغ ہو کر جلد از جلد واپسی کی کوشش کرے گا۔ لہٰذا اسے خوشی ہوگی کہ وہاں کے سب عیسائی حملہ آور جتنا جلد ممکن ہو زیارت کر کے دفع ہوں۔ سلطان نے اپنے لوگوں کو حکم دیا کہ ان زائرین کو عیسائی حکومت کے نافذ کردہ کسی ویزے وغیرہ کی ضرورت نہیں بلکہ اس نے تمام راستوں پر سپاہی تعینات کر دیئے کہ وہ کسی طرح ان زائرین کو تنگ نہ کریں بلکہ ہر طرح حفاظت وسلامتی کا احساس دلائیں۔ اس نے مقدس شہر میں بھی انہیں ہر طرح آرام دلانے کی کوشش کی یہاں تک کہ اصل صلیب جو Hattin کی جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھ آ گئی تھی اسے بھی زائرین کو بوسہ دینے کی اجازت دی۔ اس نے انہیں کوہ سیہونؔ اور Gethsemane کے باغ کو جانے کی بھی اجازت دی۔ آخر مسلمانوں نے تو ان کے نجات دہندہ کو صلیب پر نہیں چڑھایا تھا۔ یسوع مسیح تو اسلامی پیغمبروں میں سے ہیں۔ پھر سلطان نے ایک شاندار دعوت کی جہاں اس نے کھانے کی میز پر عیسائیوں سے عام گفتگو کی۔ بلکہ اس نے Acre کی صلیبی حکومت کو بھی اس فیاضی سے مطلع کیا۔ اس نے لکھا: ''یہ وہ لوگ ہیں جو دور دراز علاقوں سے مقامات مقدسہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں۔ ہمارا قانون انہیں روکنے سے منع کرتا ہے۔'' اس کے بعد زائرین کا تیسرا گروہ آیا جن کا قائد سالسبری کا پادری اعلیٰ (Bishop) تھا جس کا نام Hubert Walter تھا۔ یہ شخص اپنے دور کا نہایت عقلمند اور اہل انسان تھا جو انگلستان واپسی پر بعد میں انگلستان کا اعلیٰ ترین پادری بنا دیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ ایک بہادر سپاہی بھی تھا جو رچرڈ کے فلسطین آنے سے پہلے ہی سے وہاں موجود تھا اور اوّل تا آخر وہاں کے تمام مرحلوں سے گزر چکا تھا۔ اور اس تمام عرصہ میں رچرڈ کے خاص معتمدین

میں سے تھا۔ صلاح الدین نے بڑے اہتمام سے اس کا خیر مقدم کیا اور اسے قصر شاہی میں قیام کرنے کی دعوت دی لیکن بشپ نے اسے انکساری سے قبول نہیں کیا اور کہا کہ ہم تو زائرین ہیں ہمارے لئے ایسی عیش پرستی جائز نہیں۔ پھر بھی جب وہ "اصل صلیب" کی زیارت کو گیا تو سلطان اس کے ساتھ گیا۔ اس کے بعد اس نے بشپ کی بھی شاندار دعوت کی۔ دورانِ گفتگو صلاح الدین نے پوچھا کہ آخر رچرڈ کس قسم کا انسان ہے؟ بشپ نے جواب دیا کہ میں تو انصاف کی بات ہی کہوں گا وہ یہ کہ دنیا بھر کے عیسائی شہسواروں میں کوئی بھی شجاعت اور فیاضی میں اس کے برابر نہیں۔ وہ ہر طرح سے تمام صفات میں ممتاز ہے۔ مختصر یہ کہ میری حقیر رائے میں اگر کوئی حضور والا کے گناہوں پر تبصرہ کرتے ہوئے آپ کی صفات کا رچرڈ کی صفات سے موازنہ کرے اور پھر دونوں کی صفات کو جوڑے تو دنیا بھر میں کوئی اور دو شخص آپ دونوں کا مقابلہ نہیں کرسکیں گے۔ اس شاعرانہ مداح سے سلطان خاصا محظوظ ہوا۔ اس نے کہا: یہ تو میں پہلے ہی جانتا تھا کہ آپ کا بادشاہ اعلیٰ ترین عزت وشجاعت کا حامل ہے لیکن اگر وہ احمق نہیں تو لاپرواضرور ہے کیونکہ اکثر وہ خود کو خطرے میں ڈالتا ہے۔ وہ اپنی زندگی کی کوئی قدر نہیں کرتا۔ لیکن میں؟ چاہے میری سلطنت کتنی ہی وسیع کیوں نہ ہو میں تو غیر ضروری خطرات اور جلد بازی پر عقل واعتدال سے فراوانیٔ دولت کو ہی ترجیح دوں گا۔

شام گزرنے کے ساتھ ساتھ ان دونوں میں باہمی خلوص واعتماد بھی بڑھتا گیا۔ آخر سلطان نے بشپ کو دعوت دی کہ وہ اس سے مانگے جو چاہتا ہے وہ اسے دیا جائے گا۔ ایسی اہم دعوت پر بشپ نے سلطان سے اجازت مانگی کہ اسے ایک رات اس پر سوچنے کا موقع دیا جائے۔ دوسرے روز صبح جب وہ پھر دربار میں حاضر ہوا تو اس نے شکایت کی کہ مرقد مقدس کی زیارت کی ذمہ داری شامی پادریوں کے سپرد ہے جو بے ایمان ہیں' ان کی جگہ دو لاطینی پادری جو چرچ کی طرف سے اس خدمت کے اہل ہوں اور ان کے ساتھ دو مددگار پادری بھی ہوں جو عیسائیت کے اس مقدس ترین مقام کی خدمت ونگرانی کے لئے تعینات کئے جائیں۔ اور اتنے ہی پادری

Nazareth اور Bethlehem پر بھی مقرر کئے جائیں۔" یہ بہت اہم درخواست ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ یہ خدائے تعالیٰ کو راضی کرے گی۔" بشپ نے ان الفاظ سے اپنی درخواست پیش کی جسے سلطان نے بلا پس و پیش فوراً منظور کر لیا۔

موسم سرما کی آمد پر صلاح الدین دمشق جانے کے لئے بے قرار تھا۔ یہ اس کا محبوب شہر تھا جہاں اس کا سارا خاندان آباد تھا۔ نابلوس ہوتے ہوئے وہ بحرِ گلیلی (Galilee) کے جنوبی دائرے پر واقع اس سنگین قلعہ کی جانب روانہ ہوا جسے صلیبیوں نے تعمیر کیا تھا اور جسے وہ Belvoir (بلوا) کہتے تھے لیکن صلاح الدین اسے کوکب کے نام سے جانتا تھا۔ فتح ہونے تک مسلمان اس قلعہ کو ایک ایسی ناقابلِ حصول دوشیزہ سے تشبیہ دیا کرتے تھے کہ جس سے نسبت یا شادی کرنا ناممکن ہے۔ درحقیقت انہوں نے تمام صلیبی اہم قلعوں کو صنفِ نسواں بنا دیا تھا گویا ان کی فتح ایک حسینہ سے عشق یا پھر بالجبر اسے حاصل کرنا تھا۔ وہ سب ایسی حسینائیں تھیں جنہیں یا تو ان کی مرضی سے حاصل کیا جائے یا پھر جبراً۔ ہر صورت میں انہیں حاصل کرنا ہی تھا۔ Belvoir کو فتح کر کے سلطان نے اس تاریخی شاہراہ پر اطمینان سے نظر ڈالی جس سے گزر کر وہ Hattin کی شاندار جنگ کے لئے گیا تھا۔ اور اس وادی کے مقابل ہی Qal'at Ajrin تھا جو اس نے ۱۱۸۴ء میں Belvoir کے جواب میں تعمیر کرایا تھا۔ بلوا یا کوکب کے قلعہ کا معائنہ کرنے کے بعد بالآخر وہ نومبر ۱۱۹۲ء میں دمشق پہنچا جہاں اس کی رعایا نے بڑے جوش و خروش سے اس کا خیر مقدم کیا۔ تمام سڑکوں اور گلیوں میں اس کی سواری کے ساتھ عوام کا ہجوم تھا۔ شعراء نے اپنے محافظ کی شان میں خوب قصیدے پڑھے۔ ایک نے لکھا ہے: "اس نے سب پر انصاف کے پر پھیلائے اور ابرِ سخاوت سے اپنے لوگوں پر تحفوں اور سوغات کی بارش کی۔" یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ یہ شہر اسے کیوں اتنا پیارا تھا۔ یہ دنیا کی قدیم ترین آبادی ہونے کے ساتھ ساتھ ملکِ شام کا حسین ترین شہر بھی تھا۔ شہر کیا یہ تو دراصل ایک زبردست نخلستان تھا جو Ghutah کے وسیع میدان میں دریائے Barada کی آب پاشی سے زرخیز ہوا تھا۔ اس شہر کے کچی اینٹوں کے مکانات اتنے قدیم

تھے کہ روایات کے مطابق وہ حضرت نوح علیہ السلام کے دور سے بھی پہلے موجود تھے۔ یہاں بکثرت کتب خانے اور محلات تھے۔ یہاں کی جامع مسجد اپنے لاجواب Musaic کے کام سے دنیائے اسلام میں بے مثال تھی۔ اور اس کا قلعہ سلطان کو اپنی ساری سلطنت میں سب سے زیادہ محبوب تھا۔ اس بارے میں ایک عرب سیاح ابن جبیر یوں لکھتا ہے: ''اس کے گرد باغات چاند کے ہالے کی مانند ہیں جن کے درمیان شہر ایک پھول معلوم ہوتا ہے۔'' واقعی یہ شہر فردوسِ مشرق تھا جیسا کہ ایک مثل مشہور تھی کہ ''اگر فردوس زمین پر ہے تو بلاشبہ یہ دمشق میں ہے۔ اور اگر فردوس آسمان میں ہے تو دمشق زمین پر اس کا جواب ہے۔'' اسی فردوس میں اس کا سارا خاندان اس سے ملنے کے انتظار میں تھا۔ اس کا بھائی ملک العادل الکیراک۔ (Al- Kerak) کے قلعہ کا دورہ کر کے واپس آ گیا تھا اور دریائے فرات کے اس پار اپنی جدید حکومت کے علاقے کو روانگی سے پہلے دمشق میں اس سے ملنے کا منتظر تھا۔ اس کا بیٹا ملک الظاہر الیپو سے آیا تھا اور اس کے دوسرے دو بیٹے بھی خاندان کے ساتھ جمع ہو گئے تھے۔ اعلیٰ درجے کی ضیافتیں کی گئیں اور شہر سے بیس میل دور Ghabagheb کے علاقہ میں جہاں بکثرت ہرن پائے جاتے تھے شکار کا انتظام کیا گیا۔ شعر و شاعری اور موسیقی کی محفلیں منعقد ہوئیں۔ لیکن بیویوں' کنیزوں، بیٹوں اور پوتوں کے درمیان سلطان کو اپنی ضعیف العمری کا بھی احساس ہوا۔ اسے خصوصاً ایک نظم پسند تھی جس میں بوڑھے مردوں کے بالوں پر خضاب لگانے کا ذکر ہے: ''یہ تو حقیقت ہے کہ سفید بال خوش رنگ نہیں ہوتے لیکن انہیں چھپانے کے لئے تو خضاب نہیں لگایا جاتا۔ نہیں خضاب لگا کر جوانی کی موت پر سیاہی سے ماتم کیا جاتا ہے۔'' یہ شعر پڑھتے ہوئے وہ خاص طور پر ''جوانی کی موت'' پر زور دیا کرتا تھا اور کہتا تھا: ''ہاں بخدا جوانی مر گئی''۔ تاہم اس خوشگوار خاندانی ماحول میں وہ بحال ہوتا معلوم ہوا۔ اس نے اپنے وزیر سے دریافت کیا کہ گزشتہ سالوں میں جنگ کی مجبوری سے اس کے کتنے روزے ناغہ ہوئے ہیں۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ اب اس فریضے کو ادا کرے۔ جب صلیبیوں کے نمائندوں کا ایک گروہ اس سے ملنے آیا تو وہ یہ دیکھ کر نہایت محظوظ ہوا کہ بچے ان کے منڈھے ہوئے چہرے

تراشے ہوئے بال اور مسخرانہ مغربی وضع کے لباس دیکھ کر ایسے خوفزدہ ہوئے کہ پردوں کے پیچھے چھپ گئے۔ پھر بھی کم از کم بیتاک Mel Ric (رچرڈ شیر دل) تو ان میں موجود نہ تھا۔ فلسطین میں مائیں بچوں کو یہ کہہ کر ڈراتی تھیں کہ اگر تم کمرہ صاف نہیں کرو گے تو Mel Ric تمہیں پکڑ لے گا۔

موسم سرما میں مسلسل زوردار بارشیں ہوتی رہیں اور سارے راستے کیچڑ پانی سے دلدل بن گئے۔ اس اثناء میں سلطان دماغی سکون سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ ہفتوں تک اس نے دعوتیں بند کر دیں اور دودھ میں اُبلے ہوئے چاول اور کچھ ہلکی غذا کے علاوہ کسی اور کھانے کی خواہش نہیں کی۔ یہاں تک کہ اب مکہ معظمہ جانے تک کا ذکر بھی ختم کر دیا۔ اس کی علالت کے ابتدائی آثار ہی میں اس کے کاتب اور مشیر خاص بہاء الدین کو یروشلم سے طلب کیا گیا لیکن راستوں کے خراب ہونے کی وجہ سے اسے دمشق پہنچنے میں نو دن لگ گئے۔ جب وہ حاضر ہوا تو اس نے اپنے آقا کو نہایت کمزور پایا۔ ایسا معلوم ہوا کہ وہ بدہضمی کا شکار ہے۔ جب بہاء الدین سلطان کے ہمرکاب حج سے واپس آنے والوں کو خوش آمدید کہنے شاہراہِ حج گیا تو اسے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ سلطان اپنا حفاظتی لبادہ نہیں پہنے ہوئے تھا۔ یہ فراموشی قطعاً اس کی عادت کے خلاف تھی؛ وہ خود کو کبھی غیر ضروری طور پر خطرے میں نہیں ڈالتا تھا اور اسے ہمیشہ ذاتی حفاظت کا لحاظ تھا۔ خصوصاً حشیشین کے قاتلانہ حملے کے بعد سے تو وہ خاص طور پر احتیاط کرتا تھا۔ جب بہاء الدین نے اس طرف سلطان کی توجہ دلائی تو اس نے ایسے جواب دیا گویا وہ خواب میں ہو۔ اس نے کہا کہ "اس نے خادم کو پکارا تو تھا مگر وہ ملا ہی نہیں۔" بہاء الدین کو یہ سن کر سخت اندیشہ ہوا کہ سلطان کسی چیز کو طلب کرے اور وہ اسے نہ ملے۔ یہ تو صریحاً بدشگونی تھی۔ وہ لکھتا ہے کہ "اپنے آقا کی اس حالت کو دیکھ کر سخت پریشان و غمگین ہوا۔" صلاح الدین کی یہ سستی فروری کے آخر تک بیماری بن گئی اور وہ دمشق کے قلعہ میں صاحب فراش ہو گیا لیکن ایسی حالت میں بھی وہ اپنے مشیروں سے خوشی کا برتاؤ کرتا رہا۔ اب وہ کھا نہیں سکتا تھا اور بمشکل ہی کچھ پی سکتا تھا۔ ایک دفعہ ایک خادم کچھ گنگنا پانی لایا

مگر اس نے واپس کر دیا کہ وہ بہت گرم ہے۔ جب دوبارہ ایک اور گلاس میں پیش کیا گیا تو اسے بھی واپس کر دیا کہ یہ زیادہ ٹھنڈا ہے۔ اس نے شکایتاً کہا: یا خدا کیا اس ملک میں کوئی ایسا بھی نہیں کہ ٹھیک پانی پلا سکے؟ بہاء الدین نے آب دیدہ ہو کر منہ پھیر لیا اور کہا کہ مسلمان بھی کس عظیم شخصیت سے پیار کرتے ہیں۔ اگر اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو پانی کا پیالہ لانے والے کے سر پر مار دیتا۔ اس کا طبیب کئی دن اس کے پاس نہ آیا گویا وہ یہ پیغام دینا چاہتا تھا کہ اب مرض لاعلاج ہے۔ اس کی اطلاع فوراً شہر میں پھیل گئی اور امن وامان برقرار رکھنے کے اقدامات کئے جانے لگے۔ تاجروں نے لوٹ مار کے ڈر سے دکانیں بند کر دیں۔ اس کے بڑے بیٹے ملک الافضل نے والد کی عدم موجودگی میں تخت شاہی پر جگہ لی اور امیروں سے وفاداری کے حلف لینا شروع کر دیئے جس سے بہت سے لوگوں کو افسوس ہوا کیونکہ اسے عدم تعظیم اور بے مرّوتی سمجھا گیا۔ دمشق اور سیہوّن کے گورنر تو فوراً آمادہ ہو گئے اور باقی نے بھی ان کی پیروی کی جن میں تین کرد سردار بھی شامل تھے۔ داغدار (کھترے) المشتوبؔ اس شرط پر راضی ہوا کہ اسے ایک بڑی جاگیر دی جائے۔ ایک اور امیر اس شرط پر راضی ہوا کہ ملک الافضل اسے کبھی اس کے دوسرے بھائیوں کے خلاف تلوار اٹھانے پر مجبور نہیں کرے گا۔ جبکہ صلاح الدین کا خون بہہ رہا تھا اور وہ باجرے کے پانی کو پینے کی کوشش کر رہا تھا اس کے امیر اس کے بیٹے کے حضور میں حلف وفاداری اُٹھا رہے تھے۔ یہ ایک خاص قسم تھی جسے "تہرا حلف" کہا جاتا تھا: "میں حلف اُٹھاتا ہوں کہ اگر میں اس کے خلاف کام کروں تو (۱) میری بیویوں کو طلاق ہو جائے۔ (۲) میرے سب غلام آزاد ہو جائیں اور (۳) میں ننگے پاؤں پیدل حج کو جاؤں۔

صلاح الدین کی علالت کے دسویں دن اس کا معدہ صاف کیا گیا جس سے اسے کسی قدر آرام ملا اور وہ کچھ زیادہ باجرہ کا پانی پی سکا۔ یہ بہت اچھی علامت تھی۔ جلد ہی اس کے پاؤں پر پسینہ آیا۔ اس قدر شدّت سے کہ اس کا بستر شرابور ہو گیا۔ اس کے طبیب بھی یہ حالت دیکھ کر متعجب ہوئے۔ کیا واقعی یہ ایک معجزہ تھا؟ لیکن بارہویں دن اس کی حالت پھر بگڑ گئی اور اب اس کی

دماغی حالت بھی گرنے لگی۔ جب اس کے شیخ نے کلام پاک کی تلاوت کرتے ہوئے سورۃ ۵۹ کی بائیسویں (۲۲) آیت پڑھی: ''وہ ہی اللہ ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور خدا نہیں جو ظاہر و باطن کے راز جانتا ہو'' تو مریض نے آہستہ سے کہا: ''یہ سچ ہے۔'' کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے علم بردار کو بلوایا جو اس کی اہم جنگوں میں اس کا پرچم اٹھاتا تھا اور اس سے کہا: ''تم نے ہمیشہ میرا پرچم جنگ سنبھالا ہے اب تمہیں میرا پرچم موت بھی تھامنا ہوگا۔ میری موت کے بعد تم اس جھنڈے پر ایک حقیر کپڑے کا چیتھڑا باندھنا اور دمشق کی گلیوں اور بازاروں میں یہ اعلان کرنا کہ دیکھو موت آنے پر مشرق کا یہ بادشاہ صرف یہ چیتھڑا ہی لے جا سکا۔''

۴؍مارچ ۱۱۹۳ء کو سلطان کا انتقال ہو گیا۔ اس کے ایک کاتب نے لکھا ہے: ''اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے اور اس کی روح کو طہارت بخشے کیونکہ وہ اس دنیا کی زینت اور رونق تھا۔'' دستور کے مطابق اس کی لاش کو نہلا دھلا کر کفن پہنایا گیا۔ اس کے ذاتی کپڑے جن میں اس کی زرد جیکٹ جس کے سیاہ امتیازی کف تھے' بھی شامل تھی' احتیاط سے طے کر کے علیحدہ رکھ دیئے گئے۔ کفن دفن کے انتظامات مشکل تھے کیونکہ اس کی موت کے بعد پتہ چلا کہ اس شہنشاہ نے نہ تو کوئی قطعہ اراضی چھوڑا نہ کوئی جائیداد۔ جب شاہی تجوری کھولی گئی تو اس میں سے بھی سونا' چاندی یا زر و جواہر نہیں' ملے البتہ صرف چھیالیس (۴۶) نصرانی درہم جن کی قیمت ایک انگریزی پاؤنڈ سے بھی کم تھی' برآمد ہوئے۔ مجبوراً دفن کے اخراجات کے لئے اس کے لوگوں کو قرض لینا پڑا۔ بلکہ اس کے مقبرے کی کچی اینٹوں کو بنانے کے لئے بھوسہ کے لئے بھی پھر قرض مانگنا پڑا۔ جنازے کو ایک دھاری دار چادر سے ڈھانک دیا گیا اور عصر کی نماز سے پہلے اسے شاہی محل سے متصل باغ میں جہاں اس نے علالت کے آخری دن گزارے تھے' سپرد خاک کر دیا گیا۔ اس کے وفادار کاتب و مشیر نے لکھا ہے: ''قلعہ، شہر بلکہ ساری دنیا ہی ایسے ماتم میں مبتلا ہو گئی جس کا اندازہ صرف خدا ہی کر سکتا ہے۔'' دمشق کی ساری سڑکیں اور گلیاں گریہ وزاری کرنے والوں سے بھر گئیں۔ انتقال ہونے کے ۲۴ گھنٹوں بعد تک صرف امراء اور فقہاء ہی کو قلعہ میں جانے کی اجازت دی گئی۔ اس کے

بیٹے بھی باہر نکل کر ماتم کرنے والوں میں شامل ہو گئے جیسے کہ قرآن مجید میں آیا ہے: ''ان کے کلیجے منہ کو آنے لگے''۔ دوسرے دن ملک الافضل نے عوام کو بھی قلعہ میں آنے کی اجازت دی۔ ابتداً تو شعراء کو مرحوم کی شان میں قصیدہ گوئی کی ممانعت کی گئی کیونکہ سلطان قطعاً شیخی اور خودنمائی کے خلاف تھا بلکہ اس کے کردار کی سب سے بڑی خصوصیت تو اس کا انکسار تھا جس کی وجہ سے لوگ اس سے اتنا پیار کرتے تھے۔ اس نے قاہرہ میں تین مدرسہ عالیہ (یونیورسٹی) اور ایک ہسپتال بنوائے۔ یروشلم میں ایک مدرسہ عالیہ اور ایک ہسپتال بنوایا اور دمشق میں دو مدرسۂ عالیہ بنوائے لیکن ان میں سے کسی پر بھی اس کا نام نہیں تھا۔ لہٰذا کہا جاتا ہے کہ ''وہ اللہ تعالیٰ کا مشکور تھا کہ اس نے صلاح الدین کو اس دنیاوی نمائش سے بچایا۔''

وہ کس قدر رچرڈ سے مختلف تھا۔ غم زدہ بہاء الدین جس نے ساری زندگی اس عظیم شخصیت کے کارنامے قلم بند کرنے میں ہی صرف کر دی اس کی موت کے بعد لکھتا ہے: ''وہ لوگ اور برسیں گزر گئیں اور اب وہ لوگ اور برسیں خواب وخیال معلوم ہوتے ہیں۔'' لیکن بعد میں مدح سرائی اور قصیدہ گوئی کی بارش ہونے لگی۔ ایک لکھتا ہے کہ ایسی وسیع سلطنت اور مملکت کے باوجود بھی سلطان نہایت رحم دل اور منکسر المزاج تھا۔ ایک اور لکھتا ہے کہ صلاح الدین نہایت رحم دل انسان تھا اور ہر شخص سے صبر اور خوش اخلاقی سے پیش آتا تھا۔ وہ عالموں اور متقیوں کو دوست بناتا تھا اور انہیں اپنی محفلوں میں شامل کرتا تھا اور ان کے ساتھ فیاضی کا برتاؤ کرتا تھا۔ بالآخر شاعروں کو بھی پوری اجازت مل گئی۔ لیکن قصیدہ گوئی نہایت مشکل کام تھا جس میں سخت ادبی بندشیں اور معیار تھے جنہوں نے عربی شعرا کو صدیوں تنگ کیا اور مفلوج رکھا لیکن اس کی ایک کامیاب مثل یوں ہے: ''میں تیرے زرد پرچم پر فتح دیکھتا ہوں۔ پس آگے بڑھ اور دنیا فتح کر۔ تو اس لائق ہے۔'' خیر دنیا تو اس نے فتح نہیں کی لیکن پھر بھی اس کی موت پر اس کی سلطنت لیبیا سے دریائے دجلہ اور بحر ہند سے Caspian Sea تک پھیل گئی تھی۔ صلاح الدین کے انتقال کے تین سال بعد اس کی لاش قلعہ کے باغیچہ سے نکال کر دمشق کی جامع مسجد کے شمال میں ایک مقبرے میں دفن کی گئی۔

مقبرے کا گنبد ایک گرجا گھر کی طرح معلوم ہوتا ہے جس کی بڑی کھڑکی اس کی قائم کردہ یونیورسٹی کی جانب کھلتی ہے۔ وہاں سنگ مرمر پر یہ الفاظ کندہ ہیں:

"اے قادر مطلق اس کی روح قبول فرما اور اس پر جنت کے دروازے کھول دے۔ یہی وہ آخری فتح ہے جس کی اسے امید تھی۔"

Durstetn ایک خوشنما قلعہ تھا جو ویانا سے مغرب میں ساٹھ میل دور دریائے ڈینوب سے اوپر ایک پہاڑی کی چٹان پر تعمیر کیا گیا تھا۔ یہ علاقہ Wachau (واخاؤ) کے نام سے مشہور تھا۔ اس کی بالائی منزل پر مضبوط چوکور مینار تھے اور اس کی چھت اہرام مصر کی طرح تھی۔ یہ قلعہ رومن طرز تعمیر کے مطابق بنایا گیا تھا۔ میناروں سے منسلک ایک فصیل تھی جو قلعہ کے بنیادی حصہ کو محفوظ کرتے ہوئے پہاڑی کے نشیب میں نیچے دریا کے کنارے تک پہنچ گئی تھی جہاں اس کے درمیان ایک چھوٹا سا گاؤں بھی تھا۔ Leopold نے اس قلعہ کو رچرڈ کا قید خانہ بنانے کے لئے منتخب کیا تھا جس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ وہ اپنے سردار سے اپنی وفاداری ثابت کرنا چاہتا تھا اور دوسری وجہ اس قلعہ کا دشوار گزار محل وقوع تھا۔ لیوپولڈ کا سردار Hadmar II تھا اس کا لقب Kurin Ger (بہادر جانباز) تھا اور واقعی اس دور میں آسٹریا کے ایک سردار کو بہادر ہونا نہایت ضروری تھا۔ لیوپولڈ کا علاقہ اُس زمانے کے ہنگری کے وحشی ایشیائی سواروں کے دفاع کے لئے اوّل مورچہ تھا۔ رچرڈ کو اس خطرناک مقام پر رکھا گیا' جہاں ہر وقت برہنہ شمشیر بدست پہرہ دار تعینات رہتے تھے۔ البتہ اس توہین کے علاوہ اس کے ساتھ شاہانہ سلوک کیا گیا۔ اسے تفریح طبع کے لئے خدام اور موسیقار رکھنے کی اجازت تھی اسے عمدہ کھانا بلکہ Wachau کی مشہور انگور کی شراب بھی نہایت فراوانی سے پیش کی گئی تھی۔ گو کہ بعد میں اس کے لوگوں نے اس کے ساتھ بدسلوکی کی شکایت کی لیکن حقیقت یہ ہے کہ نہ تو اسے کبھی ہتھکڑیاں، بیڑیاں پہنائی گئیں اور نہ ہی کسی اور طرح سے تکلیف دی گئی۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ رچرڈ نے تو اپنے چوکیداروں کے

ساتھ دوستی کا تعلق قائم کرلیا تھا اور مختلف لطیفوں اور جنگی کھیلوں سے ان کے ساتھ دل بہلاتا تھا۔ بعد میں مصنفوں نے ان لطیفوں اور کشتی کے مقابلوں کو بچوں کی کہانیوں کے لئے ناکافی سمجھتے ہوئے اس قید کو بھی ایک شاندار جنگی مقابلہ بنانے کی کوشش کی ہے۔ اس ڈرامے میں آسٹریا کے سردار لیوپولڈ اور اس کے ماتحتوں کو ایک خبیث کردار دیا گیا ہے۔ ایک من گھڑت کہانی میں تو کہا گیا ہے کہ ایک دفعہ ڈیوک کے نانہجار لڑکے نے رچرڈ کے ساتھ Pluck Buffet کا کھیل کھیلا۔ اس کھیل کا تعلق قدیم یونان تک پہنچتا ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کو گرفتار کر کے روم کے سپاہیوں نے ان کی آنکھوں پر پٹی باندھی، پھر ہر ایک نے ان کے تھپڑ لگائے اور پوچھا ''بتا تجھے کس نے مارا؟'' یہاں اس کھیل میں ایک مخصوص جرمن رنگ بھی ملایا گیا جس میں پہلے ایک شخص ضرب لگاتا ہے، اگر ضرب کھا کر دوسرا شخص نہیں گرا تو پھر وہ اس ضرب لگانے والے کے ایک ضرب لگاتا ہے۔ ڈیوک کا بیٹا بھی رچرڈ ہی کی طرح ایک طاقتور اور قدآور انسان تھا اور بہ حیثیت ایک سردار کے سب سے پہلے مکّہ مارنے کا اسی کا حق تھا۔ جب اس نے مکّہ مارا تو رچرڈ بظاہر بہت لڑکھڑایا مگر گرا نہیں۔ اس نے جوابی حملہ کی معذرت چاہی اور کہا کہ خراب کھانے کی وجہ سے آج اس میں طاقت نہیں ہے، اسے اجازت دی جائے کہ وہ کل اپنا بدلہ لے۔ اس کا احمق مخالف اس پر راضی ہو گیا۔ رچرڈ نے خوب مقوی کھانا اور گوشت وغیرہ کھایا اور رات بھر اپنی کلائی پر مالش کی۔ دوسرے دن جب اس نے اپنی باری کے مطابق ڈیوک کے بیٹے کو مکّہ مارا تو اس کا جبڑا توڑ دیا اور وہ جلد ہی مر گیا۔ اس سے بھی بڑھ کر ایک اور بے پر کی داستان بیان کی گئی ہے جو لیوپولڈ کی حسین بیٹی کے متعلق ہے۔ یہ حسینہ رچرڈ سے ملنے کو بیتاب تھی، وہ اس سے ملنے ایک رات اس کے حوالات گئی۔ وہاں اس نے تمام قوائین کے خلاف پہلے تو رچرڈ کی خوب مٹھائیوں اور شراب وغیرہ سے تواضع کی اور پھر اسے ایک افسر کا بھیس بدل کر اپنے ساتھ اپنی خواب گاہ میں لے گئی۔ یہاں رچرڈ کی جنسی رغبت کو بھی نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ لامحالہ اس معاملہ کا بھانڈا پھوٹ جاتا ہے اور قیدی کو عدالت

کے روبرو پیش کیا جاتا ہے۔ حالانکہ خبیث ڈیوک تو یہ چاہتا تھا کہ اس کا سر فوراً قلم کر دیا جائے مگر جج کو اس سے بہتر خیال آئے۔ آخر رچرڈ کو شیر دل کہا جاتا تھا چنانچہ ڈیوک کے ایک زبردست شیر کو خوب بھوکا رکھا جائے اور پھر اسے رچرڈ کے حوالات میں چھوڑ دیا جائے۔ تب یہ پتہ چل جائے گا کہ ان میں سے کون شیر دل ہے۔ یہ خوفناک خبر سن کر ڈیوک کی بیٹی سخت پریشان ہوگئی اور بھاگ کر رچرڈ کے حوالات میں گئی اور اسے فرار ہونے میں مدد کرنے کی پیش کش کی۔ لیکن بہادر رچرڈ نے اسے رد کر دیا البتہ اس نے یہ استدعا کی کہ شہزادی اسے اپنے دل پسند چالیس معطر رومال دے جو اسے فوراً فراہم کئے گئے۔ وقت مقررہ پر رچرڈ اپنے ہاتھوں پر مضبوطی سے ریشمی رومال باندھ کر شیر سے مقابلے کے لئے کھڑا ہوگیا۔ جونہی شیر نے اس پر حملہ کیا رچرڈ پھرتی سے پینترا بدل کر ایک طرف ہوگیا اور گزرتے ہوئے شیر کے جسم پر ایک زبردست مکّہ لگایا۔ اس توہین پر حیوانوں کا بادشاہ اور بھی غضب میں بھر گیا اور مڑ کر دھاڑتا ہوا پھر حملہ آور ہوا۔ رچرڈ نہایت تیزی سے آگے بڑھا اور اس نے شیر کے کھلے ہوئے منہ میں پورا ہاتھ ڈال کر اس کا دل نکال لیا۔ شیر فوراً گر کر مر گیا۔ اب اس داستان کے مطابق رچرڈ نے پہلے تو خدا تعالیٰ کا عاجزی سے شکر ادا کیا پھر وہ خبیث ڈیوک کی کھانے کی میز پر پہنچا جہاں اس نے شیر کے دل کو نچوڑ کر اس پر نمک چھڑکا اور اسے کھا گیا۔ اگرچہ یہ رچرڈ کی قید کی سب سے شاندار کہانی ہے مگر پھر بھی یہ سب سے زیادہ مشہور نہیں۔ یہ امتیاز ایک اور کہانی کو پہنچتا ہے جس کے ذریعے پتہ چلا کہ رچرڈ کو کہاں قید رکھا گیا ہے۔
اس عوامی داستان کے مطابق رچرڈ کی ملکہ Berengaria کسی نہ کسی طرح بالآخر انگلستان پہنچ گئی جہاں وہ حسرت و غم سے نڈھال ہو کر آکسفورڈ شائر کے قلعہ میں محفوظ ہوگئی۔ وہاں اس کے ساتھ رچرڈ کا پرانا چہیتا ساتھی، موسیقار اور شاعر Bondel بھی تھا۔ اس نے لڑکپن میں بادشاہ کے ساتھ سیر و شکار میں خوب وقت گزارا تھا اور بہت سے عشق و محبت کے گیت بھی لکھے تھے جن میں ایک گیت Cuer Disirrous (دل بے قرار) کافی مشہور تھا۔ جیسے جیسے وقت

گزرتا گیا ملکہ کی بے قراری بھی بڑھتی گئی' یہاں تک کہ Bondel کسی طرح اس کا دل نہیں بہلا سکا۔ آخر اس نے ملکہ سے کہا کہ اب رونے دھونے سے کام نہیں چلے گا اب تو عمل کا وقت آ گیا ہے' جہاں فوجی اور سیاسی تدبیریں ناکام رہتی ہیں وہاں فنون لطیفہ کام آتا ہے۔ چنانچہ وہ بذاتِ خود رچرڈ کے قیدخانہ کا کھوج نکالنے چل پڑا۔ راستہ بھر وہ اپنے مخصوص عشق ومحبت کے گیت گاتا رہا۔ بالآخر وہ دریائے ڈینوب کی وادی میں پہنچا جہاں وہ ہر قلعہ سے گاتا ہوا گزرتا گیا' یہاں تک کہ Durnstein قلعہ کی بلند وبالا فصیلوں تک آ پہنچا۔ وہاں اس نے بلند آواز سے ایک مخصوص شعر گایا۔ یکایک قلعہ کی بلند کھڑکی کے جھروکوں سے اس کے جوابی شعر کی آواز بلند ہوئی' اس کے ساتھ ہی اس شاہی قیدی نے وہ خاص نعرہ مارا جو کبھی شکار کے موقع پر وہ مارا کرتا تھا۔ جب Blondel نے اپنے رفیق اور بادشاہ کی آواز سنی تو وہ خوشی سے اُچھل پڑا۔ پھر کیا ہوا' اس کے بارے میں بہت سی مختلف کہانیاں ہیں جن کا ذکر صدیوں سے کیا جارہا ہے۔ بہر حال کچھ بھی ہوا ہو' رچرڈ کے قیدخانہ کا پتہ Blondel ہی نے نکالا اور وہی اسے لے کر انگلستان آیا۔ بہر حال ۱۱۹۳ء کے موسم بہار تک رچرڈ کے حالات یورپ کے تمام درباروں میں معلوم ہوگئے کہ ایک شہنشاہ نے ایک بادشاہ کو بطور یرغمال قید کیا ہوا ہے۔ یہ بڑی اہم خبر تھی جس سے سارے براعظم میں تہلکہ مچ گیا اور سیاسی کوششیں بہت شدید ہوگئیں جن کا مقناطیسی مرکز لامحالہ پوپ Celestine iii بن گیا اور وہ اپنی سستی اور بے عملی کی بناء پر سخت تنقید کا نشانہ بھی بنا۔ رچرڈ کو اب گھر خط لکھنے کی اجازت دے دی گئی۔ Canterbury کا چرچ انگلینڈ کا سب سے متمول گرجا گھر تھا۔ رچرڈ نے وہاں کے پادری اعلیٰ کو ۲۶ر مارچ کو خط لکھا جس میں اس نے اپنی قید کی حالت کو قابل برداشت بتایا مگر ساتھ ہی اس نے یہ پریشان کن خبر بھی دی کہ مقدس رومی سلطنت (Holy Roman Empire) کے شہنشاہ اور جرمن بادشاہ (Henry VI) ہنری ششم نے اسے آسٹریا کے Leopold سے خرید لیا ہے اور اب وہ اس کی رہائی کے لئے ایک لاکھ

سکۂ رائج الوقت نقرئی طلب کر رہا ہے۔ یہ کوئی معمولی رقم نہیں تھی گو کہ اسے ایک بادشاہ کی رہائی کے لئے شاہی رقم تو کہا جاسکتا ہے لیکن یہ انگلستان کے شاہی خزانہ کا نصف حصہ تھا۔ رچرڈ نے درخواست کی کہ اسے یہ رقم جتنی بھی ممکن ہو بطور قرض دی جائے اور باقی کے لئے چندہ جمع کرانے کی کوشش کی جائے۔ حالانکہ مطلوبہ رقم شاہانہ معیار کے مطابق ہی تھی لیکن شہنشاہ ہنری کا رویہ غیر شریفانہ تھا۔ اس کی یہ انگلستان کا دیوالیہ نکالنے کی کوشش تھی اور ساتھ ہی جرمنی کو طاقتور اور مالدار بنانا تھا۔ اسی کشمکش میں جبکہ انگلستان اس غیر معمولی مطالبہ سے نبٹنے کی کوشش کر رہا تھا رچرڈ کی ماں Eleanor of Aquitaine نے اہم ترین مراسلاتی جدوجہد کا سلسلہ شروع کیا۔ وہ اس وقت لندن میں تھی اور اپنے چھوٹے بیٹے John (جو رچرڈ کی عدم موجودگی میں اس کا قائم مقام تھا) کو قابو میں رکھنے کی کوشش کر رہی تھی اور اس نے پوپ کو تین خط لکھے جن میں اس نے اپنی بہو غیر اہم Berengaria کو مطلق نظر انداز کرتے ہوئے خود کو بڑی شان سے ملکۂ انگلستان پیش کیا اور ساتھ ہی لاچار اور غمزدہ ماں بھی بتایا جس کا بیٹا خدا اور چرچ کے خلاف ایک سازش کا شکار ہے۔ اس نے لکھا کہ انگلستان کا بادشاہ ہر طرف سے پھنس گیا ہے، ذرا اس کی حالت زار اور اس کی سلطنت کی تباہی اور اس ظالم کی بے دردی کا تصور کیا جائے (یعنی شہنشاہ ہنری ششم) جس نے اسے اپنی حرص و کمینگی کی بناء پر قید کر لیا ہے ایک ایسے شخص کو جو چرچ اور خدا کے زیر حفاظت ارض مقدس سے جہاد کے بعد گھر واپس ہو رہا تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ الینور (Eleanor) کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ ہنری نے رچرڈ کو لیوپولڈ سے خرید لیا ہے اور اب اسے زیادہ سے زیادہ قیمت پر فروخت کرنا چاہتا ہے کیونکہ اس نے اپنے ایک خط میں اشارۃً یہ بھی لکھا تھا کہ ہنری نے رچرڈ کو محض اس لئے خریدا تھا کہ اسے زیادہ منافع سے بیچ سکے۔ الینور نے پورے جوش و خروش، غیظ و غضب اور در پردہ دھمکیوں سے پوپ کے روبرو اپنا مقدمہ پیش کیا۔ اس نے احتجاجاً لکھا کہ پوپ نے ایک نمائندہ بھی ہنری کے پاس نہیں بھیجا۔ اس نے حیرت کی کہ نارمنڈی

کے بشپ کی طرح پوپ نے اس گستاخ و نافرمان شہنشاہ اور اس کے پالتو کتے (لیوپولڈ) کے خلاف کیوں نہ سینٹ پیٹر (Peter) کی شمشیر انتقام میان سے کھینچی؟ آخر اس مقدس روح کی تلوار فرمانِ الٰہی ہے۔اس دنیا کے بادشاہوں اور شہزادوں نے میرے اس بیٹے کے خلاف سازش کی جسے خدا نے تلوار بنایا ہے۔کوئی اسے زنجیروں میں جکڑتا ہے تو کوئی اس کے ہاتھ توڑتا ہے۔ کوئی اسے ایڑیوں سے پکڑ کر کھینچتا ہے تو کوئی اس پر کوڑے برساتا ہے۔ یہ سب کچھ ہو رہا ہے لیکن سینٹ پیٹر کی تلوار نیام میں آرام کر رہی ہے۔اس نے لکھا کہ افسوس ہے مجھے آج پتہ چلا کہ آپ کے عزت مآب نمائندوں (Cardinals) کے وعدے فضول ہیں جیسا کہ عقلمند کہتے ہیں ''پیڑوں کی قیمت ان کے پتوں یا پھولوں سے نہیں بلکہ ان کے پھلوں سے ہوتی ہے۔'' آج مجھے اس کی صداقت معلوم ہوئی۔اس نے کیتھولک فرقہ کی تفریق کی دھمکی دیتے ہوئے لکھا ''اب وہ فیصلہ کن وقت قریب ہے جب حضرت عیسیٰ کا لبادہ کرایہ پر دے دیا جائے گا، جب سینٹ پیٹر کے عہد کو توڑا جائے گا اور جب کیتھولک اتحاد تباہ ہو جائے گا۔'' اس سے بیس سال پہلے بشپ Thoma Becket کے قتل کے جرم کا ذمہ دار چرچ نے رچرڈ کے باپ شاہ انگلستان کو قرار دیتے ہوئے اس پر بھاری جرمانہ کیا تھا' لیکن اس بار بادشاہ کی گرفتاری کا الزام چرچ پر لگایا جا رہا ہے۔لیکن دراصل دونوں صورتوں میں نتیجہ ایک ہی تھا۔ Easter سے پہلے انگلستان سے متعدد بشپ جن میں بدنام William of Ely اور اس کا مشیر خاص Salisbury کا بشپ Hubert Walter بھی تھے یورپ روانہ کئے گئے تاکہ وہ رچرڈ کے قید خانہ کا کھوج نکالیں اور حالات کا جائزہ لیں۔آخر انہوں نے جرمنی کے صوبہ Swabia کے علاقہ میں جسے Trifels کہا جاتا تھا ڈھونڈ نکالا۔ہنری ششم نے آسٹریا کے حاکم Leopold سے رچرڈ کو خریدنے کے بعد اسے Durnstein کے قلعہ سے لا کر یہاں رکھا تھا۔ Trifels کا یہ قید خانہ بہت بدنام تھا۔یہ سیکڑوں سال پرانا ایک سنگین قلعہ تھا جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ

اس کے تنگ وتاریک تہہ خانوں اور سرنگوں میں داخل ہونے سے پہلے انسان کو اپنے والدین کی مغفرت کی دعا مانگ لینی چاہئے کیونکہ شاید مرنے سے قبل اس کے لئے یہ آخری موقع ہو۔ تاہم انگریز پادریوں نے رچرڈ کو خوش مزاجی کی حالت میں پایا۔ اس سنگین قید میں بھی وہ کسی طرح دل برداشتہ نہیں ہوا تھا۔ اس نے ملاقاتیوں پر انگلستان اور امور حکومت کے بارے میں سوالات کی بوچھاڑ کردی۔ اس نے اپنے بھائی John کے کرتوت بڑے کان لگا کر سنے اور افسوس کے ساتھ کہا کہ اگر ایک آدمی بھی اس کے بھائی کے خلاف کھڑا ہو جائے تو بھی وہ اس قابل نہیں کہ اس پر قابو پا سکے۔ بالآخر رچرڈ اور اس کے ملاقاتیوں کو ایک فوجی دستہ کی نگرانی میں Ochsenfurt اور پھر Speyer لایا گیا۔ یہ شہر دریائے Rhein کے بائیں کنارے پر واقع ہے اور Banaria کے صوبہ کا مذہبی مرکز تھا۔ یہ اپنے شاندار گرجا گھروں کی وجہ سے مشہور تھا جہاں شہنشاہ ہنری Easter کا دربار لگایا کرتا تھا۔ دریائے Rhein کے کنارے آباد چھ شہروں میں Speyer بھی وہ شہر تھا جہاں تقریباً ایک سو سال پیشتر پہلی صلیبی جنگ کے مجاہدین کے اس متبرک جہاد کو روانگی سے پہلے عیسائیوں نے یہودیوں کا قتل عام کیا تھا۔ پھر کوئی پچاس سال پہلے اسی شہر میں فرانس کے مشہور پادری اعظم St Bernard of Clairvaux (سینٹ برنارڈ کلیرے دوم نے اس مقدس جنگ میں شریک ہونے والوں کو اللہ تعالیٰ کی حفظ وامان کا وعدہ کیا تھا اور مارے جانے والوں کے تمام گناہ بخشوا دیئے تھے۔ پس اب Henry VI بھی صلیبی جنگوں کی قابلِ شرم تاریخ میں اضافہ کر رہا تھا۔ خیر معلوم ہوتا ہے کہ رچرڈ کو اس کی کوئی پروا نہیں تھی۔ کم ازکم اسے اس نم اور تنگ وتاریک قید خانہ سے تو نجات ملی۔

اب سیاست کے پہیے حرکت میں آگئے تھے اور جلد ہی اسے اپنے دشمنوں کا سامنا کرنے کا موقع ملنے والا تھا۔ سفر کے دوران وہ خوشگوار ماحول میں تھا۔ اس کا مورخ Roger لکھتا ہے: ''وہ نہایت دلیری، خوش مزاجی اور خوش اخلاقی سے پیش آتا رہا۔'' آخر Easter کے

اتوار کو اسے شہنشاہ کے حضور میں پیش کیا گیا۔ حالانکہ اس ساری کارروائی میں شہنشاہ کا مقصد خاص تو مالی اور سیاسی فائدہ حاصل کرنا ہی تھا مگر اسے رچرڈ سے خصوصی دشمنی بھی ہو گئی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ فرانس کے بادشاہ فلپ نے خوب اس کے کان بھرے تھے۔ اب جبکہ یہ قیدی غراتا ہوا اس کے سامنے کھڑا تھا تو اس نے شکایتوں کی بوچھاڑ کر دی۔ اس نے کہا کہ رچرڈ کی غداری کی وجہ سے Sicily اس کی سلطنت سے باہر ہو گیا اور اس کے ساتھ وہاں کی بے شمار دولت اور فوج بھی۔ رچرڈ نے قبرص کے شہنشاہ Isaac Comnenus کے ساتھ کہ جو ہنری کا عزیز تھا نہایت بدسلوکی کی بلکہ کہا جاتا ہے کہ اسے کہیں فلسطین میں چاندی کی زنجیروں میں جکڑ کر رکھا۔ پھر اس نے عیاری سے Conrad of Montferrat کو قتل کرایا بلکہ شاہ فرانس فلپ کو بھی قتل کرانے کے لئے قاتل بھیجے، اور آخر میں یہ کہ اس نے آسٹریا کے مقدس پرچم کی توہین کرائی اُسے دھول اور مٹی میں کھینچنے کی Acre میں اجازت دی۔ لیکن رچرڈ نے بڑے صبر اور خوش اخلاقی سے اس کی تردید کی۔ ایک چشم دید گواہ نے لکھا ہے کہ رچرڈ نے یکے بعد دیگرے تمام الزامات کا جواب تمام حاضرینِ دربار کی موجودگی میں نہایت صفائی اور قابلِ یقین طور پر دیا۔ اس نے کہا کہ سسلی اور قبرص میں اس کے پاس کوئی اور چارۂ کار نہ تھا۔ اس کی جگہ اس مقدس جنگ کو جانے والا ہر کمانڈر یہی کرتا۔ ان ان دونوں جزیروں پر قبضہ کرنا آئندہ فوجی رسد کی حفاظت کے لئے لازمی تھا۔ قتل کے سلسلے میں اس نے صاف انکار کیا اور کہا کہ اس میں اس کا کوئی ہاتھ نہیں تھا اور نہ ہی آسٹریا کے جھنڈے کی بے حرمتی میں وہ اپنے سپاہیوں کے ساتھ تھا بلکہ اسے اس پر سخت افسوس اور شرمندگی ہوئی تھی مگر اتنی نہیں جتنی کہ اسے ہنری کے ہم وطن شہنشاہ باربروسہ (Barbarosa) کے ڈوبنے کی خبر مل کر ہوئی تھی۔ اگر وہ عظیم جرمن ترکی میں ڈوب کر نہ مرتا تو تیسری صلیبی جنگ کبھی کی کامیاب ہو چکی ہوتی۔

آخر ۴ر فروری ۱۱۹۴ء METZ میں رچرڈ کو اس کی ماں Eleanor' وزیر خزانہ Willim of Ely اور Canterbury کے پادری اعلیٰ Hubert Walter کی موجودگی میں رہا کر دیا گیا۔ آزادی ملتے ہی رچرڈ نے Salt of Bruil نامی ایک قاصد کے ذریعے اپنے بھتیجے Henry of Champagne کو کہ جو اس وقت صلیبی مہم کا سردار تھا ایک خط روانہ کیا جس میں اس نے اپنی رہائی کی اطلاع دی اور لکھا کہ وہ دشمنوں سے انتقام لے کر اور سلطنت کے معاملات سے فارغ ہوتے ہی فوراً کافروں سے نبٹنے کے لئے ارض مقدس پہنچے گا۔ رچرڈ واقعی ایک ڈرامائی شخصیت کا مالک تھا۔ بہر حال چند روز بعد یہ شاداں وفرحاں جماعت Cologne آئی جہاں بڑے گرجا گھر میں بادشاہ کے لئے رسم عبادت ادا کی گئی جس کا ماخذ انجیل کے باب ۱۱:۱۲ سے لیا گیا تھا: ''اب مجھے یقین ہے کہ خداوند نے اپنا فرشتہ بھیج کر مجھے Herod کے ملک سے نجات دلائی ہے۔'' جلد ہی اس کی رہائی کی خبر ملک میں پھیل گئی اور شعراء اور عوام خوشیاں منانے لگے۔ سب سے جوشیلی نظم ایک شاعر Bertran de Born نے کہی جس کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے: ''شیر اب گھر واپس آ رہا ہے۔ خبردار یہ اعلیٰ مرتبہ درندہ کبھی اپنے مفتوح پر ظلم نہیں کرتا لیکن حلف کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ایسا پکڑتا ہے جیسے بھیڑیے کو جال میں پکڑتے ہیں۔ اب وقت آ گیا ہے جب ہمارے جہاز ساحل سمندر پر پہنچیں گے اور ہمارا ذی شان وشجاع بادشاہ نمودار ہوگا۔ شاہ رچرڈ کبھی اتنا عظیم نہیں تھا جیسا کہ آج۔'' بالآخر ۱۲ر مارچ ۱۱۹۴ء Sandwich کے مقام پر رچرڈ نے انگلستان کی سرزمین پر قدم رکھا۔ وہ پہلے تو Thomas Becket کے مزار پر اظہار عقیدت کے لئے گیا' پھر وہاں سے لندن روانہ ہوا۔ رچرڈ کی آمد کی توقع میں اس کے ساتھیوں نے John کے ساتھ ملے ہوئے غداروں کے خلاف سرگرمیاں شروع کر دی تھیں۔ رچرڈ کے آنے سے پہلے ہی John کا ایک قاصد پکڑا گیا تھا جو وہاں کے سب سے مضبوط قلعہ کو یہ پیغام لے کر جا رہا تھا کہ اب وہ دونوں بھائیوں کے درمیان جنگ کے لئے تیار ہو جائیں۔ اس خبر سے وہاں کا بشپ ایسا گھبرایا کہ اس نے John

کو فوراً ہی عیسائیت سے خارج کر دیا کہ اس نے سلطنت کے امن وامان میں خلل ڈالا تھا۔ پھر وہاں کے سب پادری زرہ بکتر پہن کر ملک کے باقی قلعوں کا محاصرہ کرنے روانہ ہو گئے۔ Canterbury کے پادری اعلیٰ کی سرکردگی میں انہوں نے ملک کے جنوبی علاقوں کے قلعوں کا رُخ کیا اور جلد ہی John کے Malborough اور St, Mictaels Mount کے قلعے ان کے ہاتھ آ گئے اور ساتھ ہی شمال میں Lancaster بھی فتح ہو گیا۔ اُدھر Durham کا بشپ Tickhill اور ناٹنگھم گیا۔ یہ دونوں قلعے John کے دفاع کے مرکز تھے اور ہنوز سختی سے مقابلہ کر رہے تھے۔ Tickhill کے مدافعین نے تو پہلے ہتھیار ڈالے مگر جب ان کے سرداروں کو رچرڈ کی موجودگی میں لے جا کر اس کے زندہ ہونے کا یقین دلایا گیا۔ اب ناٹنگھم کا قلعہ ہی باقی رہ گیا۔ رچرڈ جلد ہی ''یوم مریم'' کے تہوار کے موقع پر اس علاقے میں پہنچا مگر وہاں بجائے حضرت جبرئیل کی طرح اس کا خیر مقدم کیا جاتا اسے عجیب افراتفری کا سامنا ہوا۔ قلعہ کے مدافعین نے کسی طرح یقین نہیں کیا کہ رچرڈ واپس آ گیا ہے اور ہر ثبوت کو رد کر دیا۔ طیش میں آ کر رچرڈ نے فصیل کے بالمقابل سنگ باری کی بھاری مشینیں لگوائیں اور ان پر John کے کچھ ساتھیوں کو پھانسی پر ٹنگوایا۔ چند روز بعد ہی یہ قابلِ مذمت معاملہ طے ہوا اور جان کے وفاداروں نے بادشاہ کے قدموں پر گر کر جان کی سلامتی کی بھیک مانگی۔ بادشاہ کے مشیروں کی ایک مجلس منعقد کی گئی جس میں رچرڈ کی ماں الینور بھی شامل تھی۔ اس میں جان کو حکم دیا گیا کہ وہ چالیس دن کے اندر بغاوت کے الزام میں عدالت کے روبرو حاضر ہو ورنہ اس کی تمام جائیداد و املاک ضبط کر لی جائیں گی۔ پس اس طرح رابن ہڈ کی داستان کی تخلیق ہوئی۔ جان کی ظالمانہ حکومت کے دور میں ناٹنگھم کے غدارانہ ماحول میں رچرڈ کے بعض وفاداروں نے قریب کے Sherwood کے جنگل میں ان ظالموں کے خلاف جدوجہد شروع کر دی۔ ان کا سردار رابن ہڈ تھا جو ایک اعلیٰ خاندان کا فرد تھا۔ یہ لوگ John کے مالداروں کو لوٹ کر وہاں کے غریبوں کی مدد کیا کرتے تھے۔ پس رابن ہڈ عوام کا ہیرو بن گیا۔ اس کا مخالف ناٹنگھم کا

کوتوال (Sheriff) تھا جو مستقل رابن ہڈ اور اس کے ساتھیوں کو پکڑنے کی کوشش کرتا تھا جس میں طرح طرح کی چالیں ہوتی تھیں۔ چونکہ رابن ہڈ ایک بے مثال تیر انداز تھا اس لئے Sheriff نے تیراندازی کا ایک مقابلہ کرایا اور یہ اعلان کیا کہ جیتنے والے کو ایک سونے کا تیر دیا جائے گا۔ ادھر رابن ہڈ کا مقصد یہ تھا کہ شاہ رچرڈ کی رہائی تک John کے ظالمانہ قوانین کو توڑا جائے اور Sherwood کے جنگل کو غداروں سے پاک رکھا جائے۔ Robin کے ساتھ سو تیرانداز تھے جن میں Will Scarlet اور T·ick نامی ایک قلندر بھی تھا۔ یہ سب سبز پوش ہوتے تھے۔ کہتے ہیں کہ Robin اور اس کا دوست Little John پورے ایک میل کے فاصلے تک تیر پھینک سکتے تھے اور بے شک ان کے ساتھ Marian نامی ایک دوشیزہ بھی تھی جس کے حسن کے بارے میں بہت مدح سرائی کی گئی ہے۔ وہ تمام مردوں کی منظور نظر تھی۔ Roger of Hoveden کے لکھنے کے مطابق ناٹنگھم کے ہتھیار ڈالنے کے ایک دن بعد ہی رچرڈ Sherwood کے جنگل میں گیا جہاں اپنے وفاداروں اور ہرنوں کی بہتات دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا۔ اب وہاں وہ اس بہادر ڈاکو اور حسینہ سے ملا یا اپنا قلندرانہ لبادہ اتار کر شاہی لباس کی نمائش کی یا پھر ان سب کی جائیدادیں فوراً واپس کر دیں اس بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ایسٹر کے موقع پر ملک کے تمام رئیس بادشاہ کی دوبارہ تاج پوشی کے لئے جمع ہوئے۔ اس نے بھاری شاہی پوشاک زیب تن کی، سونے کا تاج سر پر رکھا، ایک ہاتھ میں شاہی عصا اور دوسرے میں ایک اور عصا جس پر ایک طلائی فاختہ نصب تھی۔ ایک ریشمی شامیانہ کے نیچے حلفِ شاہی اٹھانے پہنچا، قریب ہی اس کی ماں ملکہ الینور اپنی کنیزوں کے ساتھ فخر سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ رسم کی ادائیگی کے ایک ہفتہ کے اندر ہی رچرڈ انگلستان سے نارمنڈی روانہ ہوا تا کہ وہ فرانس کے بادشاہ سے اپنی ملکیت کو واپس لے۔ چند مزید قلعے فتح کرنے کے بعد ۲۸ مئی کو وہ Lisicux کے شہر پہنچا۔ اس کے ساتھ وہاں کا سردار بھی تھا۔ اس نے اس کی گھبراہٹ محسوس کر کے پوچھا کہ کیا ماجرا ہے؟ مجھے معلوم ہے کہ تم نے میرے بھائی کو دیکھا ہے، اس کا انکار مت کرو۔ اس سے کہو کہ وہ

بلاخوف وخطر میرے پاس آئے۔ وہ میرا بھائی ہے میں اس کی حماقت کی سزا نہیں دوں گا۔ سردار فوراً بخوشی John کی پوشیدہ جگہ گیا اور اس سے کہا اب نکل آؤ تم خوش نصیب ہو بادشاہ رحم دل ہے اور تم پر اتنا مہربان ہے کہ تم اس پر کبھی نہیں ہوتے۔ لرزتا کانپتا John آیا اور بھائی کے قدموں میں گر گیا۔ رچرڈ نے خندہ پیشانی سے اسے اُٹھایا اور کہا: جان پروا مت کرو' تم تو ایک نادان بچے ہو جس کے مشیر برے تھے۔ اُٹھو اور میرے ساتھ کھانا کھاؤ۔ ناٹنگھم میں کیئے گئے فیصلے کو چالیس دن گزر چکے تھے' چونکہ وہ عدالت کے سامنے حاضر نہیں ہوا تھا اس لئے اس کی تمام جائیداد ضبط ہو چکی تھی۔ اب وہ کسی جاگیر کا مالک نہیں تھا اور اپنے بھائی کا پوری طرح محتاج تھا۔ اس وقت تو وہ رہو مچھلی کو دل بھر کر کھا سکتا تھا مگر اب وہ شاہی دسترخوان کے کچھ ٹکڑوں اور مچھلی کے علاوہ کوئی اور توقع نہیں کر سکتا تھا۔

اپنی قید کی شاندار رہائی کے بعد آئندہ پانچ سال تک رچرڈ شیر دل کسی نہ کسی طرح فرانس کے بادشاہ فلپ آگسٹوس سے مستقل برسرپیکار رہا۔ گویا وہ غیظ وغضب میں بھری ہوئی دو بلیاں تھیں جو کمر تنائے' جبڑے پھاڑے' خونخوار دانت نکالے دُمیں ہلا ہلا کر ایک دوسرے کو خوف دلا رہی تھیں۔ وہ دونوں نہ تو حق وانصاف مان رہے تھے اور نہ ہی ایک دوسرے کو حسب دل خواہ سزا دے سکتے تھے اور نہ ہی وہ ایک دوسرے کے وار سے بےخبر رہ سکتے تھے۔ فلپ کے لئے رچرڈ فرانس میں ایک ناخواندہ مہمان کی حیثیت رکھتا تھا اور رچرڈ کے خیال میں فلپ نے اس کی وراثت پر غائبانہ قبضہ کر لیا تھا۔ لیکن اس کے درپردہ ان کی ذاتی دشمنی بھی تھی۔ وہ جنگ کرتے تھے' پھر صلح کر لیتے تھے اور پھر جنگ شروع کر دیتے تھے جیسے دو محبت کرنے والے جھگڑتے رہتے ہیں۔

۱۱۹۴ء میں رچرڈ نے Montmirail 'Vermeuil اور Loches کے قلعے واپس لے لئے جبکہ فلپ محض چالبازیاں کرتا رہا اور دھمکیاں ہی دیتا رہا۔ جب بھی دونوں کا میدان جنگ میں مقابلہ ہوا ہر بار فلپ ہی کو شکست ہوئی۔ جولائی میں رچرڈ نے فلپ کے شاہی سامان کے قافلے پر شب خون مارا جس میں اس نے نہ صرف مال اور گھوڑے پکڑے بلکہ شاہی مُہر اور

خزانے کی فہرست بھی لے اُڑا' چنانچہ شاہی کلرکوں کو از سرِ نو بدقت تمام یہ فہرست تیار کرنی پڑی۔ ایک دفعہ تو فلپ نے بیزار ہو کر رچرڈ کو ایک نہایت احمقانہ تجویز پیش کی۔ اس نے چیلنج دیا کہ ہر فریق پانچ شہسوار مقابلہ کے لئے بھیجے جو اُس وقت تک لڑیں جب تک کہ ایک طرف کے تمام جنگ باز ہلاک ہو جائیں تاکہ یہ ثابت ہو جائے کہ بادشاہِ حقیقی اس جہان میں کس فانی کو بادشاہت دیتا ہے۔ رچرڈ تو ہمیشہ سے ہی جنگی مقابلوں کا شائق تھا' وہ بڑا خوش ہوا اور فوراً یہ تجویز منظور کر لی صرف اس شرط پر کہ دونوں بادشاہ بذاتِ خود اس معرکہ میں شریک ہوں' نیز یہ کہ سب جانباز ایک جیسے ہتھیاروں سے مسلح ہوں۔ فلپ نے فوراً اپنی تجویز واپس لے لی۔ ان برسوں میں کچھ اور اہم اداکار بھی اسٹیج سے غائب ہو گئے۔ یروشلم میں Henry of Champagne فوت ہو گیا۔ ادھر جرمنی کا شہنشاہ Henry VI بھی سسلی فتح کرنے کے بعد چل بسا اور یورپ کی طوائف Alais نے بھی بالآخر شادی کر لی اور انگلستان کے بادشاہ رچرڈ کے لئے انگلستان غیر ضروری بن گیا۔ یوں تو وہ ایک بار ایک شاندار جنگی ٹورنامنٹ کے لئے انگلستان آیا مگر شجاعت کے مظاہرے کے بجائے اس کا مقصد ٹکٹوں کی آمدنی سے خزانہ پُر کرنے کا تھا۔ ایک بار پھر رنگ برنگے خیمے لگائے گئے اور بہت سے شائقین اپنے ہیروز، حسیناؤں اور پھولوں کی سج دھج دیکھنے کے لئے جمع ہوئے۔ حالانکہ اس نمائشی جنگ میں صلیبی جنگ کے آزمودہ کار جنگ بازوں نے حصہ لیا لیکن وہ بے دھار تلواروں اور بے نوک کے نیزوں سے لڑ رہے تھے پھر بھی وہ بعض کو ہلاک کرنے یا کم از کم نیم مردہ کرنے میں کامیاب رہے اور ناظرین نے خوب لطف اُٹھایا۔ ۹۷-۱۱۹۶ء میں رچرڈ اور فلپ کے مابین عارضی صلح ہو گئی۔ تضیع اوقات کے لئے رچرڈ نے اپنا سب سے بڑا قلعہ تعمیر کرایا جس کا اس نے Gaillard نام رکھا۔ یہ قلعہ اپنے دور کا عجوبہ تھا اور دریائے Seine سے اُوپر Andely کی چٹان پر تعمیر کیا گیا تھا۔ یہ سنگین قلعہ اس کی نارمنڈی کی جائیداد کی حفاظت کے لئے بنایا گیا تھا اور فلپ اس کی تعمیر دیکھ کر محض دانت ہی پیستا رہا۔ اسے جلانے کے لئے رچرڈ نے قلعہ کی بلند فصیل سے تین فرانسیسیوں کو پھنکوا دیا۔ فلپ نے قہر و غضب سے دھمکی دی کہ وہ ایک دن نارمنڈی اور Agiutaine ضرور واپس لے گا چاہے رچرڈ کتنے

ہی قلعے کیوں نہ بنوائے۔ رچرڈ نے اس کا جواب دیا کہ اگر اس کا قلعہ پتھر کے بجائے مکھن کا بھی ہو تب بھی وہ اس کا دفاع کرے گا۔

کچھ عرصہ امن وامان کے بعد ۱۱۹۸ء میں اور بھی زور وشور سے جنگ شروع ہوگئی۔ درباری شاعر Bertrand de Born نے نہایت خوشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا: ''جنگ سے مجھے بڑی خوشی ہوتی ہے چونکہ میں دیکھتا ہوں کہ جنگ کی بدولت تمام درباری تحفے، نغمے، موسیقی اور دیگر عیش ونشاط کے سامان فروغ پاتے ہیں۔'' ایک بار پھر نارمنڈی میں جانبین کی فوجیں صف آرا ہوگئیں لیکن اس بار پوپ نے مداخلت کی۔ اس کے اعصاب پر تو ہنوز صلیبی جہاد مسلط تھا۔ لہٰذا اس نے کہا کہ یہ برادرانہ خانہ جنگی بند ہونی چاہئے۔ آخر بڑی دھمکیوں' لالچ اور وعدہ وعید کے بعد رچرڈ مان گیا اور انگلستان اور فرانس کے مابین پنج سالہ صلح نامہ طے پایا۔ فلپ کے ساتھ جھگڑا طے ہوجانے کے بعد یہ توقع کی جاسکتی تھی کہ اب رچرڈ آرام سے اپنے ملک کی نسبتاً پُرامن فضا سے لطف اُٹھائے گا اور بالآخر امور سلطنت کی طرف متوجہ ہوگا لیکن اسے تو جنگ ہی سے عشق تھا' وہ تو صرف جنگ ہی کرنا جانتا تھا اور اس میں اسے مزا آتا تھا۔ اب اس کے لئے بیرونی جنگوں کی جگہ داخلی جھگڑوں نے لے لی۔ اس کی سلطنت کے جنوبی علاقوں میں بعض ناہنجار سرداروں نے اس کا مذاق اُڑانا شروع کردیا تھا۔ لہٰذا جہاں بھی وہ بدتمیز ہوتے رچرڈ فوراً وہاں پہنچ جاتا۔ Limgoes میں ایک Chalus نامی سردار تھا جس نے شاہی خزانے کا سونے، چاندی کا ایک حصہ دبا لیا تھا۔ چنانچہ رچرڈ فوراً پہنچ گیا اور اس نے قلعہ کی فصیلوں کے روبرو محاصرے کی مشینیں نصب کرائیں۔ دراصل یہ بڑی حقیر اور کم رتبہ جنگ تھی جو کسی طرح ایک زبردست بادشاہ کے شایانِ شان نہ تھی اور نہ ہی اس قابل تھی کہ جس کی خاطر جان کا خطرہ مول لیا جائے۔ لیکن رچرڈ تو خطرات کا عادی ہوچکا تھا' اتنی زبردست جنگوں کے بعد کہ جن میں اس کے بچنے کے بہت کم امکانات تھے' اسے اب اپنے ناقابل شکست ہونے کا یقین ہوگیا تھا۔ کاش اُس وقت اس کے کانوں میں صلاح الدین کے وہ الفاظ سنائی دیتے جو اس نے کہے تھے: ''اگر اسے (رچرڈ) احمق نہ کہا جائے تو پھر بھی وہ لاپروا اور عاقبت نااندیش ضرور ہے۔ وہ خواہ مخواہ خود کو

خطرے میں ڈالتا ہے اور اپنی جان کی کوئی پروانہیں کرتا۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو چاہے میری سلطنت کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو میں تو بجائے غیر ضروری بہادری اور جلد بازی کے مظاہرے کے عقل وشعور سے دولت حاصل کروں گا۔'' قلعہ کے مدافعین تو پہلے ہی ہتھیار ڈالنے پر آمادہ ہو گئے تھے بشرطیکہ انہیں جان کی امان ملے اور ہتھیار رکھنے کی اجازت دی جائے' مگر اس وقت رچرڈ کا موڈ بہت بگڑا ہوا تھا اور وہ کسی شرط کو ماننے کو تیار نہ تھا۔ وہ تو فصیلوں کو ڈھا کر تمام باغیوں کو پکڑے گا اور ان سب کو پھانسی پر لٹکائے گا۔ بغیر کسی خطرے کی پروا کئے وہ شہر کی فصیل کے سامنے بلا زرہ بکتر پہنے ہوئے غیظ وغضب میں گھوم رہا تھا کہ دفعتہً Basil نامی ایک نوجوان تیرانداز نے اسے نشانہ بنایا اور تیر اس کے بازو میں پیوست ہو گیا۔ رچرڈ نے بپھر کر فوج کو یکدم پوری طاقت سے قلعے پر حملہ کرنے کا حکم دیا اور خود گرتا پڑتا کسی طرح گھوڑے پر سوار ہو کر شاہی خیمے میں واپس ہوا جہاں ایک جراح نے اس کی مرہم پٹی کی۔ اس کے مؤرخ کے بقول اس کے زخم کا علاج ڈاکٹر نے نہیں ایک قصائی نے کیا۔ اس جاہل نے زخم سے صرف تیر کی ڈنڈی ہی نکالی اور اس کی نوک جسم میں ہی رہنے دی۔ آخر بڑی کانٹ چھانٹ کے بعد بدقت تمام اسے بھی نکالا گیا۔ لیکن دورانِ خون کے بند ہونے سے رچرڈ کا بازو سیاہ ہونے لگا۔ جب تک رچرڈ کو اپنی حالت کی سنگینی کا احساس ہوا اس کی فوج نے قلعہ فتح بھی کر لیا۔ رچرڈ نے حکم دیا کہ تیرانداز Basil کے علاوہ تمام مدافعین کو پھانسی پر لٹکا دیا جائے۔ Basil کے لئے تو اس نے ایک خاص سزا رکھی تھی۔ جب وہ نوجوان تیرانداز گھسیٹ کر رچرڈ کے حضور میں پیش کیا گیا تو رچرڈ کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ نہ تو وہ اپنے کئے پر پشیمان ہوا اور نہ ہی اس نے رچرڈ کے روبرو کسی خوف وہراس کا اظہار کیا۔ رچرڈ نے غضبناک ہو کر ڈانٹ کر پوچھا کہ بتا میں نے تیرا کیا بگاڑا تھا کہ تو نے مجھے قتل کرنے کی کوشش کی؟ اس نوجوان نے جواب دیا کہ تم نے خود اپنے ہاتھ سے میرے باپ اور دو بھائیوں کو قتل کیا ہے اور اب مجھے بھی قتل کرنا چاہتے ہو۔ پس مجھ سے انتقام لو۔ جو بھی بڑی سے بڑی اذیت مجھے دینا چاہو دے لو۔ میں برداشت کروں گا بشرطیکہ تم بھی اپنے انجام کو پہنچو۔ تم نے اس دنیا میں بڑے ظلم ڈھائے ہیں۔ اس جرأت وبیباکی کا رچرڈ پر خاصا اثر ہوا۔ ادھر جلاد بے صبری سے منتظر تھے کہ ان کا

بادشاہ کس ہولناک موت کو اس گستاخ کے لئے مناسب سمجھتا ہے۔ Basil نے مطالبہ کیا کہ اسے باعزت طریقے سے تہ تیغ کیا جائے لیکن دربار کے اُمراء چاہتے تھے کہ اسے آہستہ آہستہ نہایت دردناک طریقے سے موت کے گھاٹ اُتارا جائے۔ آخر رچرڈ نے کہا: ''میں تم پر اپنا قتل معاف کرتا ہوں۔ جیتے رہو اور میری فیاضی سے دن کی روشنی دیکھو تاکہ دوسرے اس مثال سے سبق سیکھیں۔'' اس نے حکم دیا کہ اس نوجوان کو آزاد کیا جائے اور اسے سو انگریزی شلنگ دیئے جائیں۔ اس کے بعد وہ اپنے معاملات کی جانب رجوع ہوا۔ بالآخر اس نے اپنے بھائی John کو باقاعدہ طور پر اپنے بعد شاہی تخت کا جانشین مقرر کیا۔ اس نے وصیت کی کہ اس کی تمام جائیداد واملاک' قلعے اور شاہی خزانے کا تین چوتھائی حصہ اس کے بھائی کو دیا جائے اور باقی ایک چوتھائی اس کے خادموں اور غریبوں میں تقسیم ہو۔ پھر اس نے اپنا جسم بھی تقسیم کیا۔ اس کا دل Rouen کو بھیجا جائے۔ اس شہر کو جس کے لوگوں نے ہمیشہ اس کے ساتھ وفاداری کی تھی۔ یہ ان کا تحفہ ہو۔ اس کی لاش اس کے باپ Henry II کے قدموں میں Font- Evrault میں دفن کی جائے' یہ اس گستاخی کے بدلے میں جو اس نے اپنے باپ کے ساتھ کی تھی۔ اور اس کی آنتیں یہاں Poitou ہی میں رکھی جائیں تاکہ وہ اس علاقے میں ہمیشہ بدبو پھیلائیں جہاں کے لوگوں نے اس کے ساتھ غداری اور بے وفائی کی تھی۔ لیکن بستر مرگ پر اس کی صرف یہی وصیت نہیں تھی۔ اس کی روح اور بدکاریوں کی تقسیم ہونا بھی ضروری تھی۔ Cistercians (فرانس میں عیسائیوں کا ایک فرقہ) کو اس نے اپنی مال و دولت کی حرص و لالچ اور فقیروں اور درویشوں کو اپنی عیش پرستی چھوڑی اور اپنے محبوب جانباز Templars کے لئے اس نے اپنا غرور چھوڑا۔ آخر ۶/اپریل ۱۱۹۹ء میں اس کا انتقال ہوگیا۔

اس نوجوان کے بدقسمت تیر سے قبل اسے کسی رکاوٹ نے نہیں روکا۔ بقول ایک شاعر کے ''نہ تو سمندر کے طوفان' نہ ہی کھڈوں کی گہرائی' نہ ہی پہاڑوں کی بلندی' نہ ہی شاہراہوں کے پیچ وخم اور بدحالی' نہ ہی آندھیوں کے جھونکے' نہ ہی خوفناک روحیں اور نہ ہی تاریک آندھیاں اسے روک سکیں۔'' لیکن اس شیر کو ایک چیونٹی نے ہلاک کردیا۔ ایک اور درباری شاعر لکھتا ہے: اے

رب تو ہی حقیقی غفار ہے' تو ہی حقیقی خدا، حقیقی انسان اور حقیقی حیات ہے۔ رحم کر اور معاف فرما کیونکہ اس وقت وہ اسی کا محتاج ہے۔ اور اے رب اس کی غلطیوں اور گناہوں کو مت دیکھ بلکہ یاد کر کہ وہ کیسے تیری خدمت کے لئے گیا تھا۔

اختتامیہ (۱)

صلیبی جنگیں۔ مختصر احوال

اسلام کے خلاف اہلِ یورپ کی جدوجہد پندرھویں صدی تک جاری رہی جس کے جوش و خروش اور اتحاد کی بنیاد ان کا مذہب تھا جس نے ان میں خود اعتمادی پیدا کی۔ عیسائیت نے ہی اُنہیں ایک عظیم اخلاقی و روحانی مہم کے لئے متحد کر دیا۔ لیکن یہ سکے کا ایک پہلو ہی تھا' اس کا دوسرا پہلو یہ تھا کہ اس نے یورپ کے فوجی طبقے کو کہ جو اُس دور میں وہاں کے معاشرے پر حاوی تھا' بے لگام طور پر اپنی لوٹ مار کی ہوس کو مکمل آزادی دے دی۔ اب وہ اپنا ضمیر پراگندہ کئے بغیر ان کافروں کی خوب قتل و غارت کر سکتے تھے۔ اس تحریک میں نارمن سب سے آگے تھے جنہوں نے ۱۱۰۰ء میں عربوں سے Sicily واپس لے لیا اور ساتھ ہی گویا ضمنی طور پر Byzantine کے مغربی مقبوضات کو بھی ہضم کر لیا۔ اسلام کے خلاف یورپ والوں کی دوسری جدوجہد اسپین کی تاریخ کی داستان ہے جو ۱۴۹۲ء میں اپنے اختتام کو پہنچی جبکہ اسلامی سلطنت کا آخری قلعہ غرناطہ کیتھولک حکمرانوں نے فتح کیا۔ یوں بھی اسپین والوں کے لئے ملک کو آزاد کرانا عین مذہبی فریضہ تھا جس کی وجہ سے گیارہویں صدی سے ہی یورپ کے تمام ملکوں کے جانباز وہاں شریک ہو رہے تھے۔ لہٰذا مذہبی جوش نے مغرب میں بھی اتنی ہی سرعت اور طاقت سے اثر کیا جیسا اس نے مشرق میں ملکِ شام و فلسطین میں کیا تھا۔ یہ صلیبی جنگیں دو سو سال سے زیادہ جاری رہیں اور اگرچہ وہ اپنے مقصد میں ناکام رہیں اور ارضِ مقدس کو مسلمانوں سے پاک نہ کرا سکیں لیکن پھر بھی انہوں نے نہ صرف ان علاقوں پر جہاں یہ جنگیں ہوئی تھیں بلکہ تمام یورپ کے معاشرے کی نفسیات پر ایک دائمی داغ لگا دیا۔ ان میں پہلی چار جنگیں زیادہ اہم تھیں۔ پہلی جنگ ۱۰۹۶ء میں کامیاب

ہوئی۔ صلیبی مجاہدین نے تین سال میں ہی یروشلم فتح کر لیا جہاں انہوں نے امن وامان کا جشن مناتے ہوئے لاتعداد قیدیوں، عورتوں اور بچوں کا قتل عام کیا۔ دوسری صلیبی جنگ (۴۹۔ ۱۱۴۷ء) مقابلتاً بڑی کامیابی سے شروع ہوئی جس میں جرمنی کے Rheinland کے یہودیوں کا بلا امتیاز خوب قتل عام کیا گیا لیکن اس کے بعد یہ بری طرح ناکام ہوئی حالانکہ یہ ایک شہنشاہ اور فرانس کے بادشاہ کے پورے تعاون سے کی گئی تھی مگر پھر بھی Edessa کو فتح کرنے میں ناکام رہی۔ اسی شہر کو عربوں سے دوبارہ حاصل کرنے کے لئے یہ مہم روانہ کی گئی تھی۔ اس شکست سے St Bernard کو کہ جو اس تحریک کا سب سے بڑا مددگار تھا' سخت بدنامی کا سامنا کرنا پڑا۔ البتہ اس مہم سے اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ ایک انگریزی بحری بیڑے نے Lisbon کو عربوں سے چھین کر اسپین کے بادشاہ کے حوالے کیا۔ اس کے بعد ۱۱۸۷ء میں صلاح الدین نے اسلام کے لئے یروشلم پھر فتح کر لیا۔ یہ تیسری صلیبی جنگ (۱۱۸۹ء تا ۱۱۹۲ء) سب سے زیادہ اہم اور مشہور ہے۔ اس میں ایک جرمن شہنشاہ خشکی کے راستے سے آتے ہوئے ترکی کے ایک دریا کو پار کرتے ہوئے ڈوب کر مرا۔ اور انگلستان اور فرانس کے بادشاہوں نے حصہ لیا۔ یہ دونوں آپس میں لڑتے جھگڑتے رہے اور یروشلم فتح نہ کر سکے۔ پھر پوپ Innocent III نے ایک اور صلیبی مہم روانہ کرنے کی کوشش کی مگر یورپ کا کوئی بڑا حاکم اس کے لئے تیار نہ ہوا البتہ بہت سے لوٹ مار اور زمینوں پر قبضہ کرنے کے حریص تیار ہو گئے۔ وینس کے تاجروں نے اس مہم کی مالی امداد کی۔ مہم ۱۲۰۲ء میں روانہ ہوئی۔ اس وقت Byzantine کے حاکم خاندان میں وراثت کا جھگڑا ہو رہا تھا جس نے وینس والوں کو قسطنطنیہ فتح کرنے کا بہترین موقع دیا' چنانچہ صلیبی لشکر فوراً بجائے فلسطین کے قسطنطنیہ کی طرف موڑ دیا گیا تاکہ وہاں کے حاکم کو کہ جو Venice کے حق میں تھا دوبارہ پھر تخت پر بٹھایا جائے۔ لہٰذا ۱۲۰۴ء میں یہ شہر نہایت سفاکی سے لوٹا گیا اور خوب کشت وخون کیا گیا اور قسطنطنیہ پر لاطینی سلطنت قائم کی گئی جو وہاں صرف کچھ عرصہ تک برقرار رہ سکی۔ اس کے بعد تیرھویں صدی میں بھی متعدد صلیبی جنگیں ہوئیں' انہوں نے Byzentine کو خطرات سے کچھ عرصہ تک بچایا لیکن ارض مقدس کو فتح کرنے کی مہم فوت ہو چکی تھی' گو کہ اس کا

مذہبی جذبہ ہنوز عوام پر طاری تھا۔ پہلی چار جنگوں نے حرص و طمع کے بدنما چہرے کو اکثر بے نقاب کیا۔ یہ اہلِ یورپ کی سمندر پار آمریت کی قدیم ترین مثالیں ہیں جن سے ان کی شرافت اور غیر شرافت دونوں عیاں ہوتی ہیں۔ جس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یورپ والوں نے دوسرے ملکوں پر قبضہ جمانے کے لئے اپنے لوگوں کو وہاں آباد کرنے کی کوششیں کیں جس میں وہ ناکام رہے۔ جبکہ اسپین اور جرمنی میں وہ محض اپنی سلطنتیں ہی وسیع کر رہے تھے۔ انہوں نے شام و فلسطین جیسے دور دراز ملکوں میں نہ صرف زمینوں پر اور ان ملکوں کے مال و دولت پر قبضہ کیا جو یورپ میں نایاب تھے بلکہ ساتھ ہی اپنے مذہبی اور معاشرتی اداروں کو بھی قائم کرنے کی کوشش کی اور یہ سب کچھ انہوں نے بغیر کسی ذہنی پریشانی کے کیا۔ ان کے ضمیر پاک صاف رہے چونکہ آخر ان کے مخالف کافر ہی تھے جنہوں نے عیسائیت کے مقدس ترین مقامات پر قبضہ کیا ہوا تھا۔ ان کا ایک مشہور ترانہ ہے جسے Song of Roland کہتے ہیں جس میں صاف کہا جاتا ہے: ''عیسائی حق بجانب ہیں اور کافر غلطی پر ہیں۔'' غالباً یہی عام صلیبی ذہنیت کا لُب لباب ہے۔ پہلی صلیبی جنگ کی مختصر کامیابی کی وجہ دنیائے اسلام کی خانہ جنگیاں اور افراتفری تھی اور ساتھ ہی فرنگی نوآبادیوں کا قیام تھا۔ اُدھر قسطنطنیہ میں لاطینی سلطنت ختم ہو چکی تھی۔ تاہم اس سے اہم اور دائمی نتائج برآمد ہوئے۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے قسطنطنیہ کے سب سے پہلے لوٹنے والے روم کے صلیبی مجاہدین ہی تھے جس سے روم کی مغربی اور قسطنطنیہ کی مشرقی عیسائیت کا تنازعہ بہت بڑھ گیا تھا۔ صلیبی جنگوں نے مغربی عیسائیت کو بہت طاقت بخشی اور اسے بہت زیادہ جنگی اور جارحانہ صلاحیت دی جس سے مستقبل میں ان کے تبلیغی کام کو بہت مدد ملی اور بالخصوص جنگی اسلحہ و دیگر اہم ایجادات نے انہیں مزید برتری دی۔ اس ماحول میں اس مجموعی ذہنیت کی نشو و نما ہوئی جس میں تمام عالم کو فتح کرنے والی لادینی تحریک نے تشکیل پائی۔ اسپین نے ملک کا فروں سے پاک کرایا ہی تھا کہ عیسائی مجاہدین نئے صلیبی جہاد کی تلاش میں براعظم امریکہ کی طرف چل پڑے۔ پھر بھی یورپ اسلامی اثرات سے محفوظ نہ رہ سکا۔ اس جدوجہد میں اہلِ یورپ نے بہت سی نئی عادات اور معاشرتی اداروں کو بیرونی ممالک سے درآمد کیا یا ایجاد کیا۔ ارضِ مقدس، سسلی یا اسپین جہاں بھی ان کا اسلام سے سامنا ہوا انہیں

بہت سی خوشگوار اور قابل تعریف چیزیں ملیں۔ ایسی عیش و آرام کی چیزیں انہیں یورپ میں میسر نہیں تھیں۔ مثلاً ریشمی کپڑے، عطر و خوشبو اور لذیذ کھانے وغیرہ۔ بالخصوص بعض صلیبیوں نے غسل کرنے کی عادت اختیار کی۔ یورپ میں نہانے پر بھی ایک مذہبی رنگ چڑھ گیا تھا۔ یورپ میں حمام میں جا کر غسل کرنا معیوب تھا چونکہ وہاں جنسی بدکاریوں کا احتمال تھا۔ دراصل فی الحال پاکیزگی اور طہارت کا یورپ میں مذہب سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

..........☆☆☆☆☆..........

پہلی صلیبی جنگ۔ ۱۵ر جولائی ۱۰۹۹ء میں یروشلم عیسائیوں نے فتح کیا۔ ایک غیر معلوم صلیبی مجاہد نے مختصراً اس کا احوال یوں لکھا ہے:۔

ہمارے مجاہدین نے شہر میں گھس کر حضرت سلیمان کے مندر تک عربوں کا تعاقب کیا اور انہیں قتل کیا۔ یہ لوگ بھاگ کر وہاں جمع ہو گئے تھے جہاں سے انہوں نے متحد ہو کر سخت ترین مقابلہ کیا۔ یہاں تک کہ سارا مندر ان کے خون سے جگمگا گیا۔ بالآخران کافروں کو شکست دینے کے بعد ہمارے لوگوں نے مندر میں ایک کثیر تعداد میں عورتوں اور بچوں کو گرفتار کیا جنہیں انہوں نے حسب دل خواہ قتل کیا یا چھوڑ دیا۔ مندر کی بالائی منزل میں کافروں کی ایک بڑی جماعت جس میں مرد و عورت دونوں شامل تھے پناہ گزین تھی جنہیں ہمارے سردار Tancrerd اور Gaston de Bearn نے اپنے جھنڈے دے دیئے تھے تاکہ وہ محفوظ رہیں۔ صلیبی مجاہدین فوراً ہی تمام شہر پر چھا گئے۔ ہاں انہوں نے سونا، چاندی، گھوڑے، خچر اور مال و دولت سے بھرے ہوئے مکانات خوب لوٹے۔ مکمل طور پر خوشی سے مدہوش ہو کر نعرے مارتے ہوئے وہ ہمارے نجات دہندہ (حضرت) عیسیٰ کے مرقد مقدس پہنچ کر خراج عقیدت پیش کرنے لگے۔ دوسرے دن صبح کو ہمارے لوگ بالائی منزل پر جا کر مندر کی چھت پر چڑھے جہاں کافر موجود تھے۔ انہوں نے وہاں تمام مرد و عورتوں کو تہ تیغ کیا۔ کچھ لوگ جان بچانے کے لئے مندر کی چھت سے کود گئے۔ یہ منظر دیکھ کر Tancred سخت ناراض ہوا۔

فہرست

☆ پہلی صلیبی جنگ: ۱۰۹۵ء کی Council of Clermont میں پوپ Urban II فرمان نازل کرتا ہے۔

☆ ۱۰۹۹ء میں یروشلم اور لاطینی سلطنت کی بنیاد فتح ہوتی ہیں۔

☆ ۱۱۴۴ء میں سلجوق ترک عیسائیوں کا اہم شہر Edessa فتح کرتے ہیں۔ اس بناء پر St Bernard ۱۱۴۶ء میں پھر صلیبی جہاد کی تبلیغ کرتا ہے۔

☆ دوسری صلیبی جنگ: ۱۱۴۷ء تا ۱۱۴۹ء مکمل طور پر ناکام ہوتی ہے۔ البتہ اس کے نتیجہ میں ایک انگریزی بحری بیڑہ Lisbon فتح کر کے عربوں سے چھین کر پرتگال کے بادشاہ کے حوالے کرتا ہے۔

☆ سلطان صلاح الدین ۱۱۸۷ء میں اسلام کے لئے یروشلم فتح کر لیتا ہے۔

☆ تیسری صلیبی جنگ ۱۱۸۹ء میں یروشلم فتح کرنے کیلئے کی جاتی ہے۔ مگر ناکام رہتی ہے۔

☆ ۱۱۹۲ء میں صلاح الدین عیسائی زائرین کو مرقد مقدس جانے کی اجازت دیتا ہے۔

☆ چوتھی صلیبی جنگ: ۱۲۰۲ء چار اہم صلیبی مہموں میں یہ سب سے آخر میں تھی۔ اس میں صلیبی مجاہدین بجائے ارض مقدس کے مشرقی عیسائیت کے دارالخلافہ قسطنطنیہ (موجودہ استنبول) فتح کر کے نہایت بیدردی سے قتل عام اور لوٹ مار کرتے ہیں اور ۱۲۰۴ء میں وہاں مغربی عیسائیت کی لاطینی سلطنت قائم کرتے ہیں۔

☆ یہ مہم ایسی غیر اہم اور غیر سنجیدہ ہے کہ اسے ''جہاد طفلاں'' کہا جاتا ہے۔

☆ پانچویں صلیبی جنگ مصر میں Damietta فتح ہوتا ہے مگر جلد ہی پھر شکست ہو جاتی ہے۔

☆ شہنشاہ فریڈرک دوم ۱۲۲۸ء-۲۹ء میں یروشلم فتح کر کے خود کو وہاں کا بادشاہ بناتا ہے مگر وہ عیسائیت سے خارج کر دیا جاتا ہے۔

☆ ۱۲۳۹ء-۴۰ء میں Theobold of Champagne اور Richard of Cornwall پھر جہاد کرتے ہیں۔

☆ ۱۲۴۴ء میں مسلم پھر یروشلم فتح کر لیتے ہیں۔

☆ ۱۲۴۸ء-۵۴ء میں فرانس کا بادشاہ Louis IX ایک صلیبی مہم لے کر مصر پر چڑھائی کرتا ہے جہاں وہ گرفتار ہو جاتا ہے۔ جہاں سے وہ یروشلم کو زیارت کرنے جاتا ہے۔

☆ ۱۲۷۰ء میں Louis IX پھر صلیبی مہم کے ساتھ تونس جاتا ہے جہاں اس کا انتقال ہو جاتا ہے۔

☆ ۱۲۸۱ء عیسائیوں کا آخری قلعہ Acre بھی مسلمان فتح کر لیتے ہیں۔

☆ اس کے علاوہ اور بھی کئی مہمیں ہوئی ہیں جنہیں صلیبی جنگیں کہا گیا ہے۔ ان میں سے کچھ تو غیر عیسائی اسپین اور یوگوسلاویہ والوں کے خلاف کچھ عیسائی بدعتی فرقوں اور کچھ ان عیسائی بادشاہوں کے خلاف جنہوں نے پوپ کو ناراض کیا ہو کی گئیں۔ ۱۱۶۴ء میں پوپ Plus II نے پھر صلیبی مہم کو متحد کرنے کی کوشش کی جس میں وہ ناکام رہا۔ اس سلسلہ میں یہ سب سے آخری کوشش تھی۔

☆☆☆

مندرجہ بالا مضمون کے مورخ اور کتاب:

The Illustrated History of the World Vol V, Chapter VI-

"NEW LIMTS, NEW HORIZONS"

AUTHOR: J.M. ROBERTS,
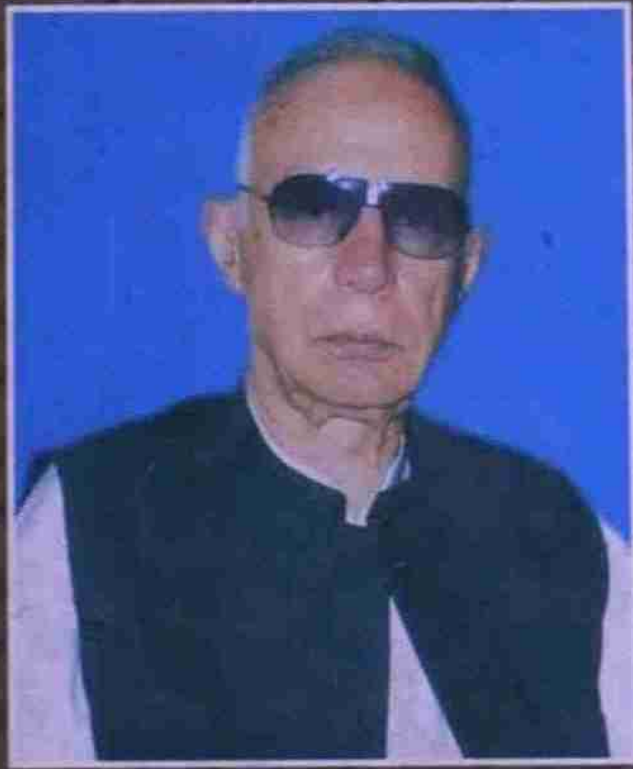
عقابی
UQAABI
تعارفِ مترجم
نام: محمد شاکر علی خاں
والد کا نام: خاں بہادر محمد باقر علی خاں
تاریخ و مقام پیدائش: 30، جون 1930
رام پور (اسٹیٹ) یو پی بھارت
سلسلۂ نسب: پٹھان ۔ بڑیچ
ابتدائی تعلیم: حامد ہائی اسکول رام پور
گریجویشن: رضا ڈگری کالج رام پور
سکونت: ESCHBORN GERMANY
عقابی